جدید فقہی مباحث

اسلام کا نظام عشر و خراج

اراضی ہند کی شرعی حیثیت

جلد اوّل

ترتیب

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی مدظلہ

تاثرات
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی
شیخ الاسلام حضرت مولانا جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

جلد ـ ۸

ناشر:
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ
گلشن اقبال کراچی فون 34965877

چند تاثرات برائے اسلامی فقہ اکیڈمی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

''اسلامک فقہ اکیڈمی ہند'' ایک ایسا ادارہ اور تنظیم ہے جس پر ہندوستانی مسلمانوں..... بالخصوص علماء اور دینی غیرت وفکر رکھنے والے ہندوستانی مسلمانوں کو فخر اور فخر سے زیادہ خدا کا شکر کرنے کا حق حاصل ہے، یہ ایک خالص تعمیری وفکری، علمی اور فقہی تنظیم اور اجتماعیت ہے جس میں ملک کے ممتاز، صحیح العقیدہ وصحیح الفکر اور وسیع العلم علماء، کارکن شامل ہیں''۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی

صدر دارالعلوم کراچی

''مجھے بے انتہا مسرت بھی ہے اور کسی قدر حسرت بھی، مسرت اس بات کی کہ ہندوستان کے علماء کرام نے وہ عظیم الشان کام شروع کیا ہے جس کی پورے عالم کو اور اقلیت والے ملکوں کو شدید ضرورت ہے، اور حسرت یہ ہے کہ ہم پاکستان میں ہونے کے باوجود منظم اور بڑے پیمانہ پر یہ کام شروع نہیں کر سکے..... فقہ اکیڈمی نے بڑا اہم قدم اٹھایا ہے، مدت سے اس کا انتظار تھا''۔

چند تاثرات

شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

نائب رئیس مجمع الفقہ الاسلامی جدہ

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم۔ سے میرا غائبانہ تعارف ایک طویل مدت سے ہے۔ پہلے میں ان کو ایک فقیہ ایک عالم کی حیثیت سے جانتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایک تنظیمی جوہر، مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بھی ودیعت کر رکھا ہے۔ آج اس محفل میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان کے علماء اور علم و فضل کے دیگر حضرات سے ملاقات کر کے اس بات کا اندازہ ہوا ہے کہ انہوں نے اس اکیڈمی کو قائم کر کے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کے اس کارنامے کو قبول فرمائے اور اس کے اغراض و مقاصد کو اپنی رضا کے مطابق پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقع پر اس اکیڈمی کے اغراض و مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس اکیڈمی کا قیام جناب نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد کی تعمیل ہے۔ وہ ارشاد معجم طبرانی میں ایک روایت ہے جسے علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ!

"اذا جاءنا امر ليس فيه امر و لا نهي فما ذا تامرنا فيه"

یا رسول اللہ! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا سوال آ جائے، ایسا قضیہ سامنے آ جائے جس کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہو تو اس صورت حال میں آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں ایسے موقع پر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ حضرت نبی کریم سرور دو عالم نے ارشاد فرمایا:

"شاوروا الفقهاء العابدين ولا تمضوا فيه رأي خاصة"

کہ ایسے موقع پر فقہاء عابدین سے مشورہ کرو اور اس میں انفرادی رائے کو نافذ نہ کرو یعنی انفرادی طور پر کسی انفرادی رائے کو لوگوں پر مسلط کرنے کی بجائے فقہاء عابدین سے مشورہ کرو اور اس مشورہ کے نتیجہ میں جس مقام پر پہنچو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سمجھو۔ یہ وہ ارشاد ہے جس کے ذریعہ نبی کریم سرور دو عالم ﷺ نے قیام قیامت تک پیدا ہونے والے لا متناہی نئے مسائل کا حل ہمارے لئے تجویز فرمایا اور وہ یہ کہ آخری وقت میں جب کہ اجتہاد مطلق کا تصور تقریباً مفقود ہو گیا ہے اس دور میں نئے مسائل کو حل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ فقہاء عابدین کو جمع کیا جائے۔ مگر اس میں نبی کریم ﷺ نے دو صفتیں بیان فرمائی، ایک یہ کہ جن لوگوں کو جمع کیا جائے وہ تفقہ فی الدین رکھنے والے ہوں، دین کی سمجھ رکھنے والے ہوں، دین کے مزاج و مذاق کو صحیح طریقے سے سمجھنے والے ہوں، دوسری صفت یہ بیان کی کہ وہ فقہاء محض الفلسفی قسم کے نہ ہوں جو نظریاتی طور پر فقیہ ہوں، "نظری طور پر اسلام کے احکام کو جانتے ہوں، جو محض علم رکھتے ہوں لیکن اس علم پر خود عمل پیرا نہ ہوں، اس علم کو اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے نہ ہوں، اور اس علم کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا نہ بنایا ہو تو ایسے فقہاء سے مشورہ کرنے کا کوئی حاصل نہیں، اس لئے کہ دین یہ محض ایک نظریاتی فلسفہ نہیں کہ ایک شخص محض فلسفہ کے طور پر اس کو اپنا لے اس کے احکام بیان کرے اور عملی زندگی میں اس کا اظہار نہ کیا جائے۔ بلکہ یہ ایک عمل ہے، ایک پیغام ہے، ایک دعوت ہے۔ جب تک اس پر عمل صحیح طور پر نہیں ہوگا اس وقت تک دین کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی۔

فہرست مضامین اسلام کا نظام عشر وخراج

سوالنامہ

اسلام کا نظام عشر و خراج

اور

ہند و پاک کی اراضی کا شرعی حکم

محور اوّل:

عشر و خراج کی حقیقت

اسلام نے کن اراضی کو عشری قرار دیا اور کن کو خراجی؟ عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق کیا ہے؟ اس سلسلہ میں کتاب و سنت، تعامل عہد صحابہ و تابعین اور فقہائے امت کے اجتہادات سے ہمیں کیا روشنی ملتی ہے؟

محور دوم:

اراضی ہند کا تاریخی جائزہ

۱۔ محمد بن قاسم سے لے کر ہندوستان پر برطانوی تسلط سے پہلے ہندوستان کی مفتوحہ اراضی کے ساتھ مسلم فاتحین کا کیا معاملہ رہا، اس کا ایک تاریخی جائزہ، ان اراضی پر عشر لازم کیا گیا یا خراج، مفتوحہ اراضی مسلمانوں پر تقسیم کر دی گئی یا ان پر حسب سابق غیر مسلموں کا قبضہ باقی رکھ کر کسی خاص قسم کا ٹیکس عائد کیا گیا ہے۔

۲۔ انگریزوں کی عملداری کے آغاز سے ۱۹۴۷ء تک اراضی ہند کی کیا نوعیت رہی؟ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اگر اس سلسلہ میں مختلف رویہ پایا گیا تو اس کی وضاحت بھی مطلوب ہے۔

محور سوم:

ہندوستان کی اراضی کا قانونی جائزہ

۱۔ مغل سلطنت کے زوال اور برطانوی تسلط کے آغاز سے لے کر ۱۹۴۷ء تک اراضی ہند کی نوعیت سے متعلق

وقتاً فوقتاً جاری ہونے والے قوانین کا جائزہ، اس سلسلہ میں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں ۱۹۴۷ء سے پہلے جاری ہونے والے قوانین کا علیحدہ علیحدہ تفصیلی جائزہ۔

۱۔ قانون تنسیخ زمینداری کے بعد اراضی ہند کی نوعیت وحیثیت اور کاشتکاروں کے مالکانہ حقوق میں کیا تبدیلی آئی اور ہندوستان کے مختلف صوبوں میں آزادی کے بعد سے کر اب تک اراضی کے بارے میں جو دوررس قانونی تبدیلیاں آئیں، ان کا ایک جائزہ۔

محور چہارم:

اراضی ہند کی شرعی حیثیت کے بارے میں چند سوالات

۱۔ ۱۹۴۷ء کی آزادی اور قانون تنسیخ زمینداری کے بعد ہندوستان کی زمینوں کا کیا حکم ہے، یہاں کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟ اگر کچھ زمینیں عشری ہیں اور کچھ خراجی تو ان کی تفصیل کیا ہے؟ کس بنیاد پر کسی زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا؟

۲۔ جن اراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے ان کا کیا حکم ہے؟

۳۔ کیا سرکار کو دی جانے والی مال گذاری خراج کے حکم میں داخل ہے؟

۴۔ اگر ہندوستان کی کچھ زمینیں خراجی ہیں تو موجودہ ہندوستان میں مسلمان خراج کی ادائے گی کس شرح سے اور کس طرح کرے، کیا جس طرح عشر کی ادائے گی عبادت ہے اسی طرح مسلمان پر لازم ہونے کی صورت میں خراج کی ادائے گی بھی عبادت ہے؟

۵۔ احکام عشر میں آب پاشی کی وجہ سے عشر نصف عشر ہو جاتا ہے، ایک جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات (کھاد، دوا وغیرہ) کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کی جا سکتی ہے؟ یا اصل پیداوار میں سے ان اخراجات کو منہا کرنے کے بعد عشر عائد کیا جائے؟

۶۔ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر کس پر واجب ہے؟ مالک پر یا بٹائی دار پر یا دونوں پر؟ مالک اور بٹائی دار میں سے ایک مسلم اور ایک غیر مسلم ہو یا دونوں مسلم ہوں، ان دونوں صورتوں میں عشر کا وجوب کس پر ہوگا؟

محور پنجم:

۱۔ کیا عشر کا وجوب پیداوار کی ہر مقدار میں ہے یا اس کے لیے کسی نصاب کا اعتبار ہوگا؟ اگر نصاب کا اعتبار

ہوگا تو وہ نصاب کیا ہے؟

۱ــــ کیا زمین سے ہر پیدا ہونے والی چیز پر عشر واجب ہے، جیسے گھاس، بانس، درخت، جانوروں کے لیے اگایا جانے والا چارہ وغیرہ یا زمین سے پیدا ہونے والی کچھ چیزیں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں؟ پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً مکھانہ، سنگھارا وغیرہ میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

۲ــــ آج کل عام طور پر زراعتی اراضی پر تالاب کھود دیئے جاتے ہیں اور اس میں مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے مچھلی کی کاشت کو بہت نفع بخش تصور کیا جاتا ہے، کسان یہ سوچتا ہے کہ اگر ان اراضی پر گیہوں، دھان وغیرہ کی کاشت کرے تو اخراجات اور محنت زیادہ ہے اور منفعت کم، اس لیے اراضی کو مچھلی کی کاشت کے لیے تالاب بنا کر استعمال کرتا ہے، کبھی اس تالاب میں قدرتی پانی جمع ہوتا ہے اور کبھی بورنگ یا دوسرے ذرائع سے اس میں پانی پہنچایا جاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ مچھلی کی اس کاشت کو زراعت میں داخل کر کے اس پر احکام عشر نافذ ہوں گے یا اس پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا؟

۳ــــ ریشم کے کیڑوں کی پرورش و پرداخت کے لیے شہتوت کے درخت لگائے جاتے ہیں، ان درختوں سے تو کوئی معتد بہ منفعت حاصل نہیں ہوتی، لیکن ریشم کی اس کاشت سے کاشت کاروں کو کافی نفع ہوتا ہے، سوال یہ ہے کہ ریشم کی اس کاشت پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

۵ــــ درختوں کی دو صورت ہوتی ہے یا تو وہ باغات ہوتے ہیں جن سے پھل حاصل کیے جاتے ہیں یا پھر وہ درخت ہوتے ہیں جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا بلکہ جلانے کے کام میں لاتے ہیں یا عمارت، فرنیچر وغیرہ میں استعمال ہوتے ہیں، ایسے درختوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

۶ــــ خضروات (سبزیاں) جو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتیں اور ان کی پیداوار میں تسلسل رہتا ہے، کچھ پھل توڑے جاتے ہیں پھر دوسرے پھل نکل آتے ہیں، اس طرح کی کاشت کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ اس کا مقصود یا ضابطہ تجارت ہوتا ہے اور دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ لوگ اپنے مکان کے گرد و پیش افتادہ اراضی میں یا اپنی چھتوں پر کچھ سبزیاں اگا لیتے ہیں، ہر دو صورت میں وجوب عشر کے بارے میں کیا حکم ہے؟

۷ــــ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے یا نہیں، خصوصاً وقف علی الاولاد کی اراضی میں؟

اسلام کا نظام عشر و خراج

اور

ہندو پاک کی اراضی کا شرعی حکم

از:۔۔۔۔۔ مولانا محمد ابوبکر، مدرسہ اسلامیہ شکرپور، بھروارہ، دربھنگہ

(محور اوّل)

عشر و خراج کی حقیقت اور عشری و خراجی اراضی کی تحقیق

مذہب اسلام نے زمین پر دو قسم کی چیزیں واجب کی ہیں۔ ایک کو عشر اور دوسرے کو خراج کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کی حیثیت اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی ہے، البتہ چند امور میں دونوں کے درمیان فرق ہے۔

پہلا فرق یہ ہے کہ عشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اسی لیے اس کو زکوۃ الارض بھی کہا جاتا ہے، اور اس کی فرضیت قرآن پاک کی آیات، احادیث نبویہ اور اجماع امت سے ثابت ہے[1] ۔۔۔۔۔ اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔

ثانیاً عشر مسلمانوں کی زمینوں کے ساتھ مخصوص ہے، اور خراج ابتداءً اگرچہ غیر مسلموں پر ہوتا ہے لیکن بقاءً مسلمانوں پر بھی عائد ہو جاتا ہے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع ۲/۵۳، ۵۴

ثانیاً عشر کا وجوب زمین کی پیداوار پر ہے اور خراج اگر موظف ہو تو ہر قابل کاشت زمین پر واجب ہے، ہاں خراج مقاسمہ عشری کی طرح صرف زمین کی پیداوار پر واجب ہے۔

"قال في البدائع: في العشر معنى العبادة وفي الخراج معنى الصغار۔ (۱)

وفيه أيضاً ان الكافر ليس من اهل وجوب العشر فاما المسلم فمن أهل وجوب الخراج في الجملة (۲) ـــــ وفيه: اما سبب فرضية العشر فالأرض النامية بالخارج حقيقة وسبب وجوب الخراج الأرض النامية بالخارج حقيقة أو تقديراً اھ" (۳)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ خاص حالات و صفات کے اعتبار سے زمین کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) عشری (۲) خراجی

اس حصہ اول میں اصل مقصود اسی کو بیان کرنا اور متعین کرنا ہے کہ کون سی زمینیں عشری ہیں اور کون سی خراجی ـــــ تو اس سلسلہ میں اصل ضابطہ شرعی یہ ہے کہ جس زمین کے باشندے شروع ہی سے مسلمان ہو گئے، ان کی زمینیں عشری ہوں گی، جیسے اہل مدینہ، اسی طرح جو ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور ان کی زمینیں مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی گئیں وہ زمینیں بھی عشری ہوں گی، جیسے خیبر کی زمینیں نیز جو اراضی بیت المال کی طرف سے بطور ملکیت مسلمانوں کو دی گئیں وہ بھی عشری ہوں گی ـــــ اور جو ملک صلح سے فتح ہوا یا جنگ و جہاد کے ساتھ فتح ہوا اور وہاں کے باشندے اپنے سابق مذہب پر برقرار رہے تو ان کی زمینیں خراجی ہوں گی، جیسے شام و عراق اور مصر کی زمینیں۔ اسی طرح اگر کسی غیر مسلم نے مسلمان کی عشری زمین کو خرید لیا تو وہ زمین بھی خراجی قرار دی جائے گی کیونکہ عشر عبادت ہے اور غیر مسلم عبادت کا اہل نہیں، اس لیے وہ غیر مسلم خریدار اس زمین کی پیداوار سے خراج ادا کرے گا نیز اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کی زمین کو خرید لے گا تو وہ زمین حسب سابق خراجی رہے گی۔ یوں ہی اگر کوئی غیر مسلم تھا اور اپنی زمین کا خراج ادا کر رہا تھا پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اس شخص کی زمین بھی خراجی باقی رہے گی، نیز جو زمینیں ملک کے فتح کرنے کے وقت بے کار تھیں اور کوئی شخص ان کا مالک نہ تھا بعد میں

---

(۱) بدائع ج۲ ص۵۶ (۲) ایضاً ج۲ ص۵۷ (۳) حوالہ سابق ج۲ ص۵۴

ان کو آباد کیا گیا، تو اگر کسی غیر مسلم نے ان کو آباد کیا تو وہ زمینیں خراجی ہوں گی ہاں اگر کسی مسلمان نے ان کو آباد کیا تو اس کے عشری و خراجی ہونے کے متعلق حضرات صاحبین کے درمیان تھوڑے اختلاف ہے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پانی کا اعتبار ہے اگر ان زمینوں کو عشری پانی سے سیراب کیا گیا تو عشری اور اگر خراجی پانی سے سیراب کیا گیا تو خراجی ——— اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر ان آباد زمین عشری زمینوں سے قریب ہے تو عشری اور اگر خراجی زمینوں سے قریب ہے تو خراجی اور اگر دونوں سے قریب ہے تو عشری ہوگی۔ حضرت علامہ شامی نے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے

قال القدوری فی مختصره فی کتاب السیر وکل ارض اسلم اهلها علیها او فتحت عنوۃ وقسمت بین الغانمین فهی ارض عشر وکل ارض فتحت عنوۃ فاقر اهلها علیها فهی ارض خراج ومن احیا ارضا مواتا فهی عند ابی یوسف معتبرۃ بحیزها فان کانت من حیز ارض الخراج فهی خراجیة وان کانت من حیز ارض العشر فهی عشریة، والبصرۃ عشریة باجماع الصحابة رضی اللہ عنهم وقال محمد رحمه اللہ تعالی ان احیاها ببئر حفرها او بعین استخرجها او بماء دجلة او الفرات او الانهار العظام التی لا یملکها احد فهی عشریة وان احیاها بماء الانهار التی احتفرها الأعاجم مثل نهر الملک ونهر یزدجرد فهی خراجیة[1] ـــــ قال ابن عابدین فی رد المحتار المفتی به قول ابی یوسف انه یعتبر القرب[2] ـــــ وفی البدائع ان الذمی لو اشتری ارض عشر من مسلم فعلیه الخراج اھ[3] ـــــ وفی القدوری ومن اسلم من اهل الخراج اخذ منه الخراج علی حاله ویجوز ان یشتری المسلم من الذمی ارض الخراج ویؤخذ منه الخراج اھ[4] ـــــ ومثله فی الهدایة[5] ـــــ والبدائع[6] ـــــ وهکذا فی رد المحتار[7] ـــــ قال

---

(۱) قدوری ۲۶۱/۲ (۲) شامی ۱۸۳/۴ (۳) بدائع ۵۳/۲ (۴) قدوری ۲۶۲/۲

(۵) هدایه ۵۶۰/۲ (۶) بدائع ۵۵/۲ (۷) رد المحتار ۳۶۹/۲

فی الهدایة وقد صح ان الصحابة اشتروا اراضی الخراج وکانوا یؤدون خراجها فدل علی جواز الشراء واخذ الخراج واداءه للمسلم من غیر کراهة۔ (۱)

سطور بالا میں کسی زمین کے عشری اور خراجی ہونے کو پہچاننے کے لیے جو ضابطہ تحریر کیا گیا تو یاد رہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عام تعامل کی روشنی میں اصل ضابطہ شرعی اس باب میں وہی ہے البتہ بعض دوسرے تعامل کی بنیاد پر بعض زمینیں مذکورہ بالا قاعدہ سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہیں، مثلاً اراضی مکہ غلبۃً فتح ہوئی ہیں اور پھر غانمین و مجاہدین کے درمیان ان اراضی کو تقسیم کرنے کے بجائے باشندگان مکہ ہی کے قبضہ و تصرف میں ان کو چھوڑ دیا گیا، تو مذکورہ بالا ضابطہ کے مطابق مکہ کی زمینوں کو خراجی ہونا چاہیے لیکن صاحب بدائع کے بقول حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل کی وجہ سے احترام حرم کے پیش نظر اصل ضابطہ کو چھوڑ کر مکہ معظمہ کی زمینوں کو عشری ہی قرار دیا گیا۔

قال فی البدائع، وکان القیاس ان تکون مکة خراجیة لانها فتحت عنوة وقهرا وترکت علیٰ اهلها ولم تقسم لکنا ترکنا القیاس بفعل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم حیث لم یضع علیها الخراج فصارت مکة مخصوصة بذلک تعظیماً للحرم اھ (۲)

اسی طرح اراضی بصرہ کو حضرت امام ابو یوسف کے قول کے مطابق خراجی ہونا چاہیے، مگر چوں کہ وہاں کی زمینوں پر باتفاق صحابہ عشر مقرر کیا گیا، اس لیے یہ زمینیں بھی ہمیشہ کے لیے عشری ہیں۔

قال فی الهدایه، وکان القیاس فی البصرة ان تکون خراجیة لانها من حیز ارض الخراج الا ان الصحابة وظفوا علیها العشر فترک القیاس لاجماعهم اھ۔ (۳)

خلاصہ کلام یہ کہ استثنائی صورتوں کے علاوہ کسی زمین کے عشری و خراجی ہونے کے سلسلہ میں اصل ضابطہ وہی ہے جو اوپر عرض کیا گیا، اسی کی روشنی میں تمام ملکوں کی اراضی کے عشری و خراجی ہونے کو سمجھنا چاہیے۔ بعض فقہاء نے اصول بالا کی روشنی میں عشری و خراجی اراضی کی چودہ قسمیں تحریر کی ہیں جن میں سے چھ کو عشری اور آٹھ کو خراجی قرار دیا ہے۔ ذیل میں ہم عشری و خراجی اراضی کی ان تمام قسموں کو حاشیہ شرح وقایہ کے حوالے سے درج کرتے ہیں:

---

(۱) ہدایہ باب العشر والخراج من کتاب السیر ۲/۵۴۳ (۲) بدائع ۲/۵۹ (۳) ہدایہ ۲/۵۹۱ و مثلہ فی البدائع ۲/۵۸

قال العيني في البناية : إعلم ان الأراضي العشرية ستة ، الأولى، ارض العرب كالحجاز واليمن الثانية، أرض أسلم أهلها على ذالك طوعًا، الثالثة أرض فتحت عنوة وقسمت بين الغانمين الرابعة أرض احييت و سقيت بماء العشر، الخامسة، الأرض الخراجية انقطع عنها ماء الخراج فسقيت بماء عشري، السادسة، جعل داره بستانا و سقاها بماء العشر والأرض الخراجية ثمان . الأولى التي فتحت عنوة وتركت في ايديهم بالخراج المصروف عليها كما فعل عمر في ارض سواد العراق ومصر الثانية ، ارض أحياها كافر ذمي باذن الإمام أو قاتل (اي ذمي مع المسلمين) فوضع له الامام في التحفة (اي اعطاه الامام غنيمة)، الثالثة ، جعل داره (اي ذمي) بستاناً وان سقاها بماء العشر، الرابعة ، طلب بعض الكفار من الإمام ان أراضيهم خراجيًا من غير قهر، الخامسة ، أرض احييت بماء الخراج ، السادسة ، أرض اشتراها مسلم من كافر، السابعة ، الأرض العشرية إذا انقطع عنها ماء العشر فسقيت بماء الخراج ، الثامنة ، مسلم دار فجعلها بستاناً وسقاها بماء الخراج، وذكر ذالك كله الولواجي في فتاواه، اهـ (۱)

مذکورہ سطور میں بعض زمینوں کے عشری وخراجی ہونے کا حکم پانی کے عشری وخراجی ہونے کی بنیاد پر لگایا گیا ہے، اس لیے یہاں پر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ کون پانی عشری ہے اور کون پانی خراجی ہے تو اس سلسلہ میں فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بارش کا پانی کنوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی اسی طرح امام محمدؒ کے نزدیک بڑے دریاؤں کا پانی جو قدرتی طور پر جاری ہے، نہ ان کو کسی نے کھودا ہے اور نہ وہ عادۃً کسی کی ملک ہیں، جیسے عراق میں دجلہ وفرات مصر میں دریائے نیل خراسان میں جیحون وسیحون اور ہندوستان میں گنگا وجمنا وغیرہ جیسے دریاؤں کا پانی کہ یہ تمام پانی عشری ہیں اور وہ نہریں جو کسی غیر مسلم حکومت یا جماعت نے اپنی محنت اور خرچ سے نکالی ہیں اور وہ عادۃً نکالنے والوں

(۱) عمدة الرعاية حاشية شرح وقاية ۲۳۶،۲۳۵/۱

ملک ہیں جیسے بڑے دریاؤں سے نکالی ہوئی نہریں مثلاً نہر یزدجرد چونکہ یہ نہریں فتح اسلامی سے قبل غیر مسلموں کی ملک تھیں اس لیے ان کا پانی خراجی ہے نیز حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک بڑے دریاؤں کا پانی بھی خراجی ہے۔

قال في رد المحتار: وماء العشر هو ماء السماء والبئر والعين والبحر الذي لا يدخل تحت ولاية احد وماء الخراج هو ماء انهار حفرتها الأعاجم وكذا سيحون وجيحون ودجلة والفرات خلافاً لمحمد والمعتبر أن ما كان عليه يد الكفرة ثم حويناه قهراً وما سواه عشري اهـ (۱)

قال في شرح الوقاية: وماء السماء والبئر والعين عشري وماء أنهار حفرها الأعاجم خراجي كنهر يزدجرد ونحوه وكذا سيحون وجيحون ودجلة والفرات عند أبي يوسف وعشري عند محمد. (۲)

وفي حاشيته فالأنهار الصغار التي في بلاد العجم وقد حفرها الكفار وغلب عليها أهل الإسلام قهراً وعنوة خراجية اهـ (۳)

وفي البدائع: ماء الخراج هو ماء الأنهار الصغار التي حفرتها الأعاجم مثل نهر الملك ونهر يزدجرد وغير ذلك مما يدخل تحت الأيدي وماء العيون والقنوات المستنبطة من مال بيت المال وماء العشر هو ماء السماء والآبار والعيون والأنهار العظام التي لا تدخل تحت الأيدي كسيحون وجيحون ودجلة والفرات ونحوها إذ لا سبيل إلى اثبات اليد عليها وإدخالها تحت الحماية وروي عن أبي يوسف أن مياه هذه الأنهار خراجية لإمكان اثبات اليد عليها وادخالها تحت الحماية في الجملة بشد السفن بعضها على بعض حتى تصير شبه القنطرة اهـ (۴) ومثله في الهداية (۵) وهكذا في رد المحتار من كتاب الزكاة (۶) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

(۱) رد المحتار کتاب الجهاد في باب العشر والخراج ۳/۳۰۴ (۲) شرح وقایہ ۲/۳۴۴ (۳) عمدة الرعاية حاشیہ شرح وقایہ ۲/۳۴۴ (۴) بدائع ۲/۵۸ (۵) ہدایہ ۲/۵۴۳ (۶) رد المحتار ۲/۵۹

(محور دوم)

اراضی ہند کا تاریخی جائزہ

(۱) ملک ہندوستان کس طرح فتح ہوا نیز یہاں کی اراضی کے ساتھ محمد بن قاسم سے لے کر جانشینی
دور تسلط سے پہلے تک مسلم فاتحین نے کیا معاملہ کیا؟ اس کا تاریخی جائزہ لینے سے پہلے یہ بات ذہن نشین
کر لینا ضروری ہے کہ اراضی ہند کی فتح کا سلسلہ اسلام کی پہلی صدی ہجری کے اواخر ۹۲ھ سے
محمد بن قاسم ثقفی کے ہاتھوں پر شروع ہو کر اسلام کی آٹھویں صدی ہجری اوائل ۷۱۱ھ میں علاء الدین
خلجی پر جا کر پورے چھ سو اکیس سال میں مکمل ہوا۔ جو خطہ سب سے پہلے پہلی صدی ہجری کے اواخر میں
فتح ہوا وہ صوبۂ سندھ ہے، جس کے حدود اس وقت آج کے صوبۂ سندھ سے (جو پاکستان میں ہے)
بہت زیادہ وسیع تھے مغرب میں مکران تک، جنوب میں بحر عرب اور گجرات، مشرق میں موجودہ ملک
مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک، شمال میں ملتان سے گذر کر جنوبی پنجاب تک کی اراضی اس وقت کے صوبۂ
سندھ کے حدود میں شامل تھی جس کی فتح خلیفۃ المسلمین ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں حجاج بن
یوسف والئ سرائے عراق کے زیر اہتمام محمد بن قاسم ثقفی کی قیادت میں عمل میں آئی، اور فتح کے بعد محمد بن قاسم
ہی اس خطۂ سندھ کے عامل (گورنر) مقرر ہوئے، جنہوں نے حجاج بن یوسف کے واسطے سے امیر المومنین کے
احکام اور قانون اسلام جاری کیے اب وہ کیا تھے؟ اس کو سمجھنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس پورے
خطۂ سندھ کی فتح کس طرح عمل میں آئی؟ تاریخی روایات کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر اس
پورے خطۂ سندھ کی فتوحات صرف دو صورتوں کے ذریعہ ہوئی، کہیں صلح و امن سے اور کہیں جنگ و جہاد سے
ہاں ایک دو علاقے کے لوگ از خود مذہب اسلام کو قبول کر کے حکومت اسلامیہ کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے۔
ذیل میں ہم اس کے ثبوت میں بطور مثال کے چند تاریخی عبارات نقل کرتے ہیں۔

سندھ کا سب سے پہلا مقام جو فتح ہوا وہ بندرگاہ دیبل ہے جو موجودہ کراچی کے قریب ایک شہر کا
نام تھا، غالباً آج وہاں پر ایک اسٹیشن ہے جو ڈابے جی کے نام سے مشہور ہے، بظاہر یہ نام اسی دیبل کی بدلی
ہوئی شکل معلوم ہوتی ہے۔ اس مقام کی فتح کا جنگ و جہاد کے ساتھ ظہور ہوا اور چار ہزار مسلمانوں کا اس جگہ پر اقامہ
محمد بن قاسم کا اس مقام پر جامع مسجد تعمیر کرنا کہ تاریخ الکامل ابن اثیر جزری میں مذکور ہے (...) ______ اور تاریخ

بلاذری نے اس کے ساتھ کچھ لوگوں کو جاگیریں دینے کا بھی ذکر کیا ہے۔ (۱)

آئینۂ حقیقت نما میں ہے کہ بندرگاہ دیبل کی فتح کے بعد عام باشندگانِ شہر کے لیے معافی اور امن وامان کا اعلان ہوا، نیز مقامی لوگ اور ان کی جائیداد و اموال بالکل محفوظ رہے، سامانِ جنگ، شاہی اموال و خزائن جو دیبل میں موجود تھے وہ فاتحین کے قبضہ میں آئے، ان اموال کا پانچواں حصہ حجاج بن یوسف کے پاس عراق روانہ کیا گیا باقی فوج میں تقسیم ہوئے۔ (۲)

شہر بیرون امن و صلح کے ساتھ فتح ہوا (۳) ــــــ شہر رتہیل من العرا نے صلح وامان کی درخواست کی، محمد بن قاسم نے درخواست قبول کر کے ان کی زمینوں پر خراج مقرر کر دیا۔ (۴)

سیوستان کے علاقہ میں ابتداءً معمولی جنگ کے بعد باشندگانِ شہر نے صلح کے ساتھ قبضہ دے دیا، ان کی جان و مال اور زمینیں سب محفوظ رکھی گئیں، البتہ زمینوں پر حسبِ قاعدۂ شرعیہ ٹیکس مقرر کر دیا گیا۔ (۵)

کامل ابن اثیر میں ہے:

"فطلب أهلها الأمان والصلح منهم ووقف عليهم الخراج" (۶)

مقام بدھیا کا حاکم کاکا ابن کوتک محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور امن کی درخواست کی، محمد بن قاسم نے اس کو امن دے دیا اور بڑی عزت کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور وہاں کی زمینوں پر کاکا ہی کے مشورہ سے خراج مقرر کیا گیا (۷) ــــ اور ہری کا قلعہ جنگ کے ساتھ عنوۃً فتح کیا گیا (۸) ــــــ

مقام ساوندری، سدوسان صلحاً فتح ہوئے (۹) ــــــ اسی طرح مقام بغرور کے حاکم و امراء سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ ان کو اور ان کی معبدوں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے، محمد بن قاسم نے یہ شرط منظور کر لی اور ان کی زمینوں کو انھیں لوگوں کے قبضہ و ملک میں باقی رکھ کر خراج مقرر کر دیا اور ایک مسجد کی تعمیر کرائی۔ (۱۰)

ــــــ شہر ستہ، الباشرہ، قلعہ اور قلعہ بابیہ صلحاً فتح ہوئے۔ مقام اسکندہ اور تلمہ کے مقابلہ اور کوئی

---

(۱) فتوح البلدان / ۴۳۹ (۲) آئینۂ حقیقت نما [illegible] (۳) کامل ابن اثیر ۴/۵۳۸، فتوح البلدان للبلاذری

(۴) ایضاً (۵) بلاذری / ۴۲۵ (۶) کامل ابن اثیر للجزری ۴/۲۶۹

(۷) آئینۂ حقیقت نما / ۸۲ (۸) بلاذری / ۴۳۶، ابن اثیر ۴/۵۳۹

(۹) ابن اثیر ۴/۵۳۶ (۱۰) بلاذری / ۴۳۶

کے بعد فتح ہوا اسی طرح ملتان اور اس کا علاقہ دو مہینے تک سخت معرکہ آرائی کے بعد بزور شمشیر فتح ہوا۔ (۱)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ پورے خطۂ سندھ کی فتح عام طور پر دو ہی صورتوں کے ذریعہ عمل میں آئی کہیں صلح سے اور کہیں جنگ و جہاد سے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ محمد بن قاسم نے مفتوحہ اراضی کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس معاملہ کی کچھ کہانی خود محمد بن قاسم کی زبانی سنیئے جو انھوں نے برہمن آباد کی فتح کے بعد باشندگان سندھ کو خطاب کرتے ہوئے اپنے ایک بیان میں کہا:

"جو شخص اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی۔ نہ زمینیں چھینی جائیں گی۔ نہ مکان و اموال کو کسی قسم کا نقصان پہونچایا جائے گا۔ مالکان اراضی بدستور اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے اور زمینوں کی مالگذاری وغیرہ کا انتظام خود باشندگان سندھ کے ہاتھوں میں رہے گا وغیرہ" (۲)

محمد بن قاسم کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ باشندگان سندھ کی مملوکہ اراضی بدستور ہندو مالکان کی ملکیت میں رکھی گئیں اور ان سے صرف خراج وصول کیا گیا۔ اسی طرح حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کے نام جو خط لکھا ہے اس میں مذکور ہے کہ

" جو لوگ اسلام سے مشرف ہوں ان سے زمین کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ وصول کرو اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں ان سے وہی مالگذاری وصول کرو جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے" (۳)

حجاج بن یوسف کے اس خط میں جو اپنے مذہب پر قائم رہنے والے لوگوں سے خراج وصول کرنے کا ذکر ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہندو مالکان سابق کی مملوکہ اراضی بدستور انھیں کی ملکیت میں باقی رکھی گئیں کیونکہ کسی زمین پر خراج اور مالگذاری اسی وقت مقرر کیا جاتا ہے جب کہ ان پر مالکان کا قبضہ برقرار رکھا جاتا ہے اور اگر اس کے خلاف کیا جاتا تو پھر ان پر خراج کے بجائے عشر ہوتا اور وہ زمینیں بیت المال کی ملکیت میں ہوتیں اور ان پر عشر و خراج کچھ نہ ہوتا۔ (۴)

---

(۱) تحفۃ الکرام ص ۷۵ (۲) چچ نامہ ص ... (۳) کتاب الخراج قاضی ابو یوسف

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو بلاد صلح کے ساتھ فتح ہوئے، ان میں تو محمد بن قاسم نے شرعی حکم کے موافق شرائط کی پابندی کرتے ہوئے ان کی اراضی و اموال پر کسی قسم کا کوئی تصرف مطلقاً نہیں کیا، ہر شخص اپنی اپنی املاک منقولہ اور غیر منقولہ پر بدستور سابق مالک و متصرف رہا، البتہ شرعی قاعدہ کے مطابق ان کی زمینوں پر خراج اور افراد پر جزیہ کی معمولی رقم مقرر کی گئی۔ اور جو علاقے جنگ کر کے فتح کیے گئے ان کی اراضی مملوکہ میں بھی صرف وہ زمینیں جو مفتوح راجہ کی املاک اور شاہی مقبوضات تھیں ان ہی کو اراضی بیت المال میں داخل کیا گیا، جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عراق میں شاہ کسریٰ اور اس کے متعلقین کی مملوکہ اراضی کو بیت المال کے لیے مخصوص کر لیا تھا، باقی زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت بدستور برقرار رکھ کر خراج شرعی مقرر کر دیا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق، شام، مصر کی عام اراضی کے ساتھ بھی معاملہ فرمایا تھا۔

مختصر یہ کہ پورے صوبہ سندھ کی اراضی مملوکہ پر باشندگان ملک کا مالکانہ قبضہ باقی رکھا گیا صرف وہ شاہی مقبوضات جو راجاؤں کی املاک خاص تھیں اور جنگ و جہاد کر کے ان کو قہراً و عنوۃً فتح کیا گیا تھا اور یہ زمینیں اور غیر مملوکہ اراضی کی جملہ ... مثلاً لاوارث زمینیں وغیرہ اراضی بیت المال میں داخل کی گئیں اور انھیں اراضی میں سے محمد بن قاسم نے بعض اسلامی خدمت کرنے والوں کو جاگیریں عطا کیں، نیز مساجد وغیرہ تعمیر کرائیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اراضی سندھ میں سے جو اراضی مسلمانوں کی ملکیت میں آئیں تو ان کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ اراضی ہیں جو کسی شخص کو سلطان کی طرف سے بطور جاگیر مالکانہ طور پر دی گئیں یا وہ اراضی ہیں جو ہندو مالکان اراضی سے خریدی گئیں، ان دو صورتوں کے علاوہ بظاہر کوئی تیسری صورت معلوم نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ سندھ کے بعض خطے کے لوگ از خود مسلمان ہو گئے اور ان کو ان کی املاک و اراضی پر باقی رکھا گیا۔

مذکورہ بالا سطور میں یہاں تک جو کچھ تحریر کیا گیا وہ فقط اراضی سندھ کا مختصر جائزہ ہے جس کی فتح تکمیل سنہ ۹۳ھ میں مکمل ہو گئی تھی، اس کے تقریباً تین سو سال کے بعد ہندوستان کے بقیہ حصوں کی فتح شروع ہوئی جس کا آغاز سنہ ۳۹۲ھ میں سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں شروع ہوا، اور سنہ ۴۱۷ھ تک ان کی جنگوں کا رخ صرف پنجاب و سندھ کی طرف رہا کیونکہ پنجاب تو پہلے ہی سے ہندو راجاؤں کے قبضہ میں تھا، لیکن سندھ جو محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح ہو چکا تھا اس کے بہت سے علاقوں پر بھی تین سو سال

کے طویل عرصہ میں خلافت بغداد کے کمزور ہو جانے کے باعث ہندو راجاؤں نے قبضہ کر لیا تھا، اور دیگر بعض خطوں ملتان و دیبل وغیرہ پر قرامطہ قابض ہو گئے تھے جو منافقانہ اور ملحدانہ طور پر اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، مگر درحقیقت وہ لوگ بے دین تھے، مذہب اسلام سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، سلطان محمود غزنوی نے ان تمام سے مقابلہ کر کے سندھ کو دوبارہ از سرِ نو فتح کیا پھر پنجاب کو فتح کیا، پنجاب کی فتح کے وقت ابتداءً محمود غزنوی نے یہ طریقہ جاری رکھا کہ جس راجہ کا علاقہ فتح ہوا اس سے اطاعت و خراج گذاری کا وعدہ لے کر معافی دے دی اور اس علاقہ کو اسی راجہ کی نگرانی میں چھوڑ دیا، مگر ان راجاؤں نے عموماً غداری کی، جب بھی ذرا موقع پایا خراج دینا بند کر دیا اور خود مختار بن کر مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے اور اسی طرح ایک ایک راجاؤ نے کئی کئی مرتبہ غداری کی، بالآخر ان راجاؤں کی مسلسل بدعہدی سے مجبور ہو کر محمود غزنوی نے صوبۂ پنجاب کو براہ راست سلطنت غزنوی کے ساتھ ملحق کر دیا، یہی حال سندھ کے ساتھ ہوا، آخر کار ان دونوں صوبوں کو سنہ ۴۱۲ھ میں سلطنت غزنی کے ساتھ لاحق کر کے اپنے عمال و حکام مقرر کر دئے جو ملک کا انتظام کرتے اور زمینوں کا خراج وصول کر کے دار السلطنت غزنی کو پہنچاتے تھے، پنجاب و سندھ کی فتح کے بعد سلطان محمود غزنوی ہندوستان کے دوسرے خطوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

تھانیسر کو عنوۃً فتح کیا (۱) — قنوج کی فتح صلحاً ہوئی (۲) — میرٹھ کی فتح بھی صلحاً ہوئی۔ مہابن کی فتح عنوۃً ہوئی، متھرا کی فتح صلحاً ہوئی، فتح پور کی فتح صلحاً ہوئی، کالنجر اور گوالیار کی فتح صلحاً ہوئی (۳) — سومنات اور گجرات کی فتح عنوۃً ہوئی (۴) — اجمیر کی فتح صلحاً ہوئی (۵) — کشمیر کی فتح سنہ ۴۰۷ھ ہی میں صلحاً ہو گئی تھی اور کشمیر کا راجہ بوقت فتح مسلمان ہو گیا تھا۔ (۶)

مذکورہ صوبوں اور علاقہ جات کے علاوہ بھی بہت سے خطوں کو محمود غزنوی نے فتح کیا۔ محمود غزنوی کے بعد شاہان غزنی نے بنارس، ہردوار، دہلی وغیرہ کو فتح کیا۔ بنارس کی فتح صلحاً ہوئی، اور دہلی کی عنوۃً، پھر غزنی سلطنت کے زوال کے بعد غلاموں کی حکومت کے ابتدائی دور میں محمد بختیار خلجی کے ہاتھوں بہار کی فتح جنگ سے، آسام کی فتح صلحاً اور بنگال کی فتح جنگ کے ذریعہ عمل میں آئی، تبت کی فتح

---

(۱) آئینہ حقیقت نما /۱۹۰ (۲) ایضاً /۱۹۳ (۳) آئینہ /۱۹۰

(۴) آئینہ /۲۰۳ (۵) ایضاً (۶) کامل ابن اثیر

عنوۃ ہوئی۔

غلاموں کی حکومت کے اختتام کے بعد شاہانِ خلجی کا دور شروع ہوا۔ خاندانِ خلجی کا دوسرا بادشاہ علاء الدین خلجی گزرا ہے۔ اس نے ۶۹۵ھ سے لے کر ۷۱۱ھ تک مسلسل سولہ برس تک سعی و کوشش کر کے دکن مدراس وغیرہ کو فتح کیا۔ دکن وغیرہ کے مختلف خطوں کی فتح کہیں صلح کے ساتھ اور کہیں جنگ وجدال کے ساتھ ہوئی۔ بھیلسہ کی فتح عنوۃ ہوئی، دیوگیری یعنی دولت آباد صلحاً فتح ہوا، قلعہ رنتھنبور کی فتح جنگ کے ذریعہ ہوئی۔ قلعہ چتوڑ کی فتح بھی جنگ وجہاد سے ہوئی، ورنگل کی فتح صلحاً ہوئی، میسور و تاتار وغیرہ کی فتح جنگ کے ذریعہ ہوئی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہندوستان کی فتح کا آغاز محمد بن قاسم کے ہاتھوں سے شروع ہو کر علاء الدین خلجی پر جا کر اختتام پذیر ہوا، اور اس طرح چھ سو اکیس سال کی طویل مدت میں ہندوستان کا پورا خطہ کوہ ہمالیہ سے راس کماری تک اور سندھ و گجرات سے بنگال و اڑیسہ تک مفتوح ہو کر اسلامی سلطنت کے زیر نگیں ہو گیا اور یہاں پہنچ کر فتوح الہند کا سلسلہ پایۂ تکمیل تک پہونچ گیا۔ فتوح الہند کی اس طویل مدت میں جو غزوات و فتوحات ہوئیں ان پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک ہندوستان کا پورا خطہ عموماً دو صورتوں کے ذریعہ فتح ہوا، کہیں صلح سے اور کہیں جنگ وجہاد سے۔ البتہ بعض جگہ ایسا بھی ہوا ہے کہ وہاں کے پورے باشندے از خود مسلمان ہو کر سلطنت اسلامی کے مطیع ہو گئے۔ بہر حال فتح کی جو بھی صورت پیش آئی ان تمام صورتوں میں یہاں کی اراضی یہیں کے باشندوں کے قبضہ میں باقی رکھی گئیں، البتہ یہاں کے باشندوں سے اپنے مذہب پر قائم رہنے کی صورت میں ان کی زمینوں سے خراج اور مسلمانوں سے عشر وصول کیا گیا لیکن کہیں ایسا نہیں ہوا کہ یہاں کے باشندوں سے ان کی زمینوں کو چھین کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا ہو، سوائے اس کے کہ جو اراضی غیر مملوکہ تھیں یا لاوارث تھیں یا راجاؤں کی مخصوصات تھیں ان اراضی کو بیت المال میں داخل کر لیا گیا اور حسب ضرورت ہندوؤں کو بعض سرکاری خدمت کرنے والوں کو بطور جاگیر کے دے دیا گیا۔

مختصر یہ کہ ہندوستان پر برطانوی تسلط سے پہلے مسلم فاتحین نے یہاں کی مملوکہ و مقبوضہ اراضی کو مسلمانوں پر تقسیم کرنے کے بجائے یہیں کے باشندوں کے قبضہ و ملکیت میں باقی رکھ کر غیر مسلموں سے خراج وصول کیا اور فتح کے وقت مسلمان ہونے والے لوگوں سے عشر، جیسا کہ خود محمد بن قاسم کا یہ بیان گذر چکا ہے کہ جو شخص اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا ۔ زمین کے متعلق

اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی، نہ زمینیں چھینی جائیں گی نہ مکان و اموال کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، مالکان اراضی بدستور اپنی اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے اور زمینوں کی مالگذاری وغیرہ کا انتظام خود باشندگان سندھ کے ہاتھوں میں رہے گا۔ (۱)

اسی طرح حجاج بن یوسف کا یہ خط نقل کیا جا چکا ہے کہ،

"جو لوگ اسلام سے مشرف ہوں ان سے زمین کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ وصول کرو اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں ان سے وہی مالگذاری وصول کرو جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔" (۲)

محمد بن قاسم کا مذکورہ بیان اور حجاج بن یوسف کا مندرجہ خط اگرچہ علاقہ سندھ سے متعلق ہے لیکن بعینہٖ یہی معاملہ دیگر مسلم فاتحین نے ہندوستان کے دیگر خطوں کی اراضی کے ساتھ جاری رکھا، چنانچہ تاریخ ہند سے واقفیت رکھنے والے حضرات سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے۔

اب رہی یہ بات کہ غیر مسلموں سے جو خراج وصول کیا گیا، وہ کس قسم کا تھا تو عام طور پر تاریخ ہند میں اس کی وضاحت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ حجاج بن یوسف نے علاقہ سندھ سے متعلق اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں ان سے وہی مالگذاری وصول کرو جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔(۳) لیکن ظاہر ہے کہ اس سے خراج کی کسی خاص قسم کی تعیین نہیں ہو پاتی، کیوں کہ خود راجاؤں کے متعلق معلوم نہیں کہ وہ زمینوں کا خراج و مالگذاری کس طرح وصول کرتے تھے۔ ہاں علمائے سندھ نے علاقہ سندھ کے خراج کے متعلق جو رسائل لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم نے علاقہ سندھ کے غیر مسلموں کی زمینوں پر خراج مقاسمہ عائد کیا تھا، جس کی مقدار خمس یعنی پیداوار کا پانچواں حصہ تھی، چنانچہ شیخ ابوالحسن دہری کے رسالہ "رفع الفریہ" میں ہے کہ

"ان خراج السندھ ھو الخمس ای ضعف العشر۔"

اسی طرح مخدوم محمد عارف سندھی کی بیاض اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کی تحقیق سے بھی یہی خمس معلوم ہوتا ہے، بہر حال خراج کی یہ خاص مقدار اور خاص قسم علاقہ سندھ سے متعلق ہے، رہے ہندوستان کے دیگر خطے تو ان کے

---

(۱) آئینہ حقیقت نما صفحہ ۹۳ (۲) ایضاً صفحہ ۱۰۱ (۳) ایضاً

متعلق تاریخ سندھ میں صرف اتنی وضاحت ہے کہ سندھ کے مالکان کی اراضی کو انھیں کی ملکیت و قبضہ میں باقی رکھ کر ان پر خراج عائد کیا گیا، مگر عام طور پر یہ تفصیل مذکور نہیں کہ خراج کی کون سی قسم ان پر عائد کی گئی۔ البتہ علاء الدین خلجی کے متعلق آئینۂ حقیقت نما اور نزہۃ الخواطر وغیرہ میں اتنا مذکور ہے کہ اس نے مالکان اراضی پر جو نقد خراج مقرر کیا تھا اس کو بدل کر اس کے بجائے بٹائی کا قانون جاری کر دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے علاوہ ہندوستان کے دیگر خطوں میں خراج موظف کا قانون جاری تھا جس کو علاء الدین خلجی نے خراج مقاسمہ سے بدل دیا جس کا بظاہر اس کو کوئی حق نہ تھا۔ خراج موظف اور مقاسمہ کی تفصیل امور چہارم کے تحت آرہی ہے۔

مذکورہ تصریحات سے جہاں ہندوستان کی مفتوحہ اراضی کے ساتھ مسلم فاتحین کے معاملہ و برتاؤ کا علم ہوا وہیں غیر مسلموں کی اراضی سے وصول کیے جانے والے خاص قسم کے خراج کی مختصر سی جھلک بھی معلوم ہوئی اوپر کی تمام تفاصیل حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ القول الماضی سے ماخوذ ہے۔ من شاء التفصیل فلیراجعہا ۔۔۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۲) انگریزوں کے دورِ حکومت میں اراضی ہند کی کیا نوعیت رہی اس سلسلہ میں حالات و واقعات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی عموماً اراضی مملوکہ کے جو اصل مالک تھے انھیں کو ان کی اراضی کا مالک قرار دیا گیا، البتہ بعض جگہ اس منحوس دورِ حکومت میں مالکان اراضی کے ساتھ ظلم و زیادتیاں کی گئیں، جس کے نتیجے میں دوسرے لوگ بھی زمینوں کی ملکیت میں اصل مالکوں کے ساتھ شریک ہو گئے اور قانون نے بھی ان کو زمینوں کا مالک تسلیم کر لیا۔ مثلاً جو لوگ زمینوں کا صرف لگان وصول کرنے پر مقرر تھے جن کو جاگیردار اور تعلقہ دار یا ٹھیکہ دار کہا جاتا تھا، ان کو بھی بعض جگہ قانوناً زمین کے مالکان کی حیثیت دے دی گئی، جس کا بنیادی مقصد بظاہر یہ تھا کہ لگان کی وصولی باقاعدہ اور بروقت ہو کر اس کی مقررہ رقم حکومت کے خزانہ تک جلد از جلد پہونچ جائے مگر اس قانون کا نقصان یہ ہوا کہ بہت سی جگہوں پر لگان وصول کرنے والے زمین کے مالکوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کر کے خود ہی زمینوں کے مالک بن گئے اور اس طرح ان کو بھی زمیندار کہا جانے لگا۔ اور بعض جگہ لگان وصول کرنے والوں کو اگرچہ مالک زمین کی حیثیت نہیں دی گئی مگر ان کو زمینوں پر کم توڑ لگان مقرر کر دینے کا اختیار دیا گیا۔ اگر زمین کا مالک وہ کم توڑ لگان جمع کر دیتا تو اس کو اس کی ملکیت پر باقی رکھا جاتا اور اگر وہ لگان جمع نہیں کر پاتا تو اس کو زمین سے بے دخل کر دیا جاتا اور پھر اس کی زمین کو نیلام کر دیا جاتا یا خود لگان وصول کرنے والا اس کا مالک ہو جاتا۔

الغرض بہت سی بدعنوانیاں کر کے لگان وصول کرنے والے لوگ زمینوں کے مالک ہوجایا کرتے تھے ، اسی طرح جو لوگ مالکان اراضی کی زمینوں میں بٹائی یا کرایہ داری پر کاشت کرتے تھے ۱۹۲۲ء میں ان کو بھی قانوناً بعض جگہ زمینوں کا نصف مالک قرار دے دیا گیا ، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بٹائی پر یا کرایہ داری پر زمینوں میں کاشت کرنے والے لوگ جو دراصل زمینوں کے مالک نہ تھے وہ بھی زمینوں کے مالک بن گئے اور انہی مذکورہ بالا بدعنوانیوں سے متاثر ہو کر جاگیردار ، تعلقدار ، ٹھیکہ دار ، زمین دار ، کاشت کار وغیرہ الفاظ مختلف جگہوں پر مختلف و متضاد معانی میں مستعمل ہونے لگے ، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اردو لغات کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں مذکورہ الفاظ کے مختلف و متضاد معانی لکھے ہیں ۔ (من شاء التفصیل فلیراجع الی الکتب اللغۃ الاردیہ) ۔

مذکورہ سطور میں انگریزوں کے عہد حکومت میں اراضی ہند کی ملکیت کے سلسلہ میں جن بدعنوانیوں کا تذکرہ کیا گیا ان پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد الیاس برنی پروفیسر معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے اپنی کتاب معیشۃ الہند میں ایک جگہ لکھا ہے کہ

> " ہندوستان کی بیشتر مزروعہ زمین از روئے قانون سرکاری ملک نہیں بلکہ لوگوں کی ملکیت ہے یعنی وہ اس کو خرید و فروخت کر سکتے ہیں ، رہن رکھ سکتے ہیں ، ہبہ کر سکتے ہیں اور ورثہ میں پا سکتے ہیں یہ لوگ شمالی ہند میں حسب حیثیت تعلقدار ، زمین دار ، خود کاشت زمین دار کہلاتے ہیں ۔ (اور دکن میں ان کو رعیت کہتے ہیں " (۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ انگریزی عہد حکومت میں بھی سابق مالکان اراضی کو بدستور اپنی زمینوں کا مالک قرار دیا گیا تھا ، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک سابق مالکان اراضی کو اپنی زمینوں میں تمام مالکانہ تصرفات خرید و فروخت ہبہ و وقف وغیرہ حاصل ہیں اور انتقال کے بعد ان کی زمینیں ان کی املاک منقولہ کی طرح ان کے وارثوں کے درمیان تقسیم ہوتی ہیں ، ہاں جو لوگ اس عہد حکومت میں ٹھیکہ دار تھے مگر انھوں نے ظلم و غصب کر کے سابق مالکان اراضی کی زمینوں پر قبضہ کر لیا اور پھر انگریزی حکومت نے بھی ان کو مالک تسلیم کر لیا تو اگرچہ وہ غاصبین ابتداءً مجرم تھے مگر انگریزی حکومت کے ان کی ملکیت تسلیم کر لینے کی وجہ سے وہ لوگ زمینوں کے مالک ہو گئے اور ان کے بعد جن لوگوں کو یہ زمینیں وراثت میں ملیں یا جنھوں نے ان زمینوں کو ان سے خریدا وہ لوگ بھی اب اس زمین کے

---

(۱) معیشۃ الہند ص ۲۳۵

شرعی مالک ہوں گے۔ (لما صرح بہ الفقہاء من ثبوت الملک الکافر لاستیلائہ علی مال المسلم)۔

نیز انگریزی حکومت نے جن لوگوں کی مملوکہ جائدادوں کو بحق سرکار ضبط کر کے کسی مسلم وغیر مسلم کو دے دیا یا نیلام کر دیا اور پھر کسی نے اس کو خرید لیا تو یہ لوگ بھی ان جائدادوں کے مالک ہو گئے۔

البتہ اگر کسی جگہ اوقاف کی زمینوں کو انگریزی حکومت نے ضبط کر لیا تو شرعاً سرکار ان زمینوں کی مالک نہیں ہوئی نیز اگر کسی نے سرکار سے ایسی زمینوں کو خریدا ہے تو وہ بھی اس کے مالک نہ ہوں گے۔

مذکورہ تفصیل سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اراضی ہند کے ساتھ مسلم فاتحین نے کیا معاملہ کیا، وہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انگریزوں کی عمل داری کے پورے عہد میں ۱۹۴۷ء تک اراضی ہند کی کیا نوعیت رہی۔ اب رہی یہ بات کہ انگریزوں نے اراضی کے سلسلہ میں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں سے کس صوبہ میں کیا برتاؤ کیا اور کس جگہ کیسا رویہ اپنایا اور کون سا قانون نافذ کیا تو اس کی مختصر جھلک محور سوم میں ملاحظہ ہو۔

(محور سوم)

ہندوستان کی اراضی کا قانونی جائزہ

۱۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد برطانوی دور تسلط میں زیادہ سے زیادہ مال گذاری حاصل کرنے کے لیے حکومت برطانیہ نے مختلف موقعوں پر اراضی ہند کی نوعیت کے سلسلہ میں مختلف قسم کے قوانین جاری کیے، کبھی زمین کے اصل اور سابق مالکوں کے علاوہ مال گذاری وصول کرنے والوں کو زمین کی ملکیت میں اصل مالکوں کے ساتھ شریک کر دیا، لیکن ان سب کے باوجود ہر دور میں یہ بات مشترک رہی کہ زمین کے اصل مالکوں کو ان کی اراضی سے بالکل محروم نہیں کیا گیا بلکہ اصل مالکوں ہی کی ملکیت تسلیم کی گئی، البتہ مالکان اراضی کی ملکیت میں تحدید کر دی گئی اور اس سلسلہ میں برطانوی سامراج نے جو نظام برپا کیا ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) زمین داری (۲) محل داری (۳) رعیت داری

زمین داری کا نظام سب سے پہلے ۱۷۹۳ء میں بنگال میں نافذ ہوا کہ جو لوگ حکومت کی طرف سے لگان وصول کرنے والے تھے ان کو مالکان اراضی کی حیثیت دے دی گئی یعنی اصل مالکوں کے ساتھ زمین کی ملکیت میں لگان وصول کرنے والوں کو بھی شریک کر دیا گیا تاکہ حکومت کو لگان کی رقم زیادہ سے زیادہ حاصل ہو

ظاہر ہے کہ یہ نظام سراسر ظلم تھا، مگر افسوس ہے کہ برطانوی دانشوروں نے اس ظلم کو روا رکھا، جس کے نتیجے میں لگان وصول کرنے والے لوگ بھی زمیندار کہے جانے لگے حالانکہ یہ لوگ حقیقت میں زمیندار نہ تھے۔

دوسرا نظام محل واری کا تھا۔ ایک بستی کی کل اراضی کا مالک اس بستی کے آباد لوگوں کو قرار دیا گیا تھا۔ اس نظام میں گاؤں کی کل اراضی کا لگان یک مشت متعین رقم طے کر دی جاتی تھی جس کی ادائے گی اس گاؤں میں آباد تمام لوگوں پر مشترکہ طور سے یا انفرادا واجب ہوتی تھی۔ محل داری کا یہ نظام ابتداءً آگرہ اور اودھ میں نافذ کیا گیا تھا اور بعد میں صوبہ پنجاب میں بھی اس نظام کو رواج دیا گیا۔

تیسرا نظام رعیت واری کا ہے جو ١٩٢٢ء میں بمبئی، مدراس وغیرہ میں جاری کیا گیا۔ اس نظام میں اراضی کی ملکیت میں کرایہ داری اور بٹائی پر کاشت کرنے والوں کو بھی اصل مالکوں کے ساتھ شریک کیا گیا۔ اگر غور کیا جائے تو اس نظام میں زمینداری کا عنصر پایا جاتا ہے۔

الغرض برطانوی سامراج میں اراضی کے لگان کی وصولی میں سہولت یا بطور لگان کے زیادہ سے زیادہ رقم کی وصولی کے پیش نظر مختلف موقعوں پر مذکورہ تین قسم کے نظام کا نفاذ ہوا۔ لیکن ان تینوں قسم کے نظام کے زیر سایہ ظلم و عدوان کو خوب ترقی ہوئی۔ البتہ اس نظام کی وجہ سے اراضی کی ملکیت میں کیا فرق آیا تو اس کی وضاحت محور دوم کے نمبر دوم میں تحریر کی جا چکی ہے۔

— آزادی کے بعد ہندوستان میں کانگریس پارٹی زیر اقتدار آئی، کانگریس پارٹی کے دور حکومت میں تنسیخ زمینداری کا قانون جاری ہوا جس کا مقصد بظاہر یہ تھا کہ حکومت اور زمین جوتنے والے کسان کے درمیان پائے جانے والے مالکان کو ختم کر دیا جائے اور ان کو بے دخل کر دیا جائے، لیکن عملی طور پر اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ ان قوانین کی رو سے درمیانی مالکان ہی کو زمیندار کا درجہ دے دیا گیا۔ آسام، بہار، گجرات، مدراس، مہاراشٹر میں غالباً درمیانی مالکوں کو بے دخل کیا گیا اور اراضی کے اصل مالکوں کو ہی ان کی اراضی پر برقرار رکھ کر ان کی ملکیت تسلیم کی گئی۔ اسی کے ساتھ ایک بدعنوانی کا اضافہ کر دیا گیا اور وہ یہ ہے کہ مستقل کرایہ داروں کو جو زمین کو بہتر بنا کر اس میں مستقل تبدیلی لاتے ہیں ان کو اپنی محنت کے معاوضہ کے وصول کرنے کا اختیار دے دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مستقل کرایہ دار کلی طور پر زمین کے مالکان کے ساتھ اراضی کی ملکیت میں برابر کے شریک ہو گئے۔ البتہ بیوہ یا غیر شادی شدہ عورت نابالغ یا دائم المرض یا مختل شخص یا برسر ملازمت فوجیوں کی اراضی میں مستقل کرایہ دار کو بلا معاوضہ زمین کی ملکیت میں

شریک نہیں کیا گیا، لیکن کرایہ کی شرح مقرر کردی گئی، چنانچہ گجرات، مہاراشٹر اور راجستھان میں کل پیداوار کا چھٹا حصہ زیادہ سے زیادہ کرایہ کے طور پر مقرر کیا گیا، آسام، کرناٹک، منی پور اور تری پورہ میں زیادہ سے زیادہ کرایہ کل پیداوار کے ایک چوتھائی سے لے کر پانچویں حصہ تک مقرر کیا گیا، پنجاب میں پیداوار کا ایک تہائی حصہ معقول اور موزون کرایہ تصور کیا گیا، جب کہ تامل ناڈو میں ۳۳ فی صد سے لے کر ۴۰ فی صد تک کرایہ کی شرح رکھی گئی، جموں، کشمیر میں پیداوار کا ایک تہائی اور آندھرا پردیش میں آب پاشی والی زمینوں میں کل پیداوار کا ایک چوتھائی اور صوبے کے دوسرے علاقوں میں کرایہ کے طور پر کل پیداوار کا پانچواں حصہ مقرر کیا گیا اور بہت سے صوبوں میں کرایہ داروں کو مالکان اراضی سے زمینوں کے خریدنے کا حق اختیاری طور پر دیا گیا، چنانچہ پنجاب میں حق خریداری اختیاری ہے اور بہت سی جگہوں پر تو اختیاری حق خریداری کی قید بھی ختم کردی گئی ہے اور کرایہ داروں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ زمینوں کو اصل مالکوں سے ضرور خریدیں، چنانچہ مغربی بنگال میں یہی قانون جاری ہے۔ پنجاب و بنگال کے علاوہ گجرات اڑیسہ، راجستھان، کیرالا، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، کرناٹک، اترپردیش اور مرکزی انتظام کے تحت علاقوں میں بھی حق خریداری کے قوانین کا نفاذ کیا گیا ہے۔ اور آسام، بہار اور جموں کشمیر میں تو اس سے بڑھ کر قابل افسوس امر یہ ہے کہ اختیاری حق خریداری کی بھی قید نہیں ہے بلکہ ریاستی حکومت کو پورا اختیار ہے کہ وہ مالکان اراضی کے مالکانہ حقوق بغیر کسی معاوضہ کے کرایہ داروں کو منتقل کردے۔ اس کے علاوہ مالکان اراضی کی ملکیتوں میں تحدید کا قانون جاری کیا گیا کہ اتنی حد تک ایک خاندان کے لوگ زمین رکھ سکتے ہیں اور بقیہ زمینوں کو حکومت گاؤں کے یا دیگر خاندانوں کے درمیان تقسیم کردے گی یا مالکان اراضی کو معاوضہ دلوا کر یا کبھی بغیر معاوضہ دلوائے ہوتے از خود حکومت ان کی اراضی کو غریبوں، محتاجوں یا پسماندہ طبقہ کے لوگوں کو دے دے گی۔

الغرض زمینوں کی ملکیتوں کے سلسلہ میں حکومت موجودہ نے یعنی کانگریس حکومت نے بھی مختلف موقعوں پر مختلف قسم کے قوانین وضع کرکے ان کو نافذ کیا لیکن اگر حق وصداقت کی روشنی میں غور کیا تو محسوس ہوگا کہ مالکان اراضی کی ملکیت کے سلسلہ میں ظلم کرنے میں موجودہ کانگریسی حکومت انگریزوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہے مگر ان تمام ظلم وزیادتی کے باوجود اصولاً اس حکومت نے بھی سابق مالکان اراضی کی ملکیت کو ایک حد تک تسلیم کیا ہے، چنانچہ "بھارت کا آئین" دفعہ ۳۰۰ الف میں ہے کہ

"بہ استثناء قانونی اختیار کے کسی شخص کو جائداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔" (۱)

---

(۱) بھارت کا آئین / ۳۰۵

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ برطانوی سامراج سے ۱۹۴۷ء میں آزادی حاصل کرنے کے بعد کانگریسی حکومت نے بھی سابق مالکان اراضی کی زمینوں میں مختلف قسم کی تبدیلیاں کی ہیں لیکن ان سب کے باوجود ایک حد تک سابق مالکان اراضی کو بدستور اپنی زمینوں کا مالک قرار دیا ہے، ہاں جن اشخاص کی زمینوں کو حکومت موجودہ نے غصب کر کے یا بحق سرکار ضبط کر کے کسی مسلم وغیر مسلم کو دے دیا یا نیلام کر دیا اور پھر کسی نے اس کو خرید لیا تو یہ لوگ بھی ان زمینوں کے مالک ہو گئے، البتہ اگر کسی جگہ کانگریسی حکومت نے کسی مسجد یا اوقاف کی زمینوں کو ضبط کر لیا تو شرعاً یہ حکومت ان زمینوں کی مالک نہیں ہوئی، نیز اگر کسی نے سرکار سے ایسی زمینوں کو خرید یا بغیر خریدے از خود کانگریسی حکومت نے کسی کو دے دیا تو یہ لوگ بھی ان زمینوں کے مالک نہ ہوں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس کانگریسی دور حکومت میں اراضی کے شرعی احکام بعینہ وہی ہیں، جو برطانوی سامراج کے دور میں تھے، جس کی مختصر سی جھلک محور دوم کے آخر میں پیش کی گئی۔

هذا ما عندي فقط والله سبحانه وتعالى اعلم۔

(محور چہارم)

اراضی ہند کی شرعی حیثیت کے بارے میں چند سوالات کے جوابات

(۱) اراضی ہندوستان کی شرعی حیثیت کے سلسلہ میں اتنی بات پر تو تمام علما متفق ہیں کہ یہ اراضی شام وعراق کے مثل مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی گئی، بلکہ اس کے بعض خطے کے لوگ از خود فتح ہونے سے قبل ہی مسلمان ہو کر سلطان مسلم کے مطیع ہو گئے اور اس کے بعض خطے جنگ وجہاد کے ساتھ اور بعض صلح کے ذریعہ فتح ہوئے۔ اس کے بعد حسب اختیارات امام زمینوں کے متعلق مختلف صورتیں جاری ہوئیں۔ بعض اراضی بیت المال میں داخل کی گئیں، بعض پر سابق مالکان اراضی کی ملکیت برقرار رکھی گئیں اور ان پر خراج مقرر کر دیا گیا، پھر ان میں سے بعض اراضی کے مالکان لاوارث مر گئے تو سلطان مسلم نے وہ زمینیں دوسرے لوگوں کو بطور ملک دے دیں، اسی طرح جو اراضی بیت المال کی تھیں ان میں سے بھی بہت سے لوگوں کو مالکانہ طور پر جاگیریں دی گئیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اراضی ہند کی مختلف اقسام ہیں، محور اول میں کسی زمین کے عشری وخراجی

ہونے کے سلسلہ میں جو اصول ذکر کیے گئے ہیں ان کی روشنی میں نیز دیگر دلائل و شواہد کی بنیاد پر ہندوستان کے جس خطہ کی زمین کا عشری ہونا معلوم ہو وہ عشری اور جس خطہ کی زمین کا خراجی ہونا معلوم ہو وہ خراجی ہوگی اور جن زمینوں کا کچھ حال معلوم نہیں اور وہ اس وقت مسلمانوں کے تصرف میں ہیں تو ایسی زمینیں بدلیل استصحاب حال مسلمانوں ہی کی ملک سمجھی جائیں گی اور ان میں عشر کا وجوب ہوگا۔ البتہ اگر درمیان میں کوئی کافر ان کا مالک ہو گیا تھا تو پھر وہ عشری باقی نہیں رہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اراضی مملوکہ عشری ہیں، چنانچہ عہد برطانیہ میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے امداد الفتاوی میں اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے فتاویٰ دار العلوم قدیم میں مسلمانوں کی مملوکہ اراضی کو بدلیل استصحاب حال عشری ہی کہا ہے۔ (۱)

ہاں جو مسلمان اپنی اراضی کو چھوڑ کر پاکستان چلے گئے اور ان کی زمینوں کو حکومت ہند نے قبضہ کرکے ہندوؤں کو دے دیا بعدہٗ وہ زمینیں پھر کسی طرح مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں یا شروع ہی سے حکومت ہند نے مسلمانوں کو وہ زمینیں دے دیں تو یہ دونوں قسم کی زمینیں بوجہ استیلاء کافر عشری باقی نہیں رہیں، بلکہ خراجی ہوگئیں اور ان دونوں کے علاوہ باقی سب زمینوں کے احکام وہی رہیں گے، جو عہد برطانیہ سے پہلے عہد اسلامی میں تھے کہ جو زمینیں نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں کی ملک ہیں اور کسی دور میں ان پر کافر کی ملکیت ثابت نہیں، وہ بدلیل استصحاب حال ابتداء ہی سے مسلمانوں کی ملک قرار دی جائیں گی اور عشری سمجھی جائیں گی اور جن پر کسی بھی وقت کافروں کا قبضہ ہو گیا پھر ان سے خرید کر یا کسی بھی جائز طریقے سے مسلمانوں کی ملکیت میں آئیں تو وہ خراجی قرار پائیں گی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کی زمینیں دونوں قسم کی ہیں بعض عشری اور بعض خراجی اور ان دونوں قسموں کی زمینوں کے پہچاننے کا معیار بھی معلوم ہوا کہ جو زمینیں زمانہ قدیم سے مسلمانوں کی مملوکہ چلی آرہی ہیں اور درمیان میں کسی کافر کا مالک ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں تو وہ زمینیں عشری ہیں اور جو زمینیں کسی کافر کی ملکیت میں رہ چکی ہیں اور پھر مسلمانوں کی ملکیت میں آئی ہیں تو وہ زمینیں خراجی ہیں خلاصہ یہ کہ جن اراضی پر خراجی کی تعریف صادق آئے وہ خراجی اور جن پر عشری کی تعریف صادق آئے وہ

---

(۱) ملاحظہ ہو: امداد الفتاویٰ ۔ فتاویٰ دار العلوم قدیم سوم ص۲۰

عشري. كما حققه المحقق التهانوي في امداد الفتاوى، والمفتي محمد شفيع الديوبندي ثم الكراتشي في احكام الأراضي وجواهر الفقه.

البتہ یہاں پر بعض حضرات علماء کو بعض فقہاء کے کلام سے اشتباہ ہوگیا ہے جس کی بنا پر بعض علماء نے تو اراضی ہند کے عشری وخراجی ہونے ہی کا سرے سے انکار کردیا ہے۔ (۱) ــــــ اور بعض نے کہا کہ مسلمانوں کی تمام زمینیں عشری ہیں (۲) ــــــ لیکن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے جواہر الفقہ (۳) اور اسلام کا نظام اراضی میں مذکورہ دونوں قول کی مفصل تردید کی ہے، دراصل اشتباہ کی وجہ یہ ہے کہ علامہ شامی وغیرہ بعض فقہاء نے اراضی دار الحرب کے متعلق یہ تحریر کیا ہے کہ وہ نہ عشری ہوتی ہیں اور نہ خراجی (۴) اور ظاہر ہے کہ ہندوستان دار الحرب ہے اس لیے یہاں کی تمام اراضی کا بھی یہی حکم ہوگا، البتہ اگر کوئی احتیاط پر عمل کرنا چاہے عشر نکال دے کیوں کہ مسلمانوں کی زمینوں میں اصل وظیفہ عشر ہے، پس بحالت اشتباہ عشر نکالنا ہی احوط ہوگا، لیکن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمۃ نے مذکورہ تمام اقوال کو تفصیل سے درج کرنے کے بعد ان پر تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں قول فیصل جو تحریر کیا ہے وہ یہی ہے کہ:

"جن زمینوں کے مالک مسلمان نسلاً بعد نسل چلے آتے ہیں اور کسی زمانہ میں ان پر کسی کافر کی ملکیت کا ثبوت نہیں وہ ابتداء ہی سے مسلمانوں کی جائز ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی، اور جن زمینوں پر کسی کافر کی کسی زمانہ میں ملکیت ثابت ہے اور پھر اس سے منتقل ہوکر مسلمانوں کے قبضہ میں آئی ہے وہ خراجی قرار پائے گی۔ واللہ اعلم"۔ (۵)

اور شامی کی عبارت کے متعلق لکھا ہے کہ اس عبارت کا تعلق اصلی دار الحرب سے ہے جہاں کسی بھی وقت مسلمانوں کی حکومت نہ رہی ہو اور نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ بسنے اور وہاں کی زمینوں کے خریدنے وغیرہ کا کوئی تصور ہو، تو ظاہر ہے کہ ایسی زمینیں کافروں ہی کے استعمال میں ہوں گی، اس لیے اگر ایسے دار الحرب کی زمینیں نہ عشری ہوں اور نہ خراجی تو اس میں کوئی اشکال نہیں، البتہ جو ملک عارضی دار الحرب ہو اور

---

(۱) ملاحظہ ہو: معارف السنن شرح ترمذی ۵/۲۷۹ (۲) کما فی کفایت المفتی

(۳) جواہر الفقہ ۲/۹۳ (۴) ملاحظہ ہو، شامی باب الرکاز

(۵) جواہر الفقہ ۲/۲۰۸، اسلام کا نظام اراضی ۱۹۷

مدتوں دارالاسلام رہ چکا ہو تو اس کے متعلق یہ حکم ہرگز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس کی تائید شرح سیر کبیر کی اس عبارت سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ

لأن العشر والخراج إنما يجب في أراضي المسلمين وهذه أراضي أهل الحرب ليست عشرية ولا خراجية.(۱)

عشر وخراج تو مسلمانوں کی زمینوں پر عائد ہوتا ہے اور یہ زمینیں حربیوں یعنی دارالحرب کے کافروں کی ہیں اس لیے وہ نہ عشری ہیں اور نہ خراجی۔

مذکورہ عبارت کو غور سے پڑھا جائے تو اس سے وہی مفہوم ہوتا ہے جو اوپر عرض کیا گیا کہ اصلی دارالحرب کی زمینیں جو کبھی مسلمانوں کے زیر تصرف نہیں آئیں وہ نہ عشری ہوں گی اور نہ خراجی، لیکن جو ملک مدتوں دارالاسلام بھی رہا ہو اور بعد میں اگرچہ مسلمانوں کی بداعمالیوں کے نتیجے میں وہ ملک اسلامی اقتدار سے نکل کر دارالحرب بن گیا ہو مگر مسلمانوں کی زمینیں نسلاً بعد نسل مسلمانوں ہی کے قبضہ وتصرف میں چلی آ رہی ہو تو ایسی زمینوں کو احکام شرعیہ ضروریہ سے محروم نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ان میں حسب دستور سابق عشر وخراج واجب ہوگا۔ چنانچہ امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہی ہے، اور شرح سیر کبیر کی عبارت اس کے لیے کافی دلیل ہے۔ (ملخصاً) اور شامی کی عبارت کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا بعینہ یہی بات حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاویٰ میں تحریر کی ہے۔ (۲)

خلاصہ یہ کہ صحیح قول کے مطابق ہندوستان کی زمینیں دونوں قسم کی ہیں، یعنی بعض عشری ہیں اور بعض خراجی۔ مسلمانوں کی جن زمینوں کا عشری وخراجی ہونا متیقن طریقے سے معلوم ہے وہ اسی طرح عشری یا خراجی ہوں گی اور جن زمینوں کے متعلق کچھ معلوم نہیں اور ظاہر ہے کہ ہندوستان کی اکثر زمینوں کا یہی حال ہے کیوں کہ اس ملک کو فتح کیے ہوئے طویل زمانہ ہو گیا اور اس اثناء میں یہاں کی زمینوں پر کتنے انقلابات آئے، کتنی بستیاں بسیں اور اجڑیں ان کا حقیقی علم تو اللہ ہی کو ہے جو ساری کائنات کا خالق ومالک ہے، اللہ کے علاوہ کس کو اس کا صحیح علم ہے؟ اس لیے ایسی صورت میں استصحاب حال کو دلیل بنا کر یہی کہا جائے گا کہ جو زمینیں نسلاً بعد نسل مسلمانوں کی ملک چلی آ رہی ہیں وہ زمینیں عشری ہیں اور جو زمینیں کافروں کے توسط سے ہو کر مسلمانوں کو پہنچی ہیں وہ خراجی ہیں۔(۳)

---

(۱) شرح سیر کبیر ۴/۲۰۳۳ (۲) احسن الفتاویٰ ۴/۱۰۴ (۳) مستفاد از جواہر الفقہ ۲/۴۰۹، امداد الفتاویٰ ۲/۸۳ مطبوعہ کراچی

مذکورہ تفصیلات سے ہندوستان کی اراضی کی شرعی حیثیت ظاہر و واضح ہوگئی نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہاں کون سی اراضی عشری ہے اور کون سی خراجی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(۲) جن اراضی کا عشری و خراجی ہونا کچھ متعین نہیں اور نہ ان کا سابق حال ہی معلوم ہے اور وہ اس وقت مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں ہیں تو ان کے متعلق بدلیل استصحاب حال یہی سمجھا جائے گا کہ وہ زمینیں مسلمانوں ہی سے حاصل ہوئی ہیں اور ان میں عشر واجب ہوگا، نیز ایسی زمینوں کو عشری ہی کہا جائے گا۔

لان العشر الیق بالمسلم لما فیہ معنی العبادۃ وکذا ھو اخف حیث یتعلق بنفس الخارج ۔ (۱)

وفی معارف السنن قال الشیخ ملفق عن الشیخ الگنگوھی انہ افتی بان مالک الارض اذا لم یعلم ان ارضہ انتقلت الیہ من ایدی الکفار وکانت فی یدہ فعلیہ العشر فیھا۔ واللہ اعلم۔ (۲)

سرکاری ٹیکس سے خراج کی ادائیگی

(۳) ہندوستان میں سرکار کو زمین کی مال گذاری دی جاتی ہے وہ خراج کے حکم میں نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں کی سرکار کافر ہے اور کافر سرکار کو خراج وصول کرنے کا حق نہیں ہے اور نہ ہی اس کی فوج وغیرہ خراج کا شرعی مصرف ہے اس لیے ہندوستان کے مسلمانوں پر لازم و ضروری ہے کہ وہ خراج اپنے طور پر نکال کر دینی کاموں میں خرچ کریں جن میں بناء مساجد و مدارس وغیرہ بھی داخل ہے۔ کما حررہ العلامۃ عبد الغفور الھمایونی السندی فی رسالتہ سراج فی تحقیق خراج السندھ:

" پس بداں کہ بر ہر کسے کہ خراج لازم آید ادا لازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ

---

(۱) کما فی الھدایۃ ۲/۵۰۰ (۲) معارف السنن ۵/۲۱۹

سپین ہستند صرف نماید تا عنداللہ از عہدۂ آں برآید و در قیامت ماخوذ نگردد، ولاۓ نجکام نصاریٰ می گیرند پس در اداۓ خراج محسوب نمی گردد۔

لان الکافرین لیس لھم ولایۃ أخذ الخراج من المسلمین والمومنین والیضا لیسوا بمصارف الخراج حتی اذا ادی المسلمون الیھم مالابنیۃ الخراج لایخرجون عن عھدتہ لانھم لیسوا بمقاتلین لاھل الحرب ولادافعین اعداء الاسلام منھم وعن دارھم بل ھم أھل الحرب بدافعوا اعداء المسلمین والاسلام اعاذنا اللہ تعالی علیھم والمصرف للخراج المقاتلین لاھل الحرب ودافعوا لاعداء عن دارالاسلام۔[۱]

اس مسئلہ کی مزید تحقیق اور علامہ ہمایونی کے رسالہ کی ضروری تلخیص احسن الفتاویٰ[۱] میں ملاحظہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(۳) نمبر ۱ کے تحت عرض کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان کی بعض زمینیں خراجی ہیں، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ ہندوستان میں مسلمان خراج کی ادائیگی کس طرح اور کس شرح سے کریں تو اس سوال کے جواب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ خراج کیا ہے اور اس کی کتنی قسمیں ہیں اور ہند و پاک کی اراضی میں کس قسم کا خراج عائد ہوتا ہے تو یاد رہے کہ خراج عشر ہی کی طرح اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ایک ٹیکس ہے، البتہ خراج کی حیثیت صرف ٹیکس کی ہے اور عشر میں ٹیکس ہونے کے ساتھ عبادت کا پہلو بھی ہے۔

قال فی البدائع فی العشر معنی العبادۃ وفی الخراج معنی الصغار[۲]——

وقال فی ھامش الھدایۃ فی الخراج معنی العقوبۃ للتعلق بالتمکن من الزراعۃ وان لم یزرع۔[۳]

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ خراج کیا ہے۔ رہی خراج کی قسمیں تو اس سلسلہ میں فقہاء نے خراج کی دو قسمیں لکھی ہیں، ایک خراج موظف اور دوسرا خراج مقاسمہ۔ خراج موظف کا مطلب یہ ہے کہ خراج کی مقدار نقد رقم سے مقرر کردی جاۓ۔ اور خراج مقاسمہ کا مفہوم یہ ہے کہ بٹائی کی طرح پیداوار کا

---

(۱) احسن الفتاویٰ جلد ۲ ۳۳۲ تا ۳۴۰ (۲) بدائع ۲/۵۸ (۳) حاشیہ ہدایہ ۲/۵۸۰

کوئی حصہ نصف یا ثلث یا ربع وغیرہ متعین کر دیا۔ خراج کی ان دونوں قسموں کے درمیان فرق یہ ہے کہ خراج کی پہلی قسم یعنی خراج موظف ہر کھیتی کے لائق زمین پر واجب ہے خواہ کھیتی کرے یا نہ کرے چنانچہ اگر کسی کاشتکار نے سستی کی وجہ سے کھیتی نہیں کی تب بھی اس پر خراج موظف ادا کرنا واجب ہوگا اور خراج کی دوسری قسم کا تعلق پیداوار سے ہے اگر کھیت میں پیداوار ہوگی تو خراج واجب ہوگا اگر نہیں ہوگی تو خراج بھی واجب نہ ہوگا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ خراج موظف سال میں صرف ایک مرتبہ واجب ہے لیکن خراج مقاسمہ عشر ہی کی طرح پیداوار کے مکرر ہونے سے مکرر ہو سکتا ہے چنانچہ شرح وقایہ کتاب الجہاد باب الوظائف میں لکھا ہے کہ

ان الخراج نوعان خراج موظف وهو الوظيفة المعينة التي توضع على الارض كما وضع عمر رضي الله عنه على سواد العراق وخراج المقاسمة كربع الخارج وخمسه ونحوهما فالذي لا يتكرر هو الموظف اما الخراج المقاسمة فهو يتكرر كالعشر (۱)

خراج کی دو قسمیں ہیں۔ خراج موظف اور یہ وہ متعین وظیفہ ہے جو زمین پر مقرر کر دیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملک عراق کی آبادیوں پر مقرر کر دیا تھا۔ خراج مقاسمہ جیسے پیداوار کا چوتھا اور پانچواں حصہ وغیرہ پس خراج موظف مکرر نہیں ہوتا ہے جبکہ خراج مقاسمہ تو وہ عشر کی طرح مکرر ہو جاتا ہے۔

حاشیہ شرح وقایہ میں مزید تفصیل دیکھنی چاہیے خراج کی مذکورہ بالا دونوں قسموں میں سے پہلی قسم یعنی موظف کی مفصل بحث فقہ و حدیث کی کتابوں میں موجود ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملک عراق کو فتح کیا تھا تو وہاں کی زمینوں کی پیمائش کرا کر اور مختلف پیداواروں کا اندازہ کر کے وہاں کی زمینوں پر خراج کی ایک رقم متعین فرما دی تھی جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ عام قابل کاشت زمینوں میں فی جریب ایک درہم (ساڑھے تین ماشہ چاندی) اور ایک صاع (ساڑھے تین سیر) غلہ جو کھیت میں پیدا ہو اور ترکاری کے قبیل کی چیزوں میں فی جریب پانچ درہم اور انگور و کھجور کے گھنے باغات میں

---

(۱) شرح وقایہ ۲۳۰/۲

فی جریب دس درہم مقرر کر دیا تھا اور مذکورہ چیزوں کے علاوہ جن اشیا کے خراج کی تعیین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ان کے متعلق فقہا کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ زمین کی پیداوار کی برداشت کے مطابق مقرر کیا جائے جو کل پیداوار کے نصف سے زائد نہ ہو اور خمس سے کم نہ ہو، البتہ اگر تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ پیداوار بہت کم ہوئی ہے اور محنت بہت زیادہ کرنی پڑی ہے تو خمس سے کم کرنا بھی جائز ہے البتہ نصف پیداوار سے زیادہ خراج مقرر کرنا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے باغ کاٹ کر اس زمین میں زراعت شروع کر دی ہے تو اس سے باغ ہی کا خراج وصول کیا جائے گا۔

اگر کسی نے سبزی والی زمین میں سبزیوں کی صلاحیت کے باوجود سبزیوں کے بجائے زراعت کی تو اس سے سبزیوں ہی کا خراج وصول کیا جائے گا، نیز اگر کسی نے کھیتی کے قابل زمین کو چھوڑ دیا اور سستی و غفلت کر کے اس میں کھیتی نہیں کی تو بھی اس سے خراج مؤظف وصول کیا جائے گا، وہ ہرگز معاف نہ ہوگا، ہاں اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ جائے یا اور کوئی آفت پہونچ جائے، جس کی وجہ سے وہ زمین کھیتی کے قابل نہ رہے تو اس سے خراج مؤظف معاف ہو جائے گا، یاد رہے کہ سطور بالا میں جریب کا ذکر آیا ہے، وہ ہمارے زمانہ کے موجود بیگھہ سے قریب ہے یعنی ایک جریب کا رقبہ ۶۰ مربع ذراع ہوتا ہے اور یہاں پر ذراع سے مراد سات قبضہ کا ذراع ہے جب کہ عام ذراع چھ قبضہ کا ہوتا ہے اور ایک قبضہ چار انگشت کا ہوتا ہے اس حساب سے ایک ذراع پونے دو فٹ (مساوی ۲۸ انگشت) ہوا، اور ساٹھ ذراع ۱۰۵ فٹ برابر ۳۵ گز یا ۳۲ میٹر ہوا اور اس طرح ایک جریب گیارہ ہزار پچیس مربع فٹ مساوی بارہ سو پچیس مربع گز یا ایک ہزار چوبیس (۱۰۲۴) مربع میٹر ہوا۔ [1]

مذکورہ سطور میں خراج کی جو تفصیل درج کی گئی وہ خراج مؤظف کی ہے اور خراج مقاسمہ عشری کی طرح زمین کی پیداوار پر ہے اگر کسی نے کھیتی نہیں کی جس کے نتیجے میں پیداوار نہیں ہو سکی اگرچہ اس نے کھیتی کرنے میں سستی ہی کیوں نہ برتی ہو، مگر خراج مقاسمہ معاف ہو جائے گا، کیوں کہ اس کا تعلق پیداوار سے ہے اگر پیداوار نہیں ہو سکی ہے تو عشری کی طرح خراج مقاسمہ بھی واجب نہیں ہوگا، نیز جس طرح عشر پیداوار کے مکرر ہونے سے مکرر واجب ہو جاتا ہے، اسی طرح خراج مقاسمہ بھی پیداوار کے سال میں مکرر ہونے

---

(۱) احسن الفتاوی ج ۶ ص ۳۳۰

کی وجہ سے مکرر واجب ہو جائے گا، ہاں خراج موظف سال بھر میں ایک ہی مرتبہ واجب ہوگا، اگرچہ زمین ایک سال کے اندر دو یا زیادہ مرتبہ ہی پیداوار کیوں نہ ہو۔ خراج موظف کے سلسلہ میں جس طرح یہ تفصیل ہے کہ خراج کی مقدار پیداوار کے نصف سے زائد اور خمس سے کم نہ ہو۔ بعینہٖ یہی تفصیل خراج مقاسمہ میں ہے کہ اس کی مقدار کل پیداوار کے نصف اور خمس کے درمیان ہی ہونی چاہیے اس سے کم و زائد نہ ہو، بلکہ علامہ شامی کے بقول خراج مقاسمہ میں نصف پیداوار سے زائد خراج مقرر کرنا جائز نہیں ہے، رہا خمس سے کم کرنا تو جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے اس سے کم نہ کیا جائے البتہ اگر کسی زمین میں محنت بہت زیادہ کرنی پڑتی ہے اور پیداوار کم ہوتی ہے تو خراج مقاسمہ خمس پیداوار سے کم کیا جا سکتا ہے، بلکہ بعض حالات میں عشر اور نصف عشر بھی وصول کیا جا سکتا ہے۔

کما فی رد المحتار: ویکون حکمه حکم العشر ومن حکمه ان لا یزید علی النصف وینبغی ان لا ینقص عن الخمس قاله الحدادی وبه علم ان قول الشارح وینبغی مذکور فی غیر محله لان الزیادة علی النصف غیر جائزة کما مر التصریح به فی قوله ولا یزاد علیه وکان عدم التنقیص عن الخمس غیر منقول فذکره الحدادی بحثا لکن قال الخیر الرملی یجب ان یحمل علی ما اذا کانت تطیق فلو کانت قلیلة الریع کثیرة المؤن ینقص لا یجب ان یتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة کما فی ارض العشر انتهی۔ (۱)

وذکر ابن عابدین من قبل فی کتابه هذا عند ذکر الاراضی الشامیة السلطانیة والمرتزقة منها ما یؤخذ منه نصف الخارج ومنها الربع ومنها العشر والظاهر انه خراج المقاسمة۔ اھ۔ (۲)

وذکر العلامة عبد الحی اللکنوی فی هامش شرح الوقایة عند ذکر الخراج المقاسمة هو کالعشر ماخذاً بالخارج فیؤخذ من کل ما یؤخذ منه العشر او نصفه من الرطاب والزروع والکروم والنخیل وغیرها۔ (۳)

---

(۱) رد المحتار [illegible] (۲) ایضاً [illegible] (۳) حاشیہ شرح وقایہ ۲/۴۶

سندھی نے اپنی بیاض میں لکھا ہے نیز مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی نے جو تحقیق اراضی سندھ کے متعلق لکھی ہے اس سے بھی یہی خمس معلوم ہوتا ہے اس تفصیل سے علاقہ سندھ کی زمینوں کا خراج تو معلوم ہو گیا کہ عموماً مقاسمہ اور بٹائی کی صورت سے پیداوار کا پانچواں حصہ (خمس) تھا، اس زمانہ میں ملتان، بھاول پور، پنجاب کے سب علاقے بھی سندھ میں شامل تھے، ان کا بھی یہی حکم ہوگا، بلکہ صوبۂ گجرات اور راجپوتانہ کو بھی محمد بن قاسم کی فتوحات میں داخل سندھ اور اس کا جز قرار دیا گیا تھا، اس لیے ان تمام علاقوں کے خراج میں اگر کسی خاص زمین یا کسی خاص علاقہ کے متعلق خراج کی کوئی دوسری صورت کافی ثبوت کے درجہ کو پہونچ جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا، ورنہ خمس پیداوار کو خراج سمجھا جائے گا، لیکن محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے جن کی فتوحات غزنوی اور غوری دور حکومت سے شروع ہو کر علاء الدین خلجی تک تمام ہوئیں ان کے سلسلہ میں تاریخی روایات سے اتنی بات تو ثابت ہے کہ ان تمام علاقوں کی زمینیں عموماً ان کے ہندو مالکان ہی کی ملک اور قبضہ میں باقی رکھی گئیں اور ان پر خراج عائد کیا گیا، مگر یہ تفصیل عام طور پر نہیں ملتی کہ خراج کی کون سی قسم ان زمینوں پر عائد کی گئی، مقاسمہ یا موظف، البتہ علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں جو اصلاحات اور تغیرات ہوئے اس کے ذیل میں کتب تواریخ نزہۃ الخواطر اور آئینہ حقیقت نما وغیرہ میں یہ مذکور ہے کہ اس نے مالکان الاراضی پر جو نقد خراج مقرر تھا اس کے بجائے بٹائی کا طریقہ جاری کر دیا اور پھر خلجی کے بعد محمد تغلق نے بھی یہی معمول جاری رکھا۔ (۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے علاقوں اور صوبوں میں عموماً اول فتح کے وقت سے خراج موظف (نقد) جاری تھا جس کو علاء الدین خلجی نے مقاسمہ اور بٹائی کی صورت میں تبدیل کر دیا، اب اگر خراج موظف کو مقاسمہ سے بدل دینے کا یہ معاملہ مالکان زمین کی رضامندی سے ہوا تھا تو پھر مضائقہ نہیں ورنہ اس کو تبدیلی کا کوئی حق نہ تھا (جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علاقہ سندھ کی اراضی میں خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کا خمس ہے لیکن ہندوستان

---

(۱) ملاحظہ ہو: نزہۃ الخواطر ص ... ، آئینہ ... ۱۴۸/۱

کی دیگر اراضی میں خراج موظف ہے جس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے کہ عام قابل کاشت زراعتی زمین میں ہر ایک جریب پر ایک درہم نقد یعنی ساڑھے تین ماشہ (۳ ½ ماشہ) چاندی اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گیہوں یا جو یا جو چیز بوئی جائے، واجب ہے اور ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور، کھجور وغیرہ کے گھنے باغات کی ایک جریب پر دس درہم واجب ہے اور باقی اشیاء کا خراج اس حساب سے لگایا جائے کہ خراج کل پیداوار کے خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔ (۱)

"قال في الدر المختار من كتاب الجهاد في باب العشر والخراج: الخراج نوعان خراج مقاسمة .... وخراج وظيفة .... كما وضع عمر رضي الله عنه على السواد لكل جريب هو ستون ذراعا في ستين بذراع كسرى صاع قفيزا صاعا من بر أو شعير ودرهما .... ولجريب الرطبة خمسة دراهم ولجريب الكرم أو النخل متصلة قدر فيهما ضعفها ولما سواه مما ليس فيه توظيف عمر ..... طاقته وغاية الطاقة نصف الخارج فلا يزاد عليه .... ولا ينقص من الخمس هداية." (۲)

مذکورہ تفصیلات سے جہاں خراج کی اقسام اور مقدار معلوم ہوئی وہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ موجودہ ہندوستان میں خراج کی ادائیگی کس طرح سے کی جائے۔ یہاں پہونچ کر احقر یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ اگر کوئی شخص خراج موظف ادا کرتا ہو تو کم از کم عشر کی طرح اپنی خوشی سے خراج مقاسمہ ہی ادا کرے۔

لما مر عن رد المحتار عن الخير الرملي خراج المقاسمة كالموظف مصرفا كالعشر ما خذا۔ (۳)

حكم هذا الخراج حكم العشر فيكون ذلك في الخارج كالعشر (۴)

لیکن عوام میں جو من سیر کا رواج ہو گیا ہے کہ ایک من میں ایک سیر ادا کرتے ہیں تو یہ کسی طرح جائز نہیں ہے، معلوم نہیں یہ بات کہاں سے چل پڑی ہے۔ خدائے تعالیٰ تمام مسلمانوں کو سیدھے راستے پر چلنے کی

---

(۱) جواہر الفقہ باختصار ۲/۲۸۱-۲۹۰ (۲) الدر المختار مع الشامی رد المحتار ۲/۲۹۳-۲۹۵، هكذا في الهداية ۲/۵۷۵-۵۷۰ و بدائع ۲/۶۳ (۳) رد المحتار ۲/۲۹۳ (۴) بدائع ۲/۶۳

وفی رد المحتار عن البحر الرملی خراج المقاسمة کالزکاة مصرفاً وکالعشر مأخذاً لانه یختلف بین الرطاب والزرع والکرم والنخل المتصل وغیره الخ۔ (۱)

وذکر فی البدائع فی خراج المقاسمة ویکون حکم هذا الخراج حکم العشر ویکون ذلک فی الخارج کالعشر الا انه یوضع موضع الخراج لانه خراج فی الحقیقة۔ واللہ اعلم ۔(۲)

خراج کی بحث کے ذیل میں ایک مسئلہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ اول فتح کے وقت خراج جو بھی قسم مقرر کی گئی وہی مقرر رہے گی۔ بعد میں اس کو بدلنا جائز نہیں، البتہ اگر مالک اراضی کی رضامندی سے تبدیلی کی جائے تو بظاہر اس کی گنجائش ہے۔

کما ذکر ابن عابدین فی رد المحتار وفی الفتح ولیس للامام ان یحول الخراج الموظف الی خراج المقاسمة اقول وکذلک عکسه فیما یظهر من تعلیله لانه قال لان فیه نقض العهد وهو حرام اھ۔ قلت صرح بالعکس القهستانی۔(۳)

یعلم من تعلیله لان فیه نقض العهد وهو حرام یجوز هذا بالتراضی فافهم۔

مذکورۃ الصدر تفاصیل سے خراج موظف اور خراج مقاسمہ کی حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی، اب آئیے اس پر غور کیجیے کہ سندھ کی اراضی میں کون سا خراج ہے تو اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے جواہر الفقہ اور نظام اراضی میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"اس کا مدار ان احکام کے معلوم ہونے پر ہے جو مسلمان فاتحین نے اول فتح کے وقت نافذ فرمائے ہیں تو اراضی سندھ کے متعلق مستند علماء سندھ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ وہاں محمد بن قاسم نے غیر مسلموں کی اراضی پر خراج مقاسمہ نافذ کیا تھا جس کی مقدار فی صد پیداوار کا پانچواں حصہ تھا، چنانچہ شیخ ابو الحسن ٹھٹھوی نے اپنے رسالہ رفیع العشر میں لکھا ہے ان خراج السند هو الخمس ای ضعف العشر۔ اسی طرح مخدوم محمد عارف

---

(۱) رد المحتار ۴/۲۲۳ (۲) بدائع ۲/۶۳ (۳) رد المحتار ۴/۲۹۶

توفیق عطا فرمائے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وما صرح الفقہا، فھذا ھو الحق وماذا بعد الحق إلا الضلال اللھم احفظنا منہ۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۵) احکام عشر میں شریعت نے آب پاشی کی وجہ سے عشر اور نصف عشر کا جو فرق رکھا ہے وہ در حقیقت زراعت ہی کے اخراجات کو پیش نظر رکھ کر ایسا کیا ہے، اس لیے عشر و نصف عشر کا مدار صرف آب پاشی پر ہوگا، آب پاشی کی جو نوعیت ہوگی اسی کے تفاوت کے اعتبار سے مقدار واجب میں تفاوت ہوگا، اور آب پاشی کے علاوہ زراعت کے دیگر اخراجات مثلاً مزدوری، ہل بیل کی اجرت، بیج، کھیتی کی محافظت کا خرچ، یا زمین کی اجرت، اسی طرح کھاد، دوا پاشی وغیرہ کا کوئی خرچ عشر میں وضع نہ ہوگا بلکہ حاصل شدہ کل پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ آب پاشی ہی کے اعتبار سے عشر میں نکالنا واجب ہوگا۔

کما فی البدائع: ولا یحتسب لصاحب الأرض ما أنفق علی الغلۃ من سقی او عمارۃ أو أجر الحافظ أو أجر العمال، ونفقۃ البقر لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ما سقتہ السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب أو دالیۃ أو سانیۃ ففیہ نصف العشر اوجب العشر ونصف العشر مطلقاً عن احتساب ھذہ المؤن ولأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوجب الحق علی التفاوت لتفاوت المؤن ولو رفعت لارتفع التفاوت، انتھی۔ (۱)

وعبارۃ الھدایہ ھکذا: کل شیء مما فیہ العشر لا یحتسب فیہ العمال و نفقۃ البقر لان النبی علیہ السلام حکم بتفاوت الواجب بتفاوت المؤنۃ فلا معنیٰ لرفعھا۔

(۶) جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر مالک زمین اور کاشت کار (بٹائی دار) دونوں پر اپنے اپنے حصے کے بقدر واجب ہے۔

کما فی البدائع ولو دفعھا مزارعۃ فاما علی مذھبھما فالمزارعۃ جائزۃ والعشر یجب فی الخارج والخارج بینھما فیجب العشر علیھما وأما علی مذھب أبی حنیفۃ فالمزارعۃ فاسدۃ ولو کان یجیزھا کان یجب علی مذھبہ جمیع العشر علی رب الأرض (۲)

---

(۱) بدائع ۲/۶۲ وھکذا فی الھدایۃ ۱/۲۰۳ (۲) بدائع ۲/۵۶

فثبت بهذا ان العشر على رب الأرض عندهما وعليهما عندهما من غير تفصيل

وهو الظاهر واستدرك على ثمرتهما بصحة المزارعة كما في رد المحتار۔ (۱)

ہاں اگر بٹائی دار غیر مسلم ہو تو عشر مالک زمین کے ذمہ واجب ہوگا۔

كما في الرسالة المطبوعة للامارة الشرعية البهار، من مسائل الزكوة (ص) ولكن

ما وجدت تصريحها في كتب الفقهاء المروجة عندي، فهو يقاس على مسئلة المستعير

الذمي وان كانت هذه المسئلة ايضا مختلفة بين ائمتنا الثلاثة۔ (۲)

ولكن قال ابن عابدين في رد المحتار نقلا عن شرح درر البحار لو استعارها ذمي

فالعشر على المعير اتفاقا لتفويته حق الفقراء بالاعارة من الكافر...... اي لكونه

ليس أهلا للعشر اھ (۳)

قلت يفهم من تعليله لتفويته حق الفقراء بالاعارة من الكافر ان في صورة

المزارعة من الكافر يجب العشر على رب الأرض المسلم كما يجب العشر في الاعارة

من الكافر على المعير۔

هذا ما عندي والله سبحانه وتعالى اعلم۔

اور اگر بٹائی دار مسلمان ہو تو اس پر اپنے حصہ کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔

لأن ملك الأرض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج فيجب في

الأرض التي لا مالك لها........ ولان العشر يجب في الخارج لا في الأرض فكان

ملك الأرض وعدمه بمنزلة واحدة۔ (۴)

فقط والله سبحانه وتعالى اعلم

یاد رہے کہ اگر مالک اراضی کو خوف ہو کہ بٹائی دار اپنے حصہ کی پیداوار کا عشر نہیں نکالے گا تو ایسی صورت

میں مالک اراضی پر لازم ہے کہ مشترک پیداوار سے عشر نکالنے کے بعد بٹائی دار کو حصہ دے۔

---

(۱) رد المحتار ۲/۶۱ (۲) کذا فی البدائع ۲/۵۶ (۳) وکذا یفهم من السید احمد الطحطاوی [illegible] ۲/۶۱

(۴) کذا فی البدائع ۲/۵۶

لأن اصحاب الاراضی کالحکام للمزارعین حتی انهم لایخافون من الحکام مثل مایخافون من اصحاب الاراضی لوصلة معاشهم ورزقهم بالزراعات الکائنة فی اراضیهم فاصحاب الاراضی حکام والمزارعون رعایاهم وجاء فی الحدیث الصحیح کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته. اھ۔ (۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(محور پنجم)

عشر کے چند ضروری مسائل

(۱) وجوب عشر کے لیے کوئی نصاب شرط نہیں ہے، اس لیے پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے البتہ ایک صاع سے کم پر عشر واجب نہ ہوگا۔

قال فی الدر المختار: ویجب العشر فی عسل وان قل (الی قولہ) بلاشرط نصاب راجع للکل وبلاشرط بقاء وحولان حول۔ وفی رد المحتار: (قولہ بلاشرط نصاب) وبقاء فیجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعا وقیل نصفہ وفی الخضروات التی لاتبقیٰ وھذا قول الإمام وھو الصحیح کما فی التحفۃ۔ (۲)

وفی الدر المختار ایضا یجب العشر ویجب نصفہ (الی قولہ) بلا رفع مؤن ای کلف الزرع وبلا اخراج البذر لتصریحھم بالعشر فی کل الخارج۔ (۳)

وفی البدائع: النصاب لیس بشرط لوجوب العشر فی کثیر الخارج وقلیلہ ولایشترط فیہ النصاب عند ابی حنیفۃ۔ اھ۔ (۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(۲) زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں جو مقصود بالذات ہو عشر واجب ہے خواہ گھاس ہو یا بانس ہو۔

---

(۱) والتفصیل فی احسن الفتاویٰ ۴/۳۵۲ (۲) شامی باب العشر ۲/۵۳،۵۲

(۳) الدر المختار علی ھامش رد المحتار ۲/۵۵،۵۹ (۴) بدائع ۲/۵۹

یا اور کوئی درخت ہو یا جانوروں کے لیے اگایا ہوا چارہ ہو یا سبزی ترکاری ہو یا غلہ پھل، اور روئی وغیرہ ہو، بلکہ جو چیز دیر پا نہیں ہوتی یا جس کا عشر کاٹتے ہی دیا جا سکتا ہے تو ایسی چیزوں کا عشر کاٹنے ہی کے دن نکال دینا چاہیے۔

لقوله تعالى: وآتوا حقه يوم حصاده، قال في رد المحتار عند أبي حنيفة يجب العشر في الخضروات ويخرج حقها يوم الحصاد أي القطع ۔(۱)

قلت صرح الفقهاء في كتبهم ان علة وجوب العشر استغلال الارض بما يقصد به كما في رد المحتار ان المدار على القصد حتى لو قصد به ذلك وجب العشر كما صرح به صاحب الدر المختار بعده اھ ۔(۲)

وفي الدر المختار حتى لو اشغل ارضه بها يجب العشر اھ قال ابن عابدين فلو استنمى ارضه بقوائم الخلاف وما اشبه او بالقصب والحشيش وكان يقطع ذلك ويبيعه كان فيه العشر غاية البيان ومثله وغيرها قال في الشرنبلالية وبيع ما يقطعه ليس بقيد ولذا اطلقه قاضي خان۔ اھ۔(۳)

ہاں جو چیز بالقصد اگائی نہیں جاتی تو اس میں عشر واجب نہیں ہے اور تالاب وغیرہ میں جو سنگھاڑہ یا سنگھاڑہ وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے تو اس میں عشر واجب ہے۔

لكونه من جنس ما يقصد به استغلال الارض فهو علة للوجوب كما في رد المحتار (۴) أو لكون السقي بالماء لعموم قول النبي صلى الله عليه وسلم ما سقته السماء ففيه عشر وما سقي بغرب او دالية ففيه نصف العشر۔ (۵)

(۳) اگر کسی زمین میں غلہ اگانے کے بجائے اس کو کھود کر تالاب بنا دیا جاتا ہے اور پھر اس میں مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے اور لوگ اس کو پیداوار کا درجہ دیتے ہیں تو اس میں اموال تجارت کی زکوٰۃ کے بجائے عشر واجب ہے، بشرطیکہ وہ زمین عشری ہو اور اس میں قدرتی پانی جمع ہوتا ہو اور اگر

---

(۱) شامی ۲/۵۳ باب العشر (۲) شامی ۲/۵۵ (۳) شامی ۲/۵۵ وهکذا فی البدائع ۲/۵۹
(۴) رد المحتار ۲/۵۳ (۵) بدائع ۲/۵۹

اس میں بورنگ وغیرہ سے پانی دینا پڑتا ہے تو اس میں نصف عشر واجب ہے اور اگر قدرتی پانی اور بورنگ وغیرہ کا پانی دونوں دینا پڑتا ہے تو جس پانی کی مقدار زیادہ ہو اس کا اعتبار ہوگا، اور اگر وہ زمین خراجی ہے تو پھر زمین کا خراج نکالنا واجب ہے۔

قال في البدائع بحثا عن العسل هو ملحق بثمارها لاعتبار الناس اعداد الارض لها قلت يقاس عليه زراعة السمكة لاعتبار الناس اعداد الارض لها او لكونه مما يقصد به استغلال الارض فهو علة للوجوب كما في رد المحتار - (۱)

فاذا كانت الارض عشرية تجب في زراعة السمكة العشر وان كانت الارض خراجية فان كان الخراج موظفا فلا شئ في زراعة السمكة ويجب الخراج وان كان الخراج المقاسمة فيجب الخراج في زراعة السمكة لكون المقاسمة كالعشر ماخذاً ولما كانت زكاة التجارة لا تجتمع مع العشر والخراج فكان ايجاب العشر والخراج أولى لانهما اعم وجوباً قال في البدائع ألا ترى انهما لا يسقط بعذر الصباء والجنون والزكوة تسقط به فكان ايجابهما أولى - (۲)

(۴) ریشم کی کاشت پر عشر واجب ہوگا۔

قياساً على العسل ولكونه ملحقا بنماء الأرض قال في البدائع بحثا عن العسل هو ملحق بثمارها لاعتبار الناس اعداد الارض لها ولانه يتولد من انوار الشجر فكانه كالثمر (اي لكونه بمنزلة الثمر لتولده من ازهار الشجر واوراقه) (۳)

أو لكونه مما يقصد به استغلال الارض فهو علة للوجوب - (۴)

وقال صاحب الهداية من عدم وجوب العشر في دود القز فهو محمول في زمانه لانه ما كان يقصد به استغلال الارض في زمان صاحب الهداية و أما في زماننا فهو مقصود ومدار العشر على القصد حتى لو قصد به ذلك وجب العشر كما صرح الشامي في رد المحتار بحثا عن الخضروات والحشيش اهـ - (۵)

---

(۱) كما في رد المحتار ۵۲/۲ (۲) بدائع ۵۶/۲ (۳) بدائع ۶۳/۲

(۴) كما في رد المحتار ۵۳/۲ (۵) ايضاً ۵۵/۲

(۵) درخت ہو یا پھل جس چیز کی کاشت بالقصد کی جاتی ہے اس میں عشر واجب ہے۔

لکونه مما یقصد به استغلال الأرض فهو علة للوجوب کما فی ردالمحتار[۱]

وإنما المدار علی القصد حتی لو قصد به ذلك وجب العشر[۲]

وقال فی البدائع عند ذکر شرائط وجوب العشر أن یکون الخارج من الأرض مما یقصد بزراعته نماء الارض وتستغل به عادة (إلی قوله) حتی قالوا فی الارض إذا اتخذها مقصبة و فی شجرة الخلاف التی تقطع فی ثلاث سنین أو أربع سنین أنه یجب فیها العشر لأن ذلك غلة وافرة ویجب فی قصب السکر وقصب الذریرة لانه یطلب بهما نماء الأرض فوجد شرط الوجوب فیجب اھ۔ (۳)

(۶) جن سبزیوں کی باقاعدہ کاشت کی جاتی ہے ان میں عشر واجب ہے اور جو سبزیاں مکان کے ارد گرد افتادہ زمین میں یا گھر کی چھتوں پر یا گھر کے صحن میں اگائی جاتی ہیں تو ان میں عشر واجب نہیں ہے، ہاں اگر ایسا کرکے مستقل آمدنی حاصل کی جاتی ہے اور گھر کے ارد گرد افتادہ زمین کو کھیت بنا لیا جاتا ہے تو پھر عشر واجب ہوگا۔

قال فی البدائع کون الخارج مما له ثمرة باقیة وهی الخضروات کالبقول و الرطاب والخیار والقثاء والبصل والثوم ونحوها فی قول ابی حنیفة الخ۔ (۴)

ــــــ وهو الصحیح کما فی التحفة هکذا فی ردالمحتار۔ (۵)

وفی الدرالمختار، واخذ خراج من دار جعلت بستانا أو مزرعة الخ ـــــــ

وفی ردالمحتار قید بجعلها بستانا لانه لو لم یجعلها بستانا وفیها نخل تغل أکرارا لا شیء فیها زیـ وکذلك ثمر بستان الدار لانه تابع لها کما فی قاضی خان[۶]

---

(۱) ردالمحتار ۲/۵۳ (۲) شامی ۲/۵۵ (۳) بدائع ۲/۵۷

(۴) بدائع ۲/۵۹ (۵) ردالمحتار ۲/۵۳

(۶) ردالمحتار ۲/۵۱، ومثله فی احسن الفتاوی ۴/۳۴۳

(۱) چوں کہ وجوب عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ پیداوار کا مالک ہونا کافی ہے اس لیے اراضی موقوفہ کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے خواہ وہ وقف علی الاولاد ہو یا کسی اور پر وقف ہو۔

قال فی البدائع: ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملک الخارج فیجب فی الارض التی لا مالک لها وهی الارض الموقوفة لعموم قوله تعالیٰ: یا ایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض وقوله عز وجل: وآتوا حقه یوم حصاده وقول النبی صلی الله علیه وسلم ما سقته السماء ففیه العشر وما سقی بغرب او دالیة ففیه نصف العشر ولان العشر یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملک الارض وعدمه بمنزلة واحدة. اه[1]

وقال ابن عابدین فی رد المحتار بعد نقل قول صاحب البدائع: هذا ظاهر فیما اذا زرعها اهل الوقف اما اذا زرعها غیرهم بالاجرة فیجری فیه الخلاف الآتی فی الارض المستاجرة الی آخر ما قال۔[2]

—— ——

(۱) بدائع ۲/۵۶

(۲) رد المحتار باب العشر ۲/۵۳

نہ عشری ہوں گی اور نہ ہی خراجی۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

فقہاء کرام نے زمین کو چار حصوں میں تقسیم فرما کر انہیں تین فقہی صورتوں میں سمیٹ دیا ہے:

(۱) عشری (۲) خراجی (۳) نہ عشری نہ خراجی۔

ردالمحتار میں ہے:

"واعلم ان الارض علی اربعة اقسام مباحة ومملوکة لجمیع المسلمین ومملوکة لمعین و وقف. فالاول لا یکون عشریا ولا خراجیا وکذا الثانی کاراضی مصر الغیر الموقوفة...... والثالث والرابع اما عشری اوخراجی واما الثانی وھو المملوکة لغیر معین فلم ار حکمه والذی یظھر لی ان الکل لبیت المال"۔

"زمین کی چار قسمیں (۱) مباحة (وہ زمین جس کا استعمال سب کے لیے مباح ہو)، (۲) تمام مسلمانوں کی مملوکہ زمین (۳) کسی معین شخص کی مملوکہ زمین (۴) وقفی زمین۔ پہلی قسم کی زمینیں نہ عشری ہوں گی یا خراجی یوں ہی قسم دوم کی زمین جیسے مصر کی غیر موقوفہ زمین، تیسری اور چوتھی قسم کی زمین یا تو عشری ہوں گی یا خراجی دوسری قسم (یعنی غیر معین مملوکہ زمینیں) کا حکم میری نظر سے نہیں گذرا، لیکن میرے خیال میں سب بیت المال ہی کی ملک ہوگی۔"

علامہ شامی نے گو کہ اس پر بحث کی ہے، مگر مختلف مواقع میں اس کے جوابات بھی دیئے ہیں، جن سے ظاہر ہے کہ فقہی اعتبار سے زمین تین قسم کی ہیں، (۱) عشری (۲) خراجی (۳) نہ عشری نہ خراجی۔

عشر و خراج کی حقیقت

عشر کا لغوی معنی دسواں ہے، اور اصطلاح شرع میں اس خاص دسویں حصہ کا نام ہے جو زمین کی پیداوار سے مستحقین کے لیے نکالی جائے اور خراج کا لغوی معنی زمین کی نشوونما سے نکلنے والی شے۔۔۔اور

لہ باب العشر ۔ ج۲/ ص ۴۰ ۔

اصطلاحِ شرع میں زمین کے اس محصول و ٹیکس کو کہتے ہیں جو سلطانِ اسلام وصول کرتا ہے۔ عنایہ[1] میں ہے:

"والعشر بضم العین احد اجزاء العشرۃ"

فتح القدیر میں ہے[2]:

"والخراج ما یخرج من نماء الارض او نماء الغلام وسمی بہ ما یأخذ السلطان من وظیفۃ الارض والرأس"

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں (۱) خراجِ مقاسمہ (۲) خراجِ موظف۔ "خراجِ مقاسمہ": زمین کی پیداوار کا نصف یا ثلث یا ربع یا خمس مقرر کر دیا جائے۔ "خراجِ موظف": ایک معین مقدار لازم کر دی جائے۔ مثلاً یا تو روپے مقرر کر دیا جائے، یا غلہ اور روپیہ دونوں لازم کر دیا جائے۔

درمختار میں ہے[3]:

"الخراج نوعان: (۱) خراج مقاسمۃ ان کان الواجب بعض الخارج کالخمس ونحوہ (۲) وخراج وظیفۃ ان کان الواجب شیئاً فی الذمۃ یتعلق بالتمکن من الانتفاع بالارض کما وضع عمر رضی اللّٰہ عنہ علی السواد"

عشر کا ثبوت اور اس کا شرعی معیار

کتاب و سنت، اجماعِ امت اور فقہائے اسلام کے اجتہادات سے عشر کی فرضیت ثابت ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہائے احناف نے ادلۂ اربعہ سے وجوبِ عشر کا ثابت ہونا نقل فرمایا ہے، امام علاء الدین ابی بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع میں، خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی رد المحتار میں علامہ زین الدین نجیم بحر الرائق میں فرماتے ہیں[4]:

"اما الاول فالدلیل علی فرضیتہ الکتاب والسنۃ والاجماع والمعقول"

---

[1] والعشر الخ [2] ۲۰۹/۲ [3] ۳۹/۳ [4] بدائع ۲-۳/۵۲، شامی ۲/۵۰، بحر الرائق ۲/۲۳۶۔

اما الكتاب: فقوله تعالىٰ: "وآتوا حقه يوم حصاده". قال عامة اهل التاويل ان الحق المذكور هو العشر او نصف العشر ...... واما السنة فما روينا وهو قوله صلى الله عليه وسلم ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب او دالية ففيه نصف العشر ...... واما الاجماع فلان الامة اجمعت على فرضية العشر۔ واما المعقول فعلى نحو ما ذكرنا في النوع الاول لان اخراج العشر الى الفقير من باب شكر النعمة واقدار العاجز وتقويته على القيام بالفرائض ومن باب تطهير النفس عن الذنوب وتزكيتها وكل ذالك لازم عقلا وشرعا"

عشر کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس چاروں سے ثابت ہے۔ اس کی فرضیت پر کتاب اللہ کی یہ آیت دلیل ہے "کھیتی کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو"۔ عامۃ مفسرین اس بات کے قائل ہیں کہ آیت میں مذکور حق سے مراد عشر یا نصف عشر ہے۔ اس کی فرضیت ہماری روایت کردہ حدیث پاک سے بھی ثابت ہے۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے آسمان سیراب کرے اس میں عشر اور جس زمین کی آبپاشی چرس یا ڈول سے ہوئی ہو اس میں نصف عشر واجب ہے۔" اجماع سے اس کا ثبوت یوں ہے کہ "امت مسلمہ نے عشر کی فرضیت پر اتفاق کر لیا ہے۔" اور قیاس سے اس کی فرضیت کا ثبوت انہیں وجوہات کی بنا پر ہے۔ جو ہم نے نوع اول میں ذکر کی ہیں کیونکہ عشر نکال کر فقیر کو دینا نعمت الٰہی کا شکر ہے اور عاجز کو فرائض کی ادائیگی پر قدرت و قوت بخشنے کے مترادف ہے۔ یونہی اس میں گناہوں سے نفس کی تطہیر اور اس کا تزکیہ بھی ہے۔ اور یہ ساری باتیں عقلاً و شرعاً ہر طرح ضروری ہیں۔"

خراج کا ثبوت شرعی

امام قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے خراج کا ماخذ کتاب اللہ اور تعامل صحابہ کو قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"اما الفئ فهو الخراج عندنا خراج الارض لان الله تعالىٰ يقول في كتابه

ما افاء الله على رسوله من اهل القرى فلله وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل[۱]

فئی زمین کے خراج ہی کو کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول کو شہر والوں سے وہ اللہ اور رسول کی ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے۔

پھر قاضی ابو یوسف نے کافروں سے خراج لینے پر حضرت عمر فاروق اور دیگر صحابہ کا اجماع سکوتی نقل فرمایا ہے، وہ رقم فرماتے ہیں:

"لما افتتح السواد شاور عمر رضي الله عنه الناس فيه فرأى عامتهم ان يقسمه وكان راي عمر ان يتركه ولا يقسمه، فلما الحوا عليهم قال فكيف اقسمه لكم وادع من ياتي بغير قسم فاجمع على تركه وجمع خراجه واقراره في ايدي اهله ووضع الخراج على ارضيهم والجزية على رؤوسهم"[۲]

جب سواد عراق فتح ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں صحابہ سے مشورہ کیا، عام لوگوں کی رائے تھی کہ اسے تقسیم کر دیا جائے، حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے اسے اس کے حال ہی پر چھوڑ دیا جائے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ...... اور فرمایا کیا اسے تمہارے لیے چھوڑ دوں، جنہوں نے اسے حاصل کیا، پھر تمام صحابہ نے اسی حالت پر چھوڑنے، خراج لینے، اس کے اہل کا قبضہ اس پر برقرار رکھنے، ان کی زمینوں پر خراج مقرر کرنے اور ان کے سروں پر جزیہ مقرر کرنے پر اتفاق کر لیا۔

اب ذیل میں عشری زمین اور خراجی زمین کے تعلق سے فقہاء کرام کی بیان کردہ وہ تفصیل اور ضابطے بیان کیے جا رہے ہیں، جن کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے کن اراضی کو عشری قرار دیا ہے اور کن کو خراجی؟ ہم اوپر ذکر کر آئے کہ بعض زمینوں کا عشری ہونا شریعت نے

۱؎ کتاب الخراج ص ۲۳   ۲؎ کتاب الخراج مطبوعہ مصر ص ۲۰

متعین فرما دیا ہے جو کبھی بھی خراجی نہیں ہو سکتیں۔

علامہ برہان الدین مرغینانی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ہدایہ میں فرماتے ہیں:

"قال ارض العرب کلها ارض عشر وهی ما بین العذیب الی اقصیٰ حجر بالیمن بمهرة الی حد الشام لان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم (علیهم السلام) والخلفاء الراشدین لم یاخذ والخراج من اراضی العرب والبصرة عند ابی یوسف کلها عشریة باجماع الصحابةؓ"

"عرب کی ساری زمینیں عشری ہیں، جن کی حد عذیب سے یمن کے آخری کنارے تک اور مہرہ سے شام تک، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے عرب کی اراضی پر خراج نہیں وصول فرمایا، اور امام ابو یوسف کے نزدیک پورا بصرہ باجماع صحابہ عشری ہے۔"

زمین کے عشری ہونے کی صورتیں

شریعت کی معین کردہ عشری زمینوں کے علاوہ دیگر عشری اراضی کی شناخت کیسے کی جائے گی؟ اس سلسلے میں کتب فقہ میں زمین کے عشری ہونے کے مختلف ضابطے اور متعدد صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ذیل میں ہم ان بکھری ہوئی صورتوں کو نقل کر رہے ہیں:

(۱) جہاں لوگ خود بخود مسلمان ہو گیے، جنگ کی نوبت ہی نہ آئی۔ (۲) مسلمانوں نے قہر و غلبہ اور زبردستی زمین فتح کر کے مجاہدین اسلام یا عام مسلمانوں پر تقسیم کر دی۔ (۳) مسلمانوں نے گھر کو باغیچہ بنایا، یا کھیت بنا لیا اور اسے عشری پانی سے یا عشری اور خراجی دونوں پانی سے سیراب کرتا ہے۔ (۴) عشری زمین کے قریب پڑتی تھی اسے کاشت میں لایا۔ (۵) ایسی پڑتی کو کھیت بنایا جو عشری، خراجی دونوں کے قرب و بعد

لہ مجمع الانہر میں ہے۔ وماء السماء ای ماء الانهار الواقعة فی ارض عشرية وماء البئر العشرة فيها والعين الواقعة فيها عشرى ...... فما كان منها فی ارض خراجية "فخراجى" اسی میں ہے۔ والحاصل ان الخراجية هو الماء الذى كان فی ايدى الكفرة ثم صار فی ايدى المسلمين سواء اقر اهله عليه اولا والعشرى ما عدا ذلك" ۱/۱۰۶

کن اراضی کا خراجی ہونا متعین ہے

عشری زمین کی طرح بعض زمینوں کا خراجی ہونا بھی شریعت نے متعین کر دیا ہے۔ اس لیے وہ زمینیں ہمیشہ خراجی ہی رہیں گی، کتب فقہ میں خراجی زمین کی تفصیل ملتی ہے:

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

"وسواد العراق وحدہ من العذیب قریۃ من قری الکوفۃ إلیٰ عقبۃ حلوان قریۃ بین بغداد وھمدان عرضاً ومن العلث قریۃ شرق دجلۃ إلیٰ عبادان حصن صغیر بشط البحر طولاً خراجیۃ۔"[1]

ہدایہ میں ہے:

"وعمر رضی اللہ عنہ حین فتح السواد وضع الخراج علیہا بمحضر من الصحابۃ ووضع علیٰ مصر حین افتتحہا عمرو بن العاص وکذا اجتمعت الصحابۃ علیٰ وضع الخراج علی الشام۔"[2]

خراج ہونے کی صورتیں

اوپر ذکر کی گئی اراضی وہ تھیں، جن کے خراجی ہونے کی فقہاء نے تصریح فرما دی ہے، لیکن شرعی نقطۂ نظر سے ان کے علاوہ کون کون سی زمینیں خراجی کہلائیں گی؟ فقہاء احناف متعدد صورتیں اور ضابطے بیان فرما کر اس کا بھرپور تجزیہ کر دیا ہے، جنہیں ذیل میں نقل کر رہے ہیں:

۱ــــ جو زمین مسلمانوں نے قہراً فتح کر کے ان کے اہل کو ان پر برقرار رکھا۔

۲ــــ مسلمانوں نے قہراً فتح کر کے دوسری جگہوں کے کافروں کو دے دیں۔

۳ــــ مسلمانوں نے صلح کے طور پر زمین فتح کی (اس سے مکہ معظمہ مستثنیٰ ہے)

۴ــــ مسلمان کے پاس عشری زمین تھی، ذمی نے خریدلی۔

---

[1] ملخصاً ۳/۲۰۸ [2] ۲/۵۹۰۔

فتح القدیر میں ہے :

"نحن نقطع ان الارض التی اقر اھلھا علیھا لوکانت تسقی بعین او بماء السماء لا تنقلب الی العشریۃ بل تصیر خراجیۃ فی قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف[1]"

بحر الرائق میں ہے :

"واما الارض الخراجیۃ فما فتحت قہرا و ترکت فی ایدی اربابھا وارض نصاری بنی تغلب والموات التی احیاھا ذمی مطلقا او مسلم وسقاھا بماء الخراج[2]"

اسی میں ہے :

"وسواء ان اشتری ذمی ارضا عشریۃ من مسلم ای یجب الخراج لان فی العشر معنی العبادۃ والکفر ینافیھا[3]"

درمختار میں ہے :

"وما فتح عنوۃ ولم یقسم بین جیشنا الا مکۃ سواء اقر اھلہ علیہ اونقل غلیہ کفار اخر او فتح صلحا خراجیہ ...... وفی موات احیاہ ذمی باذن الامام اور ضخ لہ خراجی ولو احیاہ مسلم اعتبر قربہ ...... وکل منھما ای العشریۃ والخراجیۃ ان سقی بماء الخراج اخذ منہ الخراج ...... او اشتری مسلم من ذمی ارض خراج یجب الخراج[4]"

عالمگیری میں ہے :

" لوکانت الارض لمسلم باعھا من ذمی غیر تغلبی و قبضھا فعلیہ الخراج عند ابی حنیفۃ . وان جعل مسلم دارا بستانا فلا شئ علیہ فی مائہ (فان سقاہ بماء العشر فھو عشری) وان سقاہ بماء الخراج

---

[1] ج ۵، ۲۸۰/۵ [2] ۲۵۴/۵ [3] ۵۴/۳ – ۲۷۸ ۔

عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق

عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق تو ان صورتوں اور ضابطوں سے بخوبی ظاہر ہے جو زمین کے عشری اور خراجی ہونے کے تعلق سے مذکور ہوئیں، تاہم ذیل میں مزید فرق بیان کیے جا رہے ہیں۔

ا ـــــ خراجی اور عشری دونوں قسم کی زمینیں اپنے اپنے وصف کے لحاظ سے ایک دوسرے سے قطعی مختلف اور متباین ہیں، مثلاً خراج اس زمین میں واجب ہوتا ہے جو قہر و غلبہ کے طور پر فتح کی گئی ہو جب کہ عشر اس زمین پر واجب ہوتا ہے جہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا ہو، علامہ برہان الدین اور ابن ہمام نے اجمال کے ساتھ اس اختلاف وصف کو بیان فرمایا ہے۔

ہدایہ میں ہے :

"لان الخراج یجب فی ارض فتحت عنوۃ و قہراً والعشر فی ارض اسلم اھلہا طوعاً، والوصفان لا یجتمعان"[1]

فتح القدیر میں ہے :

"ولازم الاول الکرہ ولازم الثانی الطوع وھما متنافیان"[2]

ع ـــــ عشری زمین کے لیے ابتداءً مسلمان کی ملک اور قبضہ ضروری ہے، اور زمین کے خراجی ہونے کے لیے ذمی کی ملک اور اس کا قبضہ ابتداءً ضروری ہے ورنہ خراجی زمین مسلمان کی ملک میں آنے کے بعد بھی خراجی رہ سکتی ہے، (جیسا کہ گذرا) جب کہ عشری زمین کافر کی ملک میں جانے کے بعد خراجی ہو جاتی ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے :

"فاما شرط الاھلیۃ فنوعان، احدھما الاسلام وانہ شرط ابتداء ھذا الحق فلا یبتدأ بھذا الحق الا علیٰ مسلم بلا خلاف، لانہ فیہ معنی العبادۃ والکافر لیس من اھل وجوبہا ابتداءً فلا یبتدأ بہ علیہ"[3]

---

[1] ۵/ ۲۸۹ [2] ۲/ ۵۳ ۔

عشری اور خراجی زمین کی صورتوں پر غور کرو، بلا وجہ فرق سے عشر و خراج کے مابین بنیادی فرق کی وضاحت ہو جاتی ہے، ان کے علاوہ بھی فرق نکالا جا سکتا ہے۔

نور چہارم

الجواب (۱) آزادی اور قانون تنسیخ زمینداری کے بعد اراضی کے تعلق سے جو نیا نظم مرتب ہوا، اس کی روشنی میں ہندوستان کی زمینیں اکثر عشری ہیں، اور بعض خراجی اور بعض نہ عشری نہ خراجی۔ لیکن جب تک کسی خاص زمین سے متعلق خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو جائے، یہاں کی زمینوں میں عشر ہی واجب ہوگا۔[1]

الجواب (۲): جن اراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو ان پر عشر واجب ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

"لا يجب فيما ليس بعشري ولا خراجي كالمفاوز والجبال"[2]

الجواب (۳): گورنمنٹ کو دی جانے والی مالگذاری شریعت کے حکم میں داخل نہیں۔ گورنمنٹ کی مالگذاری اور خراج شرعی میں نمایاں فرق ہے۔ خراج کا مصرف لشکر اسلام اور دیگر مسلمانوں کے مصالح ہیں اور یہاں نہ سلطنت اسلامیہ ہے، نہ لشکر اسلام، اور نہ ہی گورنمنٹ مالگذاری وصول کرکے عام مسلمانوں کے مصالح میں صرف کرتی ہے۔ تو گورنمنٹ کو دی جانے والی مالگذاری کا خراج شرعی سے کوئی تعلق نہ رہا۔

درمختار میں ہے:

"مصرف الجزية والخراج لمصالحنا كسد ثغور وبناء قنطرة وجسر وكفاية العلماء والمتعلمين وبه يدخل طلبة العلم والقضاة والعمال والكتبة سعاة وشهود ورقباء سواحل وأرزاق المقاتلة وذراريهم"

الجواب (۴): اگر ہندوستان کی بعض زمینوں کا خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے تو مسلمان مالک زمین خراج کی پہلی قسم خراج مقاسمہ ادا کرے گا یعنی پیداوار کا نصف یا ثلث یا ربع یا خمس

---

[1] اس سلسلہ میں مزید تفصیلات ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی آپ کو روانہ کرنے کی کوشش کروں گا۔

[2] شامی ۲/ [illegible]

دا کرے گا، خراج مسلمانوں پر عائد ہونے کی صورت میں یقیناً عبادت ہے، کیونکہ مسلمانوں پر خراج کا وجوب بطور عقوبت نہیں ہوتا۔ نیز اس صورت میں خراج عامۃ المسلمین کے مصالح میں صرف ہوگا جیسے تعمیر مساجد، مدارس وغیرہ۔

الجواب (۵): ــــ کھاد، دوائی وغیرہ سے نہ تو عشر کی مقدار میں کمی کی جا سکتی ہے، اور نہ ہی اصل پیداوار میں سے ان اخراجات کو منہا کرنے کے بعد عشر عائد کیا جا سکتا ہے، بلکہ کل پیداوار کا عشر دیا جائے گا۔ اگر کھیت کی سیرابی بارش یا جھرنا یا ندی کے پانی سے ہوتی ہے اور اگر زمین کی آبپاشی پر سے ٹیوب ول سے پانی نکال کر مشین سے یا پانی خرید کر کی گئی ہو تو نصف عشر واجب ہے ـــــــ شریعت طاہرہ نے عشر اور نصف عشر کا مدار صرف پانی پر رکھا ہے، کھاد یا دوا یا دیگر مصارف زراعت پر نہیں، فقہاء مطلق فرماتے ہیں

درمختار میں ہے:

"فيجب في مسقي سماء أي مطر وسيح كنهر ويجب نصفه في مسقي غرب أي دلو كبير ودالية أو دولاب بلا رفع مؤن أي كلف الزرع وبلا إخراج الزرع"[1]

حدیث میں فرمایا گیا:

"ما سقت السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر"[2]

ردالمحتار میں ہے:

"يجب العشر في الأول ونصفه في الثاني بلا رفع أجرة العمال ونفقة البقر وكري الأنهار وأجرة الحافظ ونحو ذلك"[3]

اس لیے عشر و نصف عشر پانی ہی سے متعلق ہوگا۔

الجواب (۶): ــــ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے، ان کی پیداوار پر عشر مالک اور بٹائی دار دونوں پر ہے۔

---

۱ ۲/۵۴   ۲ ۲/۵۹

اور ظاہر ہے کہ یہ زمین کی پیداوار نہیں، لہٰذا اس میں عشر بھی واجب نہیں۔

الجواب (۴) ـــــ ریشم کے کیڑوں کی پرورش و پرداخت کے لیے جو شہتوت کے درخت لگائے جاتے ہیں، ان پر عشر واجب نہیں، کیونکہ عام طور پر ان سے زمین کے منافع حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا، لیکن اگر کوئی شخص ریشم کی کاشت سے زمین کے منافع حاصل کرتا ہو، مثلاً ان درختوں کو کاٹتا اور فروخت کرتا ہو تو عشر واجب ہوگا۔ عالمگیری میں ہے:

"لا عشر في الحطب ولا احتطب والقصب والطرفاء والسعف لأن الأراضي لا تستنمى بهذه الأشياء بل تنقى عنها حتى لو استنمى بقوائم الخلاف والحشيش والقصب وغصون النخل أو فيها دلب أو صنوبر ونحوها وكان يقطعه ويبيعه يجب فيه العشر كذا في محيط السرخسي"[۱]

الجواب (۵) ـــــ درختوں میں عشر واجب نہیں، خواہ وہ باغات ہوں جن سے پھل وغیرہ حاصل کیے جاتے ہوں یا ایسے درخت جو جلانے کے کام میں لائے جاتے ہوں یا عمارت و فرنیچر وغیرہ میں استعمال کیے جاتے ہوں۔ بہر صورت عشر واجب نہیں، کیونکہ یہ زمین کے تابع ہوتے ہیں۔

عالمگیری میں ہے:

"لا عشر فيما هو تابع للأرض كالنخل والأشجار"[۲]

ان کے پھلوں پر زکوٰۃ کا حکم ہوگا۔

الجواب (۶) ـــــ سبزیوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ عالمگیری میں ہے:

"ويجب العشر عند أبي حنيفة رحمه الله في كل ما يخرجه الأرض من الحنطة والشعير والدخن والأرز وأصناف الحبوب والبقول والرياحين والأوراد والرطاب وقصب السكر والذريرة والبطيخ والقثاء والخيار والباذنجان والعصفر وأشباه ذلك مما له ثمرة باقية أو غير باقية قل أو كثر هكذا في فتاوى قاضيخان"[۳]

---

۱ ۱/۱۸۶ ۲ ۱/۱۸۶ ۳ ۱/۱۸۶

درمختار میں ہے :

"یجب العشر بلا شرط نصاب وبلا شرط بقاء"[1]

ردالمحتار میں ہے :

"فیجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعا وقیل نصفه وفی الخضر التی لا تبقی وهذا قول الامام وهو الصحیح کما فی التحفة"[2]

سبزیوں کی کاشت مکان کے گردوپیش افتادہ اراضی میں ہو یا اپنے کھیتوں پر دونوں کا حکم ایک ہے۔

الجواب: اراضی اوقاف میں بھی عشر واجب ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے :

"وملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر انما الشرط ملک الخارج فیجب فی الاراضی التی لا مالک لها وهی الاراضی الموقوفة لعموم قوله تعالی "یاایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض" وقوله عزوجل "وآتوا حقه یوم حصاده" وقول النبی صلی الله علیه وسلم "ما سقته السماء ففیه العشر" ولان العشر یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملک الارض وعدمه بمنزلة واحدة"[3]

"وکذلک الخارج من الاراضی الموقوفة علی الرباطات والمساجد یجب فیها العشر"[4]

"ویجب الخراج فی الارض الوقف الی الارض الخراجیة کما یأتی تقییده فی قوله خراجیة والحاصل ان الارض تبقی وظیفتها بعد الوقف کما کانت قبله"[5]

"ویؤخذ الخراج من ارض المرأة والصبی والاراضی الموقوفة"

(واللہ تعالیٰ اعلم)

هذا ما ظهر لی الآن لعل الله یحدث بعد ذلک امرا

۱؎ ۲/۳۵ ۲؎ ۲/۵۲ ۳؎ مبسوط ۳/۵ ۴؎ ردالمحتار ۳/۲۷۹ ۵؎ فتح القدیر ۵/۲۸۸۔

محور اوّل

عشر و خراج کی حقیقت

از ———— حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی مفتی دارالعلوم دیوبند

الجواب وباللہ التوفیق :-

محققین فقہاء نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ کل ارض اسلم اھلہا او فتحت عنوۃ و قسمت بین الغانمین فھی ارض عشر۔ اور ایسی زمین سے جو پیداوار لی جاتی ہے عشر کہلاتی ہے اور جو چیز بغیر قتال وغزوہ لیا جاتا ہے وہ فئی کہلاتی ہے۔ چونکہ فتح مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق بغیر غزوہ و قہر کے خود بخود اسلام میں داخل ہوتے گئے اس لیے پورے عرب کے لوگ یعنی بقدر ما بین عذیب سے اقصائے حجر یمن مہرۃ الی حد شام کے درمیان کے لوگ مسلمان کہلائے اور ان پر ادائے گی عشر متوجہ ہوگئی اس لیے کہ عشر میں ایک شان عبادت کی بھی ہے اور اس کے مخاطب مسلمان ہی ہوتے ہیں اور اسی حد کے لوگ اسی کے مصداق رہے۔

اور اس کے علاوہ جو ملک صلح سے فتح ہوتے یا جنگ سے حاصل ہوتے مگر وہاں کے لوگوں کی زمینوں پر امام المسلمین نے قبضہ نہیں کیا بلکہ ان کی دشمنوں سے ہر قسم کی حفاظت کے عوض اور ان کی دوسری ذمہ داریوں کے عوض چھوڑے گئے (جس کو خراج جزیہ سے تعبیر کیا گیا ہے) انہی کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی وہ زمین خراجی کہلاتی ہے۔

یہ ضابطہ فقہیہ[1] ہدایہ مع الفتح والعنایہ وغیرہ کے تمام ہی کتب فقہ میں باب العشر والخراج میں درج

---

[1] ہدایہ۔

ہے اور اسی ضابطہ میں ہند و پاک دونوں ملکوں کی زمینوں کا حکم شرعی دائر ہے۔ اور یہی طریقہ عہد صحابہ و تابعین میں رائج و شائع تھا۔ اسی ضابطہ کے مطابق محمد ابن قاسم نے مالابار و کیرالا وغیرہ کے حواشی سمندر پر جو جہاد کیا اور جب اس میں جن زمینوں پر قبضہ کرکے غانمین میں تقسیم کر دیا وہ عشری کہلائیں اور باقی خراجی کہلائیں۔ اور ہندوستان کی باقی زمینوں کی پیداوار کا حکم شرعی محور دوم (اراضی ہند کے تاریخی جائزہ) میں آ جائے گا۔

محور دوم ـــــ اراضیٔ ہند کا تاریخی جائزہ

ہم محور اول کے بیان میں ذکر کر آئے ہیں کہ محمد ابن قاسم نے مالابار و کیرالا کے حواشی سمندر پر جو جہاد کیا اور اس میں جن زمینوں پر قبضہ کرکے غانمین میں تقسیم کر دیا وہ بلاشبہ عشری قرار پائیں اور باقی زمین خراجی کہلائیں۔

پھر محمد ابن قاسم کے بعد سے محمود غزنوی کے حملہ تک کوئی قطعی علم نہیں ملتا۔ پھر محمود غزنوی بلکہ شہاب الدین غوری کے حملوں کے دور میں یہ ملتا ہے کہ یہ لوگ فتح کرنے کے بعد اراضی مفتوحہ پر قبضہ کرکے اپنی ملکیت قرار دے کر مجاہدین پر تقسیم نہیں کرتے تھے، بلکہ اسی مفتوح راجہ پر کچھ خراج مقرر کرکے اراضی مفتوحہ بلکہ کل مفتوحہ علاقہ اسی راجہ کے حوالہ کرکے اپنے ملک چلے جاتے تھے، اور جب خراج مقررہ کی عدم ادائیگی دیکھتے تو پھر اگر حملہ آور ہوتے اور بعد فتح یوں ہی معاملہ کرکے واپس جاتے۔

پھر مسلم حکمراں جب سے فاتح ہونے کی حیثیت سے ہندوستان میں آکر باشندہ ہوا۔ اس وقت سے ہندوستان کی تاریخ میں اکثر ایسا ہی ملتا ہے، کہ جو علاقہ فتح کیا، فتح کر لینے کے بعد اس مفتوحہ علاقہ کو غانمین میں تقسیم کرکے اس پر عشر لاگو نہیں کیا، اور ان پر جبر و اکراہ کرکے مسلمان نہیں بنایا۔ بلکہ لا اکراہ فی الدین کے حکم کے مطابق اس مفتوح قوم کو اس کے دین پر چھوڑ کر ان سے خراج لینے کا معاملہ کرکے مفتوحہ علاقہ ان ہی کے حوالہ کر دیا، اور ہمیشہ ان کے ساتھ نرمی و مراعات و مدارات کا معاملہ کرتے رہے، یہی طریقہ تقریباً ہر حکمراں اور فاتح کا حضرت عالمگیر تک ملتا ہے۔ خواہ وہ حکمراں غلام خاندان کا رہا ہو یا خلجی، لودھی، سوری وغیرہ خاندان کا رہا ہو، یا مغل خاندان کا رہا ہو، کوئی واضح اور یقینی مثال کسی خطہ میں سوائے مالابار و کیرالا کے ایسی نہیں ملتی جس سے اس خطہ کو عشری کا خطہ قرار دیا جائے سوائے شیر شاہ سوری کے۔

دورِ حکومت سے کیونکہ اس کے دورِ حکومت میں صوبہ بہار کے بعض حصوں میں کچھ عشری زمینوں کا وجود ملتا ہے۔ اور یہ انگریزی دورِ حکومت میں بھی باقی رہا۔

لیکن ان حضرات کا آیت کریمہ "لا اکراہ فی الدین" کے مطابق مروت و مراعات اور مفتوحہ قوم کی دلجوئی و عزت وغیرہ کے ساتھ ساتھ عہد و شرائط میں رہتے ہوئے وہ طریقہ جو اسلاف نے آیت کریمہ "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لہم" الآیہ کے پیش نظر اپنایا تھا، اختیار نہیں کیا، ورنہ یورپ یا افریقہ کی طرح افغانستان کا بچہ بچہ عربی جاننے والا ہو سکتا تھا۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ اس لیے کہ آیت مذکورہ اپنے عموم و اطلاق کے ساتھ اب بھی موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گی۔ اور پکار پکار کر دعوت دے رہی ہے کہ اس پر عمل بشرائطہا و قیودہا کے ساتھ تمام مسائل پر مقدم ہے۔ "فہل من رجل رشید یدرک معانی ھذا الامر الحنیف والمحبوب عند اللہ العزیز"

بہرحال انگریزوں کے جانے کے بعد جب زمینداریاں ختم ہو گئیں اور زمینداریاں ٹوٹ گئیں اور تمام بنجر اراضیات کاشت پر حکومت کا استیلاء ہو گیا تو تمام عشری زمینوں کی عشریت بھی ٹوٹ گئی اور ختم ہو گئی کیونکہ عشری زمین کے باقی رہنے کے لیے شرط ہے کہ وہ زمین کسی غیر مسلم کے ملکیت میں نہ جائے کما صرح بہ فی الجوہرۃ فلیطلب منہا۔

چنانچہ جب استیلاء حکومت متحقق ہو گیا تو تمام اراضیات کاشت حکومت کی ملک میں ہو گئیں لہٰذا جو زمین عشری رہی ہوں ان کی عشریت بھی ختم ہو گئی بلکہ تمام اراضیات کاشت کے حکومت میں جانے کے بعد ان کی حیثیت اراضیات مملوکہ سلطانیہ کی ہو گئی اور اراضیات مملوکہ سلطانیہ کے تعطل سے رہ جانے کی وجہ سے عشر و خراج سب ختم ہو گیا محض اجارہ باقی رہ گیا جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

"فھذا دلیل العلیل علی عدم لزوم الوظیفتین العشر والخراج فی اراضی المملکۃ وانما کان المأخوذ منہا اجرۃ لا غیر"

اور میں نے آگے جو کلام "الدر المنتقی" سے نقل کیا ہے وہ عشری زمین ثابت ہونے کی صورت کا ہے اور یہاں غیر مسلم کی ملکیت میں چلے جانے کی وجہ سے عشریت ساقط ہو چکنے کے بعد کا ہے۔۔ کما اشرنا فتدبر۔

بعض حضرات حکومت کے اس استیلاء کو استیلاء مالکانہ نہیں فرماتے بلکہ استیلائے

منقولاً فرماتے ہیں پس ان کے فرمانے کے مطابق ایسی زمین جو نالہ یا نہر پر کی ہو کہ پاس سے ہمیشہ سے عشری بھی رہی ہو اور استیلاء میں بھی ان ہی کے پاس اور ملک میں باقی رہ گئی ہوں، ان کا عشر نکالا ان پر ضروری ہوگا

البتہ یہ بات باقی رہ گئی کہ اخراجات کاشت وضع کرنے کے بعد جو پیداوار بچے صرف ان کا دسواں یا بیسواں حصہ عشر میں نکالا جائے تو متن درمختار کے قول "بلا دفع مؤن العمال" سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ بعد وضع اخراجات کل پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ عشر میں نکالا جائے۔

لیکن متاخرین فقہاء میں محققین اس طرف گئے ہیں کہ اخراجات وضع کرنے کے بعد جو بچ رہے اس کا عشر یا نصف عشر نکالا جائے جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

"قال الصيرفي ويظهر انها اذا اكلت جزء من الطعام ان تحبس لها ذلك

ويجب للعشر في الباقي لانه لا يتعذر ان يتوق ذالك بنفسه فهو مضطر

الى اخراجه"[1]

اور ان کا یہ اطلاق اگرچہ کچھ اور ہو مگر صیرفی کا قول بحسب الفقہ اور وقت کے لحاظ سے زمان اور واقعہ کے مطابق بھی ہے، اس لیے کہ کاشت کرنے میں بہت سی پیداوار ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے تیار ہونے اور پکنے کا وقت آنے سے قبل ہی کاٹ کاٹ کر جانوروں کو کھلانا شروع کر دیتے ہیں جیسے باجرا، برسین اور دوسری چری وغیرہ اور بعض پیداوار ایسی ہوتی ہے کہ تیار ہونے اور پکنے کا وقت آنے سے قبل کاشتکار اس کا تھوڑا تھوڑا حصہ خود کھانا شروع کر دیتا ہے، جیسے مٹر، چنے، دال، مسور، مونگ، پھلی وغیرہ کے دانوں کو فوراً استعمال کرتے ہیں، اور اس کا ڈنٹھل جانوروں کو کھلا دیتے ہیں، اور اس استعمال کا جواز خود اس آیت کریمہ سے بھی ملتا ہے:

"كلوا من ثمره اذا اثمر وآتوا حقه يوم حصاده ولا تسرفوا"

معلوم ہوا کہ بعض پیداوار مثلاً پھل کے بارے میں نص ہے کہ جب اگر کھانے کے قابل ہو جائے تو اس کا کچا پکا پھل قبل از ادائیگی عشر کے بھی کھا سکتے ہیں، اور نص کا اشارہ اس طرف ہو گیا کہ جو پھل کھایا اس کا شمار عشر یا نصف عشر لگانے میں نہ ہوگا، پس اس آیت کریمہ کا اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ عشر لگانے

---

[1] شامی نعمانی ۲/۵۰

شرعی تھا۔ مگر جب حالات بدل گئے پادریوں کے وقفات رونما ہوئے تو متاخرین فقہاء نے نماز کے
اوقات کے علاوہ مساجد کے دروازے بند کرنے کا حکم دے دیا۔

۵ ۔ ۔ شرعی حکومت کے زمانہ میں یہ فتویٰ تھا کہ اگر کوئی عاقل بالغ لڑکی بغیر اجازت ولی نکاح کرے تو نکاح منعقد
ہی نہ ہوگا، اور اس کا کھلا مفہوم ہے کہ جب نکاح منعقد و صحیح ہی نہ ہوگا تو حرامکاری کا دروازہ کھلے گا
مگر حکومت شرعیہ میں فتویٰ کا نفاذ بن جاتا تھا اور حکومت خود ایسے نکاح کو ناجائز قرار دیتی ہے اس لیے
یہ فتویٰ صحیح تھا۔ مگر جب شرعی حکومت ختم ہو گئی اور کوئی اس قسم کے نکاح کو ختم کرنے والا نہیں رہا تو ظاہر ہے کہ
ہمیشہ حرامکاری کا دروازہ کھلا رہے گا۔ اور مسلسل حرامکاری ہوتی رہے گی۔ اس لیے اب یہ فتویٰ زمانہ
کے بدل جانے سے ختم ہو گیا اور ظاہر روایت کے مطابق فتویٰ ہو گیا کہ یہ نکاح صحیح و منعقد قرار دیا جانے
لگا۔ اب اگر کسی ولی کو عذر ہو تو خود اعتراض کر کے تفریق کرا لے۔ اسی طرح کی اور بہت سی مثالیں
ہیں، جو اس قاعدہ شرعیہ "لا ینکر تغیر الاحکام بتغیر الزمان" کی مثالیں ہیں، اور اسی ضابطہ
کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ علامہ متقدمین اگر ان تغیرات کو جو کاشتکاری میں پیدا ہو گئے
ہیں دیکھتے تو خود متقدمین بھی وہی فتویٰ دیتے جو متاخرین دیتے ہیں۔ مثالیں تو تغیر زمان سے تغیر
احکام کی بہت ہیں۔ مگر بخوف طوالت یہاں نقل نہیں کی گئیں۔

بعض حضرات یہ اشکال کرتے ہیں کہ اگر کل پیداوار پر عشر یا نصف عشر کے حکم کو دائر کیا جائے
تو عشر و نصف کا فرق ہی ختم ہو جائے گا۔ اور صرف عشر ہی باقی رہے گا۔ حالانکہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے،
اس لیے کہ جس طرح کل پیداوار میں "ما سقته السماء" کی وجہ سے عشر واجب قرار پایا ہے۔

اور رہٹ و ڈالیہ وغیرہ کے ذریعہ خرچہ کر کے سیراب کرنے پر نصف عشر قرار پایا ہے، تو اسی طرح
کل پیداوار کم آمد و خرچہ معلوم کر کے اگر سیرابی قدرتی آسمانی پانی سے ہو تو عشر واجب کیا جائے اور جب رہٹ
و ڈالیہ وغیرہ سے سیرابی ہو تو نصف عشر واجب ہو۔ لہٰذا ارشاد رسالت کا مدلول ہر حال میں محفوظ رہے گا
اور عشر اور نصف عشر میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ البتہ کل پیداوار کی مقدار معلوم کرنا فی زمانہ متعذر ہے جیسا کہ
آگے چل کر واضح کیا گیا ہے۔ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہونے کے سبب سے رد بھی ہو جائے گا۔

بعض حضرات عشر کو خراج و دیگر محاصل پر قیاس کرتے ہیں، یہ قیاس غیر صحیح اور قیاس مع الفارق
ہے، اس لیے کہ عشر عبادت کے قبیل سے ہے، اور خراج و دیگر محاصل معاملات کے قبیل کی چیز ہے اور

عبادات کو معاملات پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہوتا۔ ہاں اگر نظام عشر کو عبادت مالیہ ہونے کی وجہ سے کچھ مشابہت زکوٰۃ سے ہے تو حکم زکوٰۃ سے بحث ہو سکتی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے حکم عشر کی تفریق میں کلام ہے اور ایک نظیر مزید ہی کے لئے بحث ہو سکتی ہے اور زکوٰۃ میں نظام ہے کہ کل اخراجات وضع کرنے کے بعد جب سال بھر مقدار نصاب کا تسلسل اس کی طرح باقی رہ جائے، صرف اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالا جائے گا۔ اس سے مزید مسئلہ عشر میں تائید حاصل کی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ میں اسے مفصل طور پر لکھ آیا ہوں اور بخوف طوالت اسی مقدار پر کلام ختم کیا جا سکتا ہے، اور امید ہے کہ آپ جوابات باعث تسلی ہو جائیں گے۔ فقط۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب وباللہ التوفیق:

اس مراسلہ (سیمینار) میں تین عنوان مذکور ہیں (۱) ہندوستان کے زمینوں کی شرعی حیثیت (۲) اسلامی مالیاتی ادارہ کا خاکہ (۳) کمپنی شیئر کی شرعی حیثیت۔

سوال ۱: ـــــ ہندوستان کے زمینوں کی شرعی حیثیت ـــــ یہ زمینیں کس طرح کی ہوتی ہیں؟

(الف) ـــــ پہاڑی علاقوں کی زمینیں، وہاں کی پیداوار کا شرعی حکم۔

(ب) ـــــ نو دریافت جنگلات، ان کی زمینوں کا اور وہاں کی پیداواروں کا شرعی حکم۔

(ج) ـــــ میدانی علاقوں کی زمینوں اور ان کی آمدنی و پیداوار کا شرعی حکم۔

(د) ـــــ میدانی علاقوں میں بستی کے علاقوں میں مکانوں (آبادی) کی زمینوں کا اور ان کی آمدنی و پیداوار کا شرعی حکم۔

(ہ) ـــــ باغات کی زمینوں کا اور ان کی آمدنی و پیداوار کا شرعی حکم۔

(و) ـــــ موات زمین کا اور اس کی پیداوار کا شرعی حکم۔

(ز) ـــــ کاشت کی زمین کا اور اس کی پیداوار کا شرعی حکم۔

ان ساتوں قسموں کا اور ان میں ہر ایک کی پیداوار و آمدنی کا شرعی حکم الگ الگ بیان کرنا اور ان کی شرعی حیثیت بتانا بہت تفصیل طلب ہے۔ سب کا تفصیلی حکم لکھنے کے لیے کئی ضخیم جلدیں درکار ہوں گی۔ اس لیے اس وقت ان ساتوں کو الگ الگ نہ لکھ کر اب اس عنوان (نمبر ۱) کی شرعی حیثیت مختصراً لکھتا ہے۔ اس عنوان کی کچھ تفصیل پہلے سیمینار (ہندوستان کی اراضیات کا تاریخی جائزہ) میں گذر چکی ہے۔ اس تفصیل کو پیش نظر

۳ــــ اراضی موات

اراضی موات سے مراد اُوسر، بنجر، مفازہ و میدان کی پڑتی زمین مراد ہے، جو اب تک آباد نہ ہوئی تھی اس کا کوئی حصہ جو کوئی آباد کر لیتا تو وہ اس کا مالک ہو جاتا تھا پھر اس کا آباد کرنے والا اگر مسلمان ہوتا تو وہ زمین عشری ہو جاتی تھی۔ اور اگر اس کو آباد کرنے والا غیر مسلم ہوتا تو وہ زمین خراجی قرار پاجاتی تھی اور ان پر عشر و خراج کے سارے احکام اسی تفصیل و شرائط سے جاری ہو جاتے تھے جو عشری و خراجی زمینوں کے بیان میں گذر چکی ہے، حتی کہ ان کے فوت ہونے پر کتاب و سنت کے مطابق وراثت شرعی جاری ہوتی تھی، البتہ یہ عشری زمین اگر کسی غیر مسلم کی ملک میں چلی جاتی تھی تو وہ دیگر عشری کی طرح عشری باقی نہ رہتی تھی بلکہ خراجی بن جاتی تھی۔ والتفصیل مامر بیانہ۔

اور ان اراضیات موات کے کسی حصہ کو حکومت خواہ آباد کر لیتی تھی تو وہ اراضیات بیت المال کی شمار ہوجاتی تھیں اراضیات بیت المال کے احکام عنقریب آجائیں گے۔

۴ــــ اراضیات معافی

معافی کی زمینوں سے مراد وہ زمینیں تھیں جن کو امام المسلمین خود کسی شخص کو خواہ مسلم کو یا غیر مسلم کو بالکل مفت دیدیا ہو اور اس پر عشر یا خراج کچھ عائد نہ کیا ہو تو اس کا مالک وہ شخص ہو جاتا تھا اور ہمیشہ مالک شمار ہوتا تھا، اور مرنے کے بعد حسب ضابطہ اس میں وراثت جاری ہوتی تھی۔ البتہ اس کو فروخت نہیں کر سکتا اگر فروخت کر دیتا تو اس کا معافی ہونا ختم ہو جاتا تھا۔

یہ چاروں قسمیں عموماً قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں ملتی تھیں اور انگریزی حکومت کے دور اقتدار میں بھی یہ چاروں قسمیں علی حالہا موجود تھیں اور ان کی زمینوں کو حکومت نے اپنی ملکیت قرار نہیں دیا تھا، بلکہ کاشتکاروں کی ملک و قبضہ میں باقی رکھا تھا، البتہ عشر و خراج کے بجائے مالگذاری کی رقم ان پر لاگو کر دیا تھا جس سے خراجیت جو دنیاوی معاملہ تھا ختم ہو گیا تھا، باقی عشر یوں کہ دینی عبادت کی چیز تھا، وہ مسلم کاشتکاروں پر باقی رہ گیا تھا، اور عشری زمین کا عشر یا نصف عشر حسب ضابطہ شرع ادا کیا کرتے تھے۔ اور اراضیات معافی کو علی حالہ باقی رکھتے ہوئے اس پر کوئی مال گذاری کی رقم کی ادائے گی لاگو نہیں کی تھی، بلکہ بالکل مفت رکھا

چنانچہ انقرے کے خاندان میں شاہی خاندان سے ایک خطہ اراضی معافی چلی آرہی تھی، احکام میراث کے اعتبار سے تقسیم ہوتے ہوئے بہت تھوڑی سی رہ گئی تھی، مگر وہ بھی بالکل مفت تھی کوئی مال گذاری وغیرہ اس پر لاگو نہیں تھی۔ البتہ انگریزوں نے شرعی بیت المال ختم کر کے اس کی اراضی پر نیز اراضیات محوزہ سلطانیہ پر اپنا تسلط اور اپنی ملکیت قرار دے لی تھی، اسیطرح اراضیات موات میں جو احیاء موات (آباد کرنے سے) باقی رہ گئی تھیں، یعنی اوسر، بنجر، مفازہ وکی پرتی زمین اور خود رو جنگلات اور ان کی زمینوں پر استیلاء کر کے اپنی ملکیت قرار دے لیا تھا، حالاں کہ حدیث پاک میں تصریح یہ ہے کہ تین چیزیں (آگ، پانی، خود رو پودے اور درخت) یہ کسی انسان کی ملک نہیں ہوتیں، (بلکہ صرف اللہ کی ملک ہیں) اور ہر شخص جو اس کو حاصل کرے خواہ اس کے لیے انکا استعمال مباح ہو جاتا ہے۔ غرض انگریزوں کا یہ استیلاء ان چیزوں پر غاصبانہ تھا، مگر چونکہ اس سے اراضیاتِ کاشت (عشری وخراجی) پر کوئی غلط اثر نہیں پڑتا تھا، اس لیے شاید کسی نے اس پر اس وقت تعرض ہی نہیں کیا اور خاتمہ زمینداری قانون بن جانے کے بعد جب حکومت نے اراضیاتِ کاشت پر قبضہ کر کے اس کو زمینداروں اور اصلی مالکوں کے قبضہ دخل سے نکال کر پھر اپنے قانون کے مطابق مالگذاری دس گونہ وبیس گونہ وغیرہ دے کر کسی کو بھوی دھر یا سیر وغیرہ بنا دیا تو اس طرح کے اراضی کاشت پر تصرف کرنے سے حکومت کے استیلائے مالکانہ کا تحقق ہو گیا، اور شیلنگ کا قانون جاری ہو جانے کے بعد یہ استیلاء مالکانہ اور واضح و نمایا ہو گیا۔ پھر جو بھومیدھروں اور سیر دھروں کے حق میں یہ معاملہ ان کے نام کا نہیں ہوتا بلکہ ایک قسم کا اجارہ اور ٹھیکہ ہوتا ہے اور ملکی قانون کے ماتحت ہوتا ہے رہ گیا یہ شبہ اجارہ یا ٹھیکہ میں مدتِ اجارہ و مدتِ عمل متعین و معلوم ہوتی ہے ورنہ یہ معاملہ فاسد ہو جاتا ہے، تو جواب یہ ہے کہ یہ حکم شرعی ہوتا ہے اور یہ دینے والے اس کے مخاطب ہی نہیں، لہذا یہ شبہ متوجہ ہی نہ ہوگا۔ کما لا یخفیٰ۔

اور پھر ان اراضیوں کی بیع وشراء یا ہبہ وغیرہ تصرفات کی یہ اجازت بھی تصرف مالکانہ نہیں ہوتی بلکہ ایک قسم کی مراعات ہوتی ہے اور قانون اجازت کا محتاج ہوتی ہے اس کے حکومت کی اجازت سے مشروط ہوتی ہے اس لئے اس کو عطیہ قانون بھی نہیں کہہ سکتے بلکہ صرف مراعات کا درجہ ہوتا ہے اور اسی لئے شرعی وراثت کے اجراء کو بھی کلی اختیار جو مالکانہ تصرف کی ایک قسم ہے نہیں ہوتا۔

انہی وجوہ سے بعض حضرات نے اس استیلاء کو استیلائے مالکانہ کے بجائے استیلاء منتظمانہ فرمایا ہے۔ وہ واقعات پر منطبق نہیں ہوتا اور نہ سمجھ میں آتا ہے اور نہ اس پر حکم مالکانہ انداز کا جاری ہو سکتا ہے۔

قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں پائی جانے والی زمینوں کی پانچویں قسم :

۵ ــــ اراضیاتِ بیت المال

اراضیاتِ بیت المال کی شرعی حیثیت پر کچھ کلام گذر چکا ہے ابتداءً تمہیدِ اراضی کے جدول سے سب کا حال و حکم بھی سب دیگر اراضیات کی طرح ہو گیا ہے۔ اب صرف بیت المال کے شرعی معنیٰ اور اس کے مصارف بیان کر کے مضمون ختم کر دیا جائے گا۔

بیت المال شرعی کا معنیٰ ہے شرعی خزانہ جو امام المسلمین کی نگرانی و حفاظت میں قائم کیا جائے مگر امام المسلمین اس کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ اس کا منتظم و محافظ شمار ہوتا ہے، چنانچہ امام المسلمین بھی اپنی ذاتی اخراجات کے لیے اوسط درجہ کا وظیفہ لے سکتا ہے اور بس اور اس بات کا نگران ہوتا ہے کہ اس کی آمدنی کسی غیر مصرف میں صرف نہ ہو جائے اور بیت المال کے مصارف کتبِ مذہب میں مفصل و مدلل طور پر مذکور ہیں اس کے مطابق عمل کرنا لازم رہتا ہے، اور اس کی حقیقت منتقل ہوتی ہے امام المسلمین کی کوئی چیز بیت المال میں دے دینے سے اسی طرح کسی دوسرے شخص کی کوئی چیز بیت المال میں دے دینے سے اور کسی کی کوئی زمین یا چیز بالکل لاوارث ہو جائے اس کا کوئی وارث نہ رہے تو بھی بیت المال میں داخل ہو جاتی ہے اسی طرح عشر و خراج کی آمدنی اور اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ یہ سب بیت المال میں داخل ہوتی ہے اور بیت المال کے جملہ مصارف شرعیہ مستحقین میں ان کی ان کا صرف کرنا لازم رہتا ہے اور ان تمام امور کی درستگی و حفاظت سب امام المسلمین کے ذمہ واجب ہوتی ہے جیسا کہ اوقاف اور اوقاف کی آمدنی و مصارف کی درستگی اور اس کی نگرانی امام المسلمین کے ذمہ واجب ہوتی ہے۔ مگر امام المسلمین اوقاف کا مالک نہیں ہوتا نہ تو اپنے ذاتی مصرف میں لا سکتا ہے اور نہ تو کسی دوسرے شخص کو منشاء واقف کے خلاف دے سکتا ہے، چنانچہ بیت المال شرعی کے احکام کی تفصیل کا موقع تو نہیں ہے صرف اس کے بعض مصارف کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے مثلاً سدِّ ثغور کے اخراجات اسلحہ و ذخائر کے اخراجات اور عاملین وغیرہم کے وظائف۔ علماء و صلحاء۔ خادمانِ دین کے وظائف، فقراء و مساکین کے وظائف وغیرہ وغیرہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

البتہ وجوہ وجوب عشر کے مقررہ کے باوجود ادائے گی عشر سے روکا نہیں جائے گا بلکہ ترغیب دی جائے گی، کیوں کہ یہ ادائے گی باعث خیر و برکت ہوگی بلکہ کہا جائے گا کہ صرف عشر میں مقید کر کے نہ دے بلکہ ہر نیک کام میں زیادہ سے زیادہ دے تاکہ خیر و برکت حاصل ہو۔

دوسرا مسئلہ عشر یا نصف عشر کی ادائے گی کا ہے، کہ اس کو اخراجات کاشت وضع کرنے کے بعد صرف باقی کا عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا۔ یا اخراجات کاشت بغیر وضع کیے ہوئے کل پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ دیا جائے جب کہ علمائے متقدمین عام طور سے اخراجات کاشت وضع کیے بغیر کل پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ ادا کرنے کے قائل ہیں، مگر علمائے متاخرین میں سے بعض محققین اشارۃ النصوص کی مدد سے فرماتے ہیں۔ کہ اخراجاتِ کاشت وضع کر کے نفع کا دسواں یا بیسواں حصہ ادا کیا جائے مثلاً آیت کریمہ "واتوا حقہ یوم حصادہٖ" میں بھی یہ اشارہ موجود ہے کیوں کہ حق سے مراد نفع ہے اور نفع کہتے ہیں اس مقدار کو جو اخراجات وضع کرنے کے بعد بچے اور اس آیت کریمہ سے وضع اخراجات کے بعد جو بچے اس کا دسواں یا بیسواں حصہ دینے کا حکم نکلا۔ اسی طرح حدیث پاک میں ہے کہ جب آسمانی پانی سے سیرابی ہو جائے تو دسواں حصہ اور جب خود پانی دے کر سیرابی کرتا ہو تو صرف بیسواں حصہ۔ اور اس میں کھلا اشارہ ہے کہ اس طرح سیراب کرنے میں اخراجات پڑیں گے اس لیے صرف بیسویں حصہ کا مطالبہ ہے اس مضمون و مفہوم کی اور بھی روایات ہیں ان سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ متقدمین نے کیوں اس کا لحاظ نہیں کیا تو وجہ یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں زمین کی قوتِ انبات بہت قوی اور کثیر ہوتی تھی، اور یہ سب کاوشیں جو آج کل ہیں۔ نہیں کرنی پڑتی تھیں، اسی لیے اخراجات کاشت کا حساب کرنے اور وضع کرنے کی جانب التفات ہی نہیں ہوتا تھا، اور اب زمین کی قوتِ انبات بہت کمزور اور قلیل ہو گئی اور کاوش بہت کرنی پڑتی ہے اور اخراجات معلوم کرنے کی جانب ذہن از خود جاتا ہے، زمانہ بدل گیا اور فقہی ضابطہ تسلیم شدہ ہے: "لا ینکر تغیر الاحکام بتغیر الازمان"[1] اور اس کے شواہد بے شمار منقول ہیں کما لا یخفی: بلکہ فی زمانہ اتنی کاوش اور خرچ کرنا پڑتا ہے کہ بعض مرتبہ نفع تو کیا خرچ بھی نہیں نکلتا، پس ایسی صورت میں کل پیداوار کا دسواں یا بیسواں نکالنے کا حکم دیں تو "عود علی موضوعہ بالنقض والابطال" لازم آئے گا جو صحیح

---

[1] قواعد الفقہ / ۱۳

آسکتا ہے۔ اس لیے یہی بات باتفاق بھی نکلی کہ اخراجاتِ کاشت وضع کرنے کے بعد دسواں یا بیسواں حصہ نکالا جائے۔ پھر اگر کوئی شخص یہ شبہ کرے کہ جب یہ بات ہے تو "وآتوا حقہ یوم حصادہ۔ الآیۃ" کی قید کا کیا فائدہ ہوگا۔ تو فائدہ یہ ہے کہ اخراجاتِ کاشت کا حکم "یوم حصادہ" تک آکے ختم ہو جاتا ہے اور اس حکم میں اموالِ تجارت کی طرح کوئی تعیینِ نصاب نہیں اور نہ حولانِ حول کی شرط ہے اس کا منشا یہی ہے کہ جلد جلد "یوم حصادہ" میں بعد وضعِ اخراجات عشر یا نصفِ عشر کا جو حکم ہے اس کو ادا کرکے سبکدوشی حاصل کرلیا جائے۔

واللہ اعلم۔

لہ کما صرح بہ فی قواعد الفقہ / ۱۰ ناشر [illegible] کراچی۔

محور اول

از ـــــ مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی خادم مدرسہ مفتاح العلوم بھیونڈی بمبئی

عشر کا ثبوت قرآن و حدیث اور اجماع امت اور معقول و قیاس تمام ادلہ سے ہوتا ہے

عشر کا ثبوت قرآن سے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وآتوا حقه يوم حصاده"، اس آیت کریمہ میں جو لفظ "حق" مذکور ہے، تمام اصحاب تاویل نے اس سے مراد عشر اور نصف عشر لیا ہے، ایسا ہی باری تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:

"یا ایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض"

اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلالت موجود ہے کہ زمین کی پیداوار میں فقراء کے لیے بھی حق ہے جیسا کہ خرچ کی ادائیگی کی طرف مشیر ہے، جس سے معلوم ہوا کہ کھیتی کی خرج میں اغنیاء اور فقراء دونوں کے حق ہیں، پھر حق کی مقدار کیا ہے، سنت نبوی سے حق کی مقدار معلوم ہوتی ہے۔

عشر کا ثبوت سنت سے

پیغمبر ﷺ نے فرمایا: "ما سقت السماء ففيه العشر وما سقی

بغروب او دالیۃ ففیہ نصف العشر :

"کہ جن چیزوں کو آسمان سیراب کرے اس میں نصف عشر ہے اور جس کو ڈول وغیرہ سے سینچا جائے اس میں نصف عشر ہے":

عشر کا ثبوت اجماعِ امت سے

تمام علمائے امت نے عشر کے وجوب پر اجماع کر لیا ہے۔

عشر کا ثبوت قیاس سے

عشر فقیروں کو دینا شکر نعمت کے باب سے ہے اور فرائض کے ادا کرنے میں تقویت بخشی ہے اور عشر کے ادا کرنے کی وجہ سے دلوں کی صفائی ہوتی ہے اور یہ چیزیں عقلاً و شرعاً مطلوب ہے؛

عشر کے واجب ہونے کا سبب

ارض نامی کا ہونا ہے، خارج کی وجہ سے حقیقت کے اعتبار کرنے کی وجہ سے، لہذا عدم خروج کی وجہ سے عشر لازم نہ ہوگا، برخلاف خراج کے اس میں دونوں یعنی خارج حقیقی اور خارج تقدیری دونوں کا اعتبار ہوتا ہے۔ بایں وجہ اگر زمین کی زراعت پر قدرت کے باوجود زراعت نہیں کیا تو اس پر خراج لازم ہوگا۔

عشر کی تین قسم

اول قسم جائز ہے بلاخلاف، دوم ناجائز ہے بالاتفاق، سوئم جس میں اختلاف ہے، اول قسم کی تفصیل یہ ہے کہ زراعت اور کاشت کے بعد اسی طرح اگنے کے بعد عشر کے ادا کرنے میں جلدی کرے، کیونکہ سبب کا وقوع حقیقت کے اعتبار سے ہو چکا ہے اور دوسری صورت جو ناجائز ہے بالاتفاق وہ یہ ہے کہ وقت سے قبل عشر ادا کرنے میں جلدی کر ڈالے، مثلاً زراعت سے قبل ہی ادا کر ڈالے؛ تیسری صورت جس میں اختلاف ہے، یہ کہ عشر ادا کرنے میں جلدی کرے زراعت کے بعد نبات سے پہلے؛

تو یہ صورت حضرت امام ابو یوسف کے یہاں جائز ہے اور حضرت امام محمد کے یہاں ناجائز ہے۔ اسی طرح خراج اور جزیہ میں تعجیل جائز ہے۔[1]

عشر کے شرائط

وجوب عشر کے کچھ شرائط تو اہلیت سے متعلق ہیں اور کچھ ملکیت سے متعلق ہیں، پھر اہلیت کے چند شرائط ہیں:

۱۔ اسلام کے ساتھ متصف ہو، کافر نہ ہو، کیوں کہ عشر کے عبادت کے معنی ہیں، بایں وجہ عشر کے شرائط میں یہ بھی ہے کہ عشر کی ابتداء مسلمانوں سے کی جائے، جب یہ بات ہے تو کافر پر عشر کا حکم عائد نہ ہوگا۔ کیوں کہ کافر کا عبادت سے کیا رشتہ، جس طرح کے کافر پر زکوٰۃ نہیں ہے، بایں وجہ ابتداءً کفار پر عشر کا وجوب نہیں ہو سکتا، اور جب عشر کا وجوب اس پر متعذر ہو گیا، اب کفار اور یہود و نصاریٰ کا دارالاسلام میں رہ کر اپنی اراضی سے پیدا ہونے والے غلے سے فائدہ اٹھانا امر مشکل ہو گیا، تو خراج کا تعین ثابت ہو گیا باقی ابتداء کی قید تو یہ اس لیے کہ جس اراضی کی ملکیت جس کے قبضے میں ہے، اسی سے متعلق فیصلہ کیا جائے گا مسلمان چونکہ اہل عبادات میں سے ہیں، اس لیے عبادت سے اس کی ابتداء کی گئی، اس کے برخلاف خراج عبادت نہیں ہے، اس لیے کفار کے لیے ابتداء ثابت کیا گیا۔

اور اس کے بعد اصول یہ ہے کہ جس اراضی پر عشر کا عمل درآمد ہو چکا ہے اس پر عشر ہی ہوگا، جس طرح کے خراج میں تبدیلی نہیں ہوتی، یعنی جس زمین اراضی میں خراج کا عمل جاری ہو چکا ہے، اب اگر وہ مسلمان کے قبضے میں بھی آئے تو خراج ہی لازم ہوگا، کیوں کہ مسلم بھی وجوب خراج کے اہل ہیں، لہٰذا اس میں تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا خراج سے عشر کی جانب انتقال کی رخصت نہ دی جائے گی۔

اور اس بارے اصل یہ ہے:

"كل أرض ابتدأت بضرب حق عليها أن لا يتبدل الحق بتبدل المالك، كالخراج والعشر بينهما لأن كل واحد منهما مؤنة"

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۴/۵۴۔

الارض لا تعلق لہ بالمالک حتی یجب فی ارض غیر مملوکۃ فلا یختلف باختلاف المالک فاما المسلم فمن اھل وجوب الخراج فی الجملۃ فلا ضرورۃ الی التغییر بتبدل المالک[1]۔

ہر اراضی میں پہلا ایک حق (عشر یا خراج) متعین ہو چکا ہے تو اب اس حق میں تبدیلی نہیں ہو سکتی گرچہ مالک میں تبدیلی ہو گئی ہو (پہلے کفار مالک تھا اب مسلمان ہو گئے ہیں یا اس کے برعکس مسلمان مالک تھا پھر کفار مالک ہو گیا) جیسا کہ خراج میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور علت جامعہ ان دونوں کے درمیان یہ ہے کہ (عشر اور خراج) میں سے ہر ایک ارض کی مؤنت ہے۔ اس کا تعلق مالک سے نہیں، اسی وجہ سے یہ غیر مملوکہ زمین میں بھی واجب ہوتا ہے، لہٰذا مالک کے اختلاف کی وجہ سے مؤنت میں اختلاف نہ ہوگا، اور مسلمان تو وجوب خراج کے اہل میں من وجہ، لہٰذا مالک کے تبدیلی کی وجہ سے تغیر مؤنت کی ضرورت باقی نہ رہی۔ رہا یہ سوال کہ جب تبدیلی مؤنت میں نہ ہوگی تو اگر کفار اراضی عشری کو خریدتا ہے تو اصول مذکورہ کے مطابق اس پر عشر لازم ہوگا کیوں کہ مؤنت میں تبدیلی نہیں ہوتی اور چوں کہ صاحب الشتراء کفار ہیں، اور کفار پر عشر لازم نہیں ہوتا ہے کیوں کہ عشر عبادت ہے اور کفار کے لیے عبادت نہیں۔

جواب یہ ہے کہ مذکورہ قاعدہ کے پیش نظر تو ایسا ہی ہے کہ مؤنت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ مگر ضرورت کی وجہ سے انتقال من العشر الی الخراج جائز قرار دیا ہے۔

صاحب بدائع فرماتے ہیں:

(والارض) والاصل ان مؤنۃ الارض لا تتغیر بتبدل المالک الا لضرورۃ وفی حق ذمی اذا اشتری من مسلم ارض عشر ضرورۃ لان الکافر لیس من اھل وجوب العشر[2]۔

قاعدہ تو یہی ہے کہ اراضی کی مؤنت میں تبدیلی نہیں آئے، گو مالک میں تبدیلی آجائے اگر ضرورت کی بنا پر تبدیلی کرنی پڑتی ہے، اور ضرورت پیش آئی ہے کہ ذمی نے مسلمان سے اراضی عشر خریدی اور کافر اس کے وجوب عشر کا اہل نہیں ہے بایں وجہ تبدیلی کی ضرورت پڑی۔

---

[2] بدائع الصنائع، ۲/۵۵۔

۲ـــــ مزارع کا عاقل و بالغ ہونا تو اہلیت کے شرط میں سے نہیں ہے، بلکہ عشر نابالغ، لاعقل وغیرہ اور مجنون، مکاتب، مدیون، ماذون، اراضی وقف وغیرہ تمام صورتوں میں ہوتا ہے، نبی کریمؐ کے قول:

"فیما سقت السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب او دالیۃ ففیہ نصف العشر"

اور اللہ تعالیٰ کے قول:

"یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض" اور "آتوا حقہ یوم حصادہ"

کی وجہ سے جن میں عموم و شمول ہے، کیونکہ عشر تو خارج شئی میں ہوتا ہے، نہ کہ ارض میں، البتہ اراضی کا مالک ہونا ضروری ہے۔

۳ـــــ حولان حول شرط نہیں ہے، برخلاف زکوٰۃ کے کہ اس میں حولان حول شرط ہے۔

۴ـــــ عشر یا خراج میں سے ایک ہی ہے، عشر خراج کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔

۵ـــــ مقصود بالذات: مستقل پیداوار ہوا کرتا ہے، جیسے غلہ، باجرہ، مکئی، جوار، جو چیزیں غیر مقصود بالذات ہوں گھاس، بانس، لکڑی وغیرہ ان میں عشر نہیں ہے۔

۶ـــــ عشر اراضی عشری میں ہوتا ہے۔

۷ـــــ عشر بٹائی کی صورت میں رب الارض اور مالک دونوں پر اور کبھی صرف رب الارض پر ہوتا، اس کی بابت قدرے تفصیل ہے (سابق ذکر)، برخلاف خراج ہمیشہ رب الارض پر ہوتا ہے، بالاتفاق۔[1]

۸ـــــ عشر کے لیے نصاب شرط نہیں ہے، لہٰذا اس میں قلیل و کثیر برابر ہے، بالاتفاق صاحبینؒ کا فرمان ہے کہ ذکر ضروری ہے عشر کے وجوب کے لیے۔ تو یہ آیت کریمہ و حدیث کے مطلق کو مقید کرنا ہے، جب کہ یہ آیت کریمہ کے عموم کے خلاف بھی ہے، اس میں قدرے تفصیل ہے۔[2] جیسا ذکر ہوا۔

۹ـــــ جن اراضی کو تجارت کے لیے خاص کر لیا جائے وہ بھی عشری ہو جاتی ہے یا جن اراضی کو خاص چیز اگانے کے لیے خاص کر دیا جائے وہ بھی عشری ہوتی ہے، خواہ جس چیز کو اگانے کے لیے

ا بدائع الصنائع ۲/۵۶ ۲ بدائع الصنائع ۲/۵۸

متعین کر دیا ہے، شریعت کی نظر میں غیر مقصود ہی کیوں نہ ہو، تو بھی تحصیل کے بعد اب وہ مقصود بن گیا ہے۔
اول کی تشریح صاحب بدائع نے یوں فرمائی ہے:

"لو اشترى ارض خراج او عشر للتجارة ان فيها العشر او الخراج ولا تجب الزكاة للتجارة"[١]

"اگر زمین کو عشری یا خراجی ہے تجارت کے لیے خریدا تو اس میں عشر ہے یا خراج ہے اور زکاۃ تجارت واجب نہیں ہے خواہ عشری صورت ہو یا خراجی۔"

اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"لو اتخذها مقصبة او مشجرة او منبتا للحشيش يجب فيها العشر"[٢]

"اگر اراضی کو بانس، درخت یا گھاس اگانے کے لیے متعین کر دیا اور رواج ہے تو اس میں عشر واجب ہے۔"

اراضی عشری و خراجی کی شرعی حیثیت

صاحب قدوری فرماتے ہیں:

جس زمین پر اس کے رہنے والوں نے اسلام قبول فرمایا، یا زمین کو غلبۃً فتح کیا اور غانمین کے درمیان تقسیم کر دی گئی تو یہ اراضی عشری کہلاتی ہے۔

اور وہ اراضی جس کو غلبۃً فتح کیا گیا ہے اور صاحب ارض کی ملکیت کو ان کا قول رکھا، تو یہ اراضی خراجی کہلاتی ہے۔

اور اگر کسی نے غیر آباد زمین کو آباد کر دیا تو اس کے اراضی عشری و خراجی ہونے کا مدار قرب پر ہے چنانچہ اگر وہ اراضی عشری کے قریب ہے تو عشری اور اگر خراجی کے قریب ہے تو خراجی، یہ حضرت امام یوسف کے یہاں ہے۔ اور حضرت امام محمد کے یہاں عشری و خراجی کا مدار ماء عشری و ماء خراجی پر ہے۔[٣]

---

[١] بدائع ٢/٥٧ [٢] ہدایہ مع فتح القدیر ٢/٤ [٣] قدوری ٢/٥٥ كتاب السير۔

مذکورہ بالا نصوص سے یہ تین باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

۱ــــــ جس زمین پر فتح ایران کے بعد کفار کا قبضہ ہو جائے یا ان کے قبضہ کو باقی رکھا جائے تو ایسی اراضی خراجی کہلاتی ہیں۔ اور جس زمین پر فتح ایران کے بعد مسلمانوں کے دست بدست جاری ہے درمیان میں کفار حائل نہ ہوئے ہوں تو یہ عشری ہے۔

۲ــــــ دونوں میں بنیادی فرق فتح ایران کے بعد کفار کا درمیان میں آ جانا ہے۔

۳ غیر آباد اراضی میں بصورت آباد مجتہدین کا اختلاف ہے جیسا کہ گزرا۔

صاحب بدائع فرماتے ہیں:

"ومنها الارض التي اسلم اهلها طوعا ومنها الارض التي فتحت عنوة وقهرا وقسمت بين الغانمين المسلمين[1]"

"واما الخراجية: الارض التي فتحت عنوة وقهرا فمن الامام عليهم فتركها في ايديهم ووضع على جماجمهم الجزية اذا لم يسلموا[2]"

اراضی عشریہ کہلاتی ہے جس پر اس کے اہل نے خوشی اسلام قبول کیا ہو یا جس اراضی کو غلبۃ فتح کیا ہو۔ اور امام نے ان پر احسان کرتے ہوئے بھی اہل کفار کے قبضے میں چھوڑ دیا ہو اور ان پر خراج اور جزیہ متعین کر دیے ہوں، جبکہ انہوں نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔ لیکن کہ اہل اسلام پر خراج نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں بہت سی اراضی کو فتح کیا اور تمام صحابہ کی موجودگی میں ان لوگوں پر خراج متعین کیا۔

ایسا ہی جب امیر المؤمنین نے ایک جماعت پر احسان فرمایا تھا اور ان کی اراضی جماجم کے بارے ایک خاص وظیفہ دینار و درہم کی شکل میں مقرر فرمایا تھا، تو ایسی اراضی بھی خراجی کہلاتی ہیں۔

---

۱ بدائع ۲/۵۷۔

۲ بدائع ۲/۵۷۔ تکملہ جامع ۲/۸۸

خراج کی دو قسم

خراج موظف ـــــ خراج مقاسمہ

ـــــ خراج موظف سال میں ایک بار لازم ہے، اس طور پر کہ امام اراضی پر جریب وغیرہ کے اعتبار سے ایک متعین رقم متعین کر دیتا ہے۔

ـــــ اور خراج موظف میں خروج من الارض ضروری نہیں ہے، بلکہ قدرت علی الزراعت مطلوب ہے۔

ـــــ اور خراج مقاسمہ: امام ان اہل کی اراضی میں ربع یا نصف یا ثمث، غرض کہ پیداوار کا ایک حصہ متعین کر دے، یہ خراج ہر پیداوار میں لازم ہوگا۔[1]

محور چہارم

اراضی ہندوستان کی شرعی حیثیت

❁❁❁

ہندوستان کی اراضی کی حقیقت جان لینے سے قبل ہندوستان کی حقیقت کیا ہے اس امر کو واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ ہندوستان کی اراضی کا فیصلہ کیا جا سکے۔

اور اس سے قبل دارالاسلام اور دارالحرب کا فیصلہ کن ممالک پر کیا جا سکتا ہے اس کی وضاحت ضروری ہے، اور یہ دارالحرب اور دارالاسلام کی تعریف و حد بیان کرنے پر موقوف ہے، فقہاء کرام نے اس بارے میں مختلف طرز اختیار کیا ہے۔

دارالاسلام کسے کہتے ہیں

۱ـــــ جس پر مسلمان کا غلبہ ہو وہ دارالاسلام ہے، اور جس پر کفار کا غلبہ ہو وہ دارالحرب ہے۔

---

[1] ۹۲/۲۔ بدائع الصنائع۔

۲ ـــــ درمختار کے حوالے سے یہ بات ہو کر دارالحرب وہ ہے جس میں تین باتوں میں سے ایک پائی جائے (۱) اہل شرک کے احکام جاری ہوں۔ (۲) اہل شرک کے احکام دارالحرب جیسے ہوں۔ (۳) مسلمان یا ذمی امان اول کے ساتھ مامون نہ ہوں۔[1]

۳ نہ دارالحرب کی کمی ہے اور نہ ہی دارالاسلام ہے۔[2]

۱۹۴۷ء کے بعد جب ہندوستان کے حالات میں تبدیلیاں آئی ہیں اور مسلمانوں نے سکون و اطمینان کی سانس لی ہے۔ یہ گذشتہ دونوں سے جداگانہ تھا۔

اس تبدیلی کی بناء پر (ہر مذہب و ملت والے اپنے دین کی اشاعت و ترویج کے مجاز ہیں)۔ ۱۹۴۷ء کے بعد کے اصحاب فتویٰ نے ہندوستان کو تیسری صورت (یعنی نہ دارالحرب نہ دارالاسلام ہے) کا نیا درجہ دے ڈالا۔ اور کہہ ڈالا ہندوستان نہ دارالحرب ہے نہ دارالاسلام ہے۔

جیسا کہ میرے استاذ حدیث فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ہندوستان نہ دارالحرب ہے نہ دارالاسلام ہے۔

اب ہندوستان کی اراضی کو کیا کہا جائے، عشری یا خراجی، کسی کا متعین کرنا دلیل طلب کرتا ہے۔ اور کوئی پختہ دلیل نہیں ہے تو آخر ایسے ناگزیر حالات میں ہندوستان کی اراضی کو کس فہرست میں شمار کیا جائے۔

ورنہ آگے بڑھیے اگر ہندوستان کو دارالاسلام کہیں تو بعید سے بعید ہے اور اگر دارالحرب کہیں تو علامہ شامی دارالحرب کی اراضی کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اما ما في دار الحرب فارضها ليست ارض خراج ولا عشر"[3]

دارالحرب کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔

البتہ ہندوستان کے کچھ اراضی کو عشری اور کچھ کو خراجی قرار دیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جو اراضی مسلمانوں کے قبضے میں ہیں تو ان کو عشری قرار دیا جائے احتیاطاً کیوں کہ عشر عبادت ہے اور مسلمان عبادت کا اہل ہے۔

---

[1] قواعد الفقہ ص ۲۷۹۔ [2] مذکورہ بالا ص ۲۸۹۔ [3] شامی ۳/۲۷۰۔

اور جو اراضی کفار کے قبضے میں ہے، اس کو خراجی کہا جائے، کیونکہ خراج کافر کے لائق ہے عبادت نہیں، لہٰذا کفار اس کا مستحق ہے۔

لہٰذا جب ہندوستان نزد دار الحرب ہے اور نہ دار الاسلام ہے اور فتح اولی سے اس وقت تک اراضی کا صورت حال معلوم نہیں کہ وہ سلسلہ جاری ہے یا درمیان میں کافر مالک ہو گیا تھا۔

بہر صورت معلوم نہ ہونے کی صورت میں اور دار الحرب ہونے کی صورت میں عشر اور خراج کا تعین احتیاط کے پہلو کو اختیار کرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

حضرت تھانویؒ

فرماتے ہیں جن اراضی کا حال معلوم نہیں ہے کہ وہ عشری یا خراجی، اس کو بدلیل استصحاب حال عشر قرار دیا ہے، جب کہ وہ اراضی مسلمان کے قبضے میں پائی ہو۔[۱]

استدراک

لیکن حضرت تھانوی نے ہر دو شکوک صورتوں میں باستصحاب الحال سے استدلال کیا ہے۔ یہ استدلال برمحل نہیں ہے کیونکہ استصحاب حال احناف کے یہاں حجت نہیں ہے۔ پھر یہ کہ استصحاب کی تعریف حضرت تھانویؒ کی تشریح پر صادق نہیں ہے۔

علامہ لکھنوی صاحب قمر الاقمار فرماتے ہیں

"استصحاب الحال معناه طلب الصحبة اى طلب صحبة الحال الماضى بان ان يحكم على الحال بمثل ما حكم في الماضى وحاصله ابقاء ما كان على ما كان بمجرد انه لم يوجد له دليل مزيل"[۲]

---

[۱] امداد الفتاویٰ ۲/۲۸ - [۲] قمر الاقمار /۲۳۸-

"استصحاب کے معنی ہیں حال کا متصف کرنا ماضی کے ساتھ یعنی حال پر ماضی جیسا حکم جاری کیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس طریقہ پر باقی رکھنا جس طریقہ پر تھا، دلیل مزیل نہ ہونے کی وجہ سے۔"

حضرت تھانوی نے فرمایا کہ ماضی کا حال کچھ معلوم نہیں ہے اور مسلمانوں کے قبضے میں ہے تو اس کو مسجد ہی قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ سمجھا جائے گا کہ زمانہ ماضی میں بھی مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ بدلیل استصحاب حال۔

غرض کہ حضرت تھانوی کی تشریح پر استصحاب کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ استصحاب حال میں حال پر ماضی جیسا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ ماضی کا حال معلوم ہو، اور یہاں معلوم نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت نے جو بات پیش کی ہے اس میں ماضی پر حال جیسا حکم جاری کیا گیا ہے۔ جب کہ استصحاب حال کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں استصحاب حال حجت نہیں ہے، مگر یہ کہ دلیل موجود ہو جیسے نبیؐ کی شریعت کی بقاء آج تک نبیؐ کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے ہے۔

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں

"اختلف فی حجیته فقیل حجة مطلقا ونفاه کثیر مطلقا و اختار الفحول الثلاثة ابو زید وشمس الائمة وفخر الاسلام انه حجة للدفع لا للاستحقاق وهو المشهور عند الفقهاء والوجه انه لیس بحجة اصلاً[1]"

استصحاب کی حجیت کے بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف رہا ہے بعض نے کہا یہ حجت ہے اکثر نے اس کے حجت ہونے کا انکار کیا ہے، اور ابو زید اور شمس الائمہ اور فخر الاسلام نے کہا

---

[1] الاشباہ والنظائر ص ۱۲۲۔ کذا فی نور الانوار ص ۲۳۳

کہ استصحاب حال حجت ہے، لیکن حجت دافع (غیر کے الزام کو ختم کرنے کے لیے) ہے اور حجت استحقاق کا یہ بھی انکار کرتے ہیں۔ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ صحیح مذہب جو مختار ہے یہ ہے کہ استصحاب حال بالکل حجت نہیں ہے۔ پھر حضرت تھانوی کا استدلال با استصحاب حال کیسے درست ہوگا۔ البتہ احتیاط کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے۔

اراضی مشکوکہ کا آخری حل

علامہ حموی شارح الاشباہ والنظائر فرماتے ہیں: شک کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ شک کا مدار اصل حرام پر ہو۔

۲۔ شک کا مدار اصل مباح پر ہو۔

۳۔ شک کا وقوع ایسی چیزوں میں واقع ہو جس کی اصلیت نہ ہو۔

اول صورت کی تشریح یہ ہے کہ مثلاً ایک بکری ہے اور وہ ذبح شدہ ہے، اب جس شہر میں بکری ذبح شدہ پڑی ہے اس میں مسلمان اور کافر آباد ہیں، ایسی صورت اس مذبوحہ کا کھانا جائز نہیں ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا ذبح کرنے والا مسلمان ہے اور اغلب ظن کہ ذکاۃ میں ہے۔ چنانچہ اگر مسلمانوں کی آبادی اکثریت کے درجہ پر ہے تو کھانا جائز ہے، کیونکہ اغلبیت اور اکثریت طہارت کا فائدہ دیتی ہے۔

ثانی صورت کا حل یہ ہے کہ پانی ہے اس میں تغیر و تبدیلی ہے، اب اس میں احتمال یا نجاست کی وجہ سے ہے یا طول مکث کی وجہ سے، ایسی صورت اس سے طہارت پاکی حاصل کرنا جائز ہے، کیونکہ پانی کی اصلیت پاک ہوتا ہے۔

ثالث صورت کا حل یہ ہے کہ مثلاً جس کے مال کا اکثر حصہ اموال حرام سے متعلق ہے، لیکن یقینی طور پر حرمت ثابت نہیں ہے، تو ایسی صورت ایسے اموال سے خرید و فروخت جائز ہے، بہ امکان حلت اور عدم تحریم کی وجہ سے، تاہم مکروہ ضرور ہے، بمقتضی احتمال الحرام کی وجہ سے[1]

---

[1] الاشباہ والنظائر ۱/۱۰۰۔

مذکورہ دوسری صورت سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اراضی میں جب اصل عشری ہونا ہے، نہ کہ خراجی، کیوں کہ عشری میں عبادت کے معنی ملحوظ ہیں، اور روئے زمین کے خلیفہ کے انسانوں کی تخلیق کا مقصد عبادت خداوندی ہے۔

لہٰذا مذکورہ مشکوک صورت میں مسلمانوں کی مملوکہ زمین کو عشری قرار دینا چاہیئے احتیاط کی بناء پر نہ کہ استصحاب الحال کے بناء پر، کیوں کہ یہ حجت نہیں ہے۔ (فلیتأمل)

کیا سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں ہے؟

ہندوستان نہ دارالحرب ہے اور نہ ہی دارالاسلام ہے، جیسا کہ ماقبل کی تشریحات سے معلوم ہوا، جب کہ اراضی کے عشری و خراجی کا مدار اسی پر اور عشر و خراج کا مسئلہ اراضی عشری و خراجی پر ہے؛ اور ہندوستان کی صحیح صورت حال معلوم نہیں۔

اور بقول علامہ شامی جو ممالک دارالحرب ہیں وہ نہ عشری ہے اور نہ ہی خراجی ہے۔

غرض کہ ہر دو صورت سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل نہیں ہے۔ البتہ احتیاطاً عشر دینا چاہیے تاکہ "لاخیر فی الفجر" پر بھی عمل درآمد ہو سکے۔

حضرت تھانوی فرماتے ہیں

کہ عشر و خراج شرعی حقوق ہیں، پس جس طرح سرکار کی جانب سے انکم ٹیکس سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتے، اسی طرح سرکاری محصول سے بھی عشر ساقط نہ ہوگا۔ اب اگر کوئی اشکال کرے کہ یہ تو "تکلیف مالایطاق" ہے جو شرعاً ممنوع ہے جیسا کہ اس پر باری تعالیٰ کا قول "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا" کی دلالت موجود ہے۔

تو اس کا حل یہ ہے کہ تکلیف مالایطاق جو شریعت میں مرفوع ہے اس سے مراد مشروعیت کی نفی ہے وقوع کی نفی نہیں ہے۔ گو وہ غیر شارع کی جانب سے ہو، اور شریعت کی اجازت کے بغیر ہو،

البتہ اگر بعض حضرات کی رائے کے مطابق کہ دارالحرب کی اراضی نہ عشری ہے اور نہ ہی خراجی تو اگر کوئی عمل نہ کرے تو اجلاء کی حالت میں گنجائش ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۲ر ۷۷)

آخری بات

خراج کی دو قسم ہے، خراج مقاسمہ، خراج موظف، دونوں کی تفصیل ہو اوّل میں گذر چکی ہے یہاں غرض یہ کرنی ہے کہ موجودہ ایام میں ہند کی حکومت خراج موظف کے شکل جلد جیا کر مالگذاری، خزانہ وغیرہ کے نام سے وصول کرتی ہے مگر باوجودیکہ اس کو خراج نہیں کہا جا سکتا، کیوں کہ ہندوستان کی صحیح صورت حال معلوم نہیں ہے، مگر احتیاطاً بہر صورت عشر دینے ہی میں ہے۔

خراج کے ادائےگی کی شرح اور نوعیت حکومت کے صوابدید پر موقوف ہے

موجودہ ایام میں جو مسلمان مالگذاری اور خزانہ اراضی کی ادائےگی کرتے ہیں اس کی قدریت وکیت اراضی کے کیت اور مقداریت کے اعتبار حکومتیں طے کرتی ہیں۔ مسلمانوں کے تعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا۔

خراج کے عبادت ہونے نہ ہونے کا مسئلہ

فقہ کی کتابوں میں مصرح ہے کہ خراج عبادت نہیں ہے جو کافر کے لیے متعین ہے اور عشر عبادت ہے جو مسلمانوں کے لیے متعین ہے، یہاں تک تو بات صاف ہے۔

رہا موجودہ نظام اور قانون جو مالگذاری کی صورت میں مسلمانوں کے ذمے ہر سال لازم آتا ہے، یہ عبادت ہے یا نہیں، تو جہاں تک مالگذاری کا خراج کے حکم میں ہونے کا ہے تو اس پر بات گذر چکی ہے کہ خراج کے حکم میں نہیں ہے۔ اور عبادت کی نفی خراج میں ہے مالگذاری میں عبادت کی نفی نہیں ہے۔

لہذا اب مال گذاری خراج کے حکم میں نہیں ہے اور عبادت کی نفی خراج میں ہے، مالگذاری تو موجودہ صورت جس کو ہم کبھی خراج کہہ دیتے ہیں اور کبھی مالگذاری۔ اور کبھی محصول، عبادت کے معنیٰ کو شامل ہوگا۔

کیوں کہ نہ دینے کی صورت کا مضرت کے وقوع کا خطرہ ہے، کیوں کہ نہ دینے کی صورت میں بسا اوقات وہ کی کاڑی۔ ور کو خرچہ ہو جاتا ہے۔

اور دفع مضرت جلب منفعت سے اولیٰ ہوتا ہے اور خیر ہے، اور خیر میں تاخیر نہیں جیسا کہ

نمو کا قاعدہ ہے، اور غیر کی صورت عبادت ہے، گو نوعیت میں اختلاف ہی اور مؤمن کا عمل من حیث
الدین لغو نہیں ہو سکتا، جب کبھی بھی ہو گا تو اللہ کی مرضی کی خاطر ہو گا، غرض کہ موجودہ خراج جو مسلمانوں
پر عائد ہوتا ہے۔ عشر کی طرح یہ بھی عبادت ہے۔

اراضی پر صرف ہونے والے اخراجات کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی نہیں کی جا سکتی

عشری اراضی میں مؤنت کی کمی و بیشی کی وجہ سے عشر میں تخفیف و تکثیر ہوتی رہتی ہے، چنانچہ اراضی
اور قدرتی طور پر سیراب ہو جانے سے عشر لازم ہو جاتا ہے، اور چشموں کے ذریعہ آبپاشی کرنے سے مؤنت کے
کثیر ہونے کی وجہ سے عشر کے بجائے نصف عشر لازم ہوتا ہے، رہا مؤنت مثلاً دوائی کا استعمال، مزدور
اور کسان، نگرانوں کے خرچے وغیرہ کا خارج سے نفی اور منہا نہ کیا جائے گا۔

مؤنت کی کثرت کی وجہ سے عشر سے رفع مؤنت نہیں

کثرت مؤنت کی وجہ سے عشر سے نصف عشر کی جانب انتقال کرنے کا حکم شریعت نے جاری کیا
ہے، لیکن خارج شدہ اشیاء سے مؤنت یعنی وہ خرچے جو اس میں صرف ہوئے ان کی قیمت کے بقدر خارج
سے علیحدہ کر کے پھر باقی میں نفاذ عشر یا نصف عشر جاری کرنا شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔
کیونکہ رفع مؤنت کی صورت میں عشر اور نصف عشر میں کچھ فرق باقی نہیں رہتا ہے جو فرمان نبوی
کے خلاف ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے مؤنت کے قلت و کثرت کی وجہ سے عشر و نصف عشر تجویز فرمایا ہے۔
یعنی کثرت مؤنت کی وجہ سے نصف عشر ورنہ عشر ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں

"لان العلة في العدول من العشر الى نصفه في مستقى
غرب ودالية هي زيادة الكلفة"[1]

---

[1] کذا فی رد المحتار ۲/۳۲۸ ۔ شامی ۲/۳۲۸۔

عشر سے نصف عشر کی جانب عدول کا سبب ڈول وغیرہ سے سیراب کرنے کی وجہ سے ہوا کرتا ہے کیوں کہ اس میں کلفت اور مشقت زیادہ سے زیادہ ہوتی ہے، مذکورہ عبارت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جن چیزوں سے کثرت مشقت اور موٴنت اور کثرت کلفت پیش آئے۔ اس میں موٴنت کے رفع سے قطع نظر نصف عشر کی جانب انتقال جائز ہوگا۔

لہٰذا ان دنوں کھاد وغیرہ میں موٴنت زیادہ ہونے کی وجہ سے بہ علت جامعہ کی وجہ سے عشر کی جگہ نصف عشر ہونی چاہیے۔

اسی علت جامعہ کی وجہ سے علامہ شامی نے ایک جزیہ بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"لو اشترى ماء بالقرب اوفی موضع ينبغی ان يقال بنصف العشر لان كلفته ربما تزيد على السقی بغرب اودالية"[1]

اگر کسی نے پانی کا چشمہ یا حوض خریدا تو مناسب ہے کہ اس میں نصف عشر ہو، کیوں کہ بسا اوقات اس میں ڈول وغیرہ سے پانی سینچنے کے مقابلے میں زیادہ مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ موٴنت کثیرہ کی وجہ سے نصف عشر لازم ہونی چاہیے۔

رفع موٴنت جائز نہیں

شارح عنایہ فرماتے ہیں:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم بتفاوت الموٴنت لانہ قال ما سقته السماء ففيه العشر وما سقی بغرب ففيه نصف العشر فاذا كان كذلك لم يرفعها معو لان رفعها يستلزم عدم التفاوت المنصوص عليه وهو باطل، وبيانه ان الخارج فيما سقته السماء اذا كان عشرين قفيزا ففيه العشر قفيزان، واذا كان الخارج فيما سقی بغرب اربعين والمؤنة تساوی قدر عشرين قفيزا فاذا ارفعت كان الواجب قفيزين فلم يكن التفاوت بين ما سقته السماء وبين ما سقی بغرب بالنصوص فلا"

---

[1] شامی ۲/۳۲۹۔

فتبین ان ما سقی بغرب ففیہ نصف العشر من غیر اعتبار المؤنۃ [1]

علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤنت میں اختلاف اور تفاوت کی وجہ سے حکم میں بھی تفاوت کے ساتھ فیصلہ صادر فرمایا (بغیر رفع مؤنت کا اعتبار کرتے ہوئے) اس لیے کہ جن چیزوں کو آسمان سیراب کرتا ہے تو ان میں عشر ہے اور ڈول وغیرہ پر نصف عشر ہے۔ اور جب یہ صورت حال ہے تو رفع مؤنت کے کوئی معنی نہیں ہے۔ کیوں کہ رفع مؤنت کی صورت منصوص علیہ میں عدم تفاوت کو مستلزم ہے، اور یہ باطل ہے۔

اس مسئلہ کی مزید توضیح یہ ہے کہ ایک زمین ہے اس کو آسمان کے پانی سے سینچا گیا، اب اس سے سو قفیز خارج ہوئے تو اس میں عشر دس قفیز متعین ہے۔ اور ایک خارج کا حصہ اور ہے جس کو ڈول وغیرہ سے سینچا گیا تھا، سو قفیز غلہ برآمد ہوا ہے، اور مؤنت ۸۰ قفیز ہے۔ اور عشر دو قفیز ہے، تو جب مؤنت رفع کرلیں گے تو اس صورت میں وہ اراضی جس کو آسمان نے سینچا تھا، اور وہ اراضی جس کو ڈول وغیرہ سے سینچا گیا تھا، دونوں کے حق واجب برابر ہوگئے جو کہ منصوص علیہ کے خلاف ہے جو مستلزم ہے باطل کو، اور باطل چیزوں کی شریعت میں قطعاً اجازت نہیں دیتی۔ (فلیتأمل)

لہٰذا معلوم ہوا کہ رفع مؤنت کا اعتبار نہ ہوگا، اور جس میں مؤنت کثیرہ واقع ہوا ہے تو اس میں عشر سے نصف عشر کی جانب انتقال علت جامعہ کی وجہ سے لازم ہوگیا ہے۔

بٹائی پر دی جانے والی اراضی کے عشر کا مسئلہ

بٹائی کی دو صورت ہے، بٹائی کا تعلق اگر دو مسلمان سے ہے۔ تو عشر دونوں پر بھی ہو سکتا ہے۔ جب کہ بذر اور بیج عامل کی جانب سے ہو، یہ حضرات صاحبین کے نزدیک ہے۔

لیکن اگر بیج رب الارض کی جانب سے ہے تو عشر صرف رب الارض ہی کی جانب سے ہوگا، اور حضرت امام اعظم کے نزدیک ہر صورت میں عشر رب الارض پر ہوگا خواہ بیج اس کی جانب سے ہو یا کہ عامل کی جانب سے۔

---

[1] فتح القدیر لابن الہمام ۲۰۲

علامہ شامی فرماتے ہیں

۱ــــ "ان العشر عند الامام علی رب الارض مطلقا وعندھما کذالک

لو بذرمنہ ولو من العامل فعلیہما والفتوی علی قولہما"۔

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیج خواہ رب الارض کی جانب سے ہو یا عامل کی جانب سے بہر دو صورت عشر رب الارض پر ہوگا۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں، اگر بیج رب الارض کی جانب سے ہو تو مسئلہ ایسا ہی، لیکن اگر عامل کی جانب سے ہے تو پھر دونوں پر ہے، اور حضرات صاحبین ہی کے قول پر فتویٰ ہے۔

۲ــــ اور اگر بٹائی مسلمان اور کافر کے درمیان واقع ہے تو عشر مسلمان کے ذمہ ہوگا، کیوں کہ عشر عبادت ہے اور کافر کا عبادت سے کیا رشتہ۔

محور پنجم

وجوبِ عشر کی کمیت وکیفیت اور اختلافِ رائے

***

اراضی سے جو چیزیں برآمد ہوتی ہیں وہ دو طرح کی اشیاء ہیں، (۱) مقصود (۲) غیر مقصود:

غیر مقصودی میں تو سب متفق ہیں کہ اس میں عشر نہیں ہے، جیسے گھاس پاتس وغیرہ، رہا مقصودی تو اس بارے میں اختلاف ہو گیا کہ ہر مقدار میں یعنی قلیل وکثیر سب عشر کے بارے میں برابر ہے یا نہیں۔

حضرت امام فرماتے ہیں، ہر خارجۃ من الارض میں عشر ہے، قلیل ہو یا کثیر ہو، حضرات صاحبین فرماتے ہیں، اس کے لیے بھی ایک نصاب ہے، جس طرح زکوٰۃ کے لیے نصاب متعین ہے، تو اب عشر کا نصاب کیا ہے؟ فرماتے ہیں ۵ وسق، اور ایک وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے، یہ اختلاف باعتبار کیت تھا

---

۱ شامی ۲/۵۰۳ ۲ بدائع الصنائع ۲/۵۷، بدائع ۲/۵۹۔

کیفیت میں یہ اختلاف نمودار ہوا کہ حضرات صاحبین فرماتے ہیں غیر محصوری اشیاء میں بھی ان میں عشر لازم ہوگا، جو ایک سال باقی رہ سکتا ہو۔

حضرات صاحبین کے مقابلے میں حضرت امام صاحب فرماتے ہیں ہر چیز میں عشر لازم ہے خواہ دیر تک باقی رہے یا نہ رہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں

"قال ابوحنيفة رحمه الله تعالى في قليل ما اخرجته الارض وكثيره العشر سواء سقي سيحا او سقته السماء إلا الحطب والقصب والحشيش . وقالا لا يجب العشر الا فيما له ثمرة باقية اذا بلغ خمسة اوسق والوسق ستون صاعا بصاع رسول الله صلى الله عليه وسلم وليس في الخضروات عندهما عشر، فالخلاف في موضعين في اشتراط النصاب وفي اشتراط البقاء"[1]

حضرت امام صاحب نے فرمایا جو چیز زمین سے نکلے اس میں عشر ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر، باقی رہنے والی ہو یا نہ ہو، خواہ اس کو آسمان کے پانی نے سیراب کیا ہو، یا ڈول وغیرہ سے سینچا گیا ہو، غرض کہ ان تمام صورتوں میں عشر ہے (محصوری ہے) ہاں گھاس بانس لکڑی میں عشر نہ ہوگا (غیر محصوری ہے)

حضرات صاحبین کے نزدیک "ما اخرجت من الارض" میں دو باتیں ہونی چاہیے (۱) ۵ وسق اس کی مقدار ہو (۲) بقاء ہو، یہی وجہ حضرات صاحبین کے یہاں سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اختلاف ان حضرات میں دو چیزوں کی وجہ سے ہے، شرط نصاب، شرط بقاء۔

(العلم:۔ صاحب ہدایہ کی عبارت میں عشر سے مراد مسلم ہے جس کا اطلاق نصف عشر اور

---

[1] ھدایة مع فتح القدیر ۲/۲

دونوں پر ہوتا ہے۔

چارہ میں عشر ہونے نہ ہونے کا مسئلہ

چارہ میں عشر ہونے نہ ہونے کا فیصلہ کرنے سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ چارہ کے سلسلے میں لوگوں کا عمل اور رویہ کیا ہے۔ تو ہمارے صوبہ بہار میں لوگوں کا عمل اس بارے میں تین طرح ہے:

۱ــــ خاص جانور کے لیے موقع مناسب سے چارہ اگا لیتے ہیں۔

۲ــــ یک زمین کو چارہ اگانے کے لیے ہی خاص کر لیتے ہیں۔

۳ــــ چارہ اگانے کا مقصد تجارت ہو

چنانچہ ہمارے دیار میں یہ تینوں طریقے رائج ہیں۔

اب واضح بات ہے کہ اگر اول صورت ہے تو اس میں عشر نہیں ہے۔

"لکونہا غیر مقصودۃ فی نفسہا"[1]

کیوں کہ وہ فی نفسہ غیر مقصود ہے۔ اور غیر مقصود اشیاء میں عشر نہیں ہے[2]

اور اگر دوسری صورت ہے تو اس میں عشر ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"لو اتخذھا مقصبۃ او مشجرۃ او منبتا للحشیش یجب فیہا العشر"[3]

اگر کسی اراضی کو درخت یا بانس کے لیے اسی طرح گھاس اگانے کے لیے خاص کر لیں تو اس میں عشر واجب ہے۔

اور اگر تیسری صورت ہے تو اس میں بھی دوسری صورت کی طرح عشر لازم ہے۔

صاحب بدائع فرماتے ہیں:

"قال اصحابنا فیمن اشتری ارض عشر للتجارۃ او ارض خراج[4] للتجارۃ۔ ان فیہا العشر او الخراج، ولا تجب الزکاۃ"

---

۱ فتح القدیر ۲/۵ ۲ فتح القدیر ۲/۵، شامی ۲/۳۳ ۳ ہدایہ مع فتح القدیر ۲/۴

فقہائے احناف نے فرمایا کہ جس اراضی عشری یا خراجی تجارت کے لیے خریدی تو اس میں عشر ہے، اگر عشری ہے، اور خراج ہے اگر خراجی ہے، اور زکوٰۃ ان دونوں صورتوں میں سے کسی صورت میں بھی واجب نہ ہوگی، یہی بات مشہور ہے۔

مذکورہ عبارت سے چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں، جو ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱ــــ عشر ان اراضی عشری میں ہوتی ہے جو مزارعت کے ساتھ وابستہ ہے اسی طرح وہ اراضی عشری جو زراعت کے لیے ہوں، تجارت کے لیے خاص کر لیے ہوں۔ خواہ وہ خریدی ہوئی ہو یا ذاتی ہو اس میں عشر لازم ہے۔ یا خراج اگر خراجی ہے۔

۲ــــ لفظ تجارت میں عموم ہے خواہ زراعت کے ذریعے یا صنعت وحرفت کے ذریعے یا تالاب کھدوا کر مچھلی کے ذریعے تجارت مقصود ہو۔ سب اس عموم میں داخل ہوں گے۔

رہا یہ سوال کہ عشری جس لازم ہو تو واقع نہیں ہو رہا ہے۔ تو بظاہر حال تو یہی ہے لیکن حقیقۃً دیکھا جائے تو اس سے زیادہ شو اور ثمر عشری ہو رہا ہے۔

۳ــــ اراضی عشری وخراجی خریدنے سے تجارت کے غرض سے اس سے عشری لازم ہوگا یا خراج، زکوٰۃ کا وجوب اور ثبوت نہ ہوگا، اور یہی مشہور و معتبر بات ہے اور اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ذیل میں ذکر کی جاتی ہے:

حدیث شریف ملاحظہ ہو:

"عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال جاء هلال احد بنی متعان الی رسول الله صلی الله علیه وسلم بعشور نحل له وكان سأله ان یحمی وادیا یقال له سلبة فحمی له رسول الله صلی الله علیه وسلم ذلك الوادی فلما ولی عمر بن الخطاب رضی الله عنه كتب سفیان بن وهب الی عمر بن الخطاب یسأله عن ذلك فكتب ان ادی الیك ما یؤدی الی رسول الله صلی الله علیه وسلم من عشور نحله فاحم له سلبة والا فانما هو ذباب غیث یأكله من یشاء" (ابوداود مع بذل المجهود ۳/۳۸)

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے یہ روایت بیان کیا ہے
کہ قبیلہ بنی متعان کا ایک آدمی جس کا نام ہلال تھا، ایک مرتبہ پیغمبر کے پاس عشر کا شہد
لے کر آیا اور آپ سے سلبہ نامی وادی کے متعلق سوال اور درخواست کی تھی کہ یہ
وادی ان کے شہد کی مکھیوں کے لیے خاص کر دیں۔ تو اس کے درخواست کو اللہ کے
پیغمبر نے قبول فرمایا تھا، اور ان کے لیے سلبہ وادی کو خاص کر دیا تھا تاکہ اس
میں غیر مداخلت نہ کرسکے۔ پھر جب زمانہ آگے بڑھا، اور حضرت عمر خلیفہ بنے تو ایک
مرتبہ سفیان بن وہب نے حضرت عمر کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا جس کا مضمون
یہ تھا کہ سلبہ نامی وادی کے بارے میں کیا کیا جائے، تو حضرت عمر نے فرمایا کہ جس
شخص کے ملک میں ہے اگر وہ وہی طریقہ اپنائے ہوئے ہے جو نبی کریم کے زمانہ
میں تھا تو پھر اسی کے ذمہ چھوڑ دے، اور اگر وہ اس مقدار کو جو حضرت نبیؐ کے زمانہ
اور موجودگی میں دیتا تھا اس سے ہاتھ روک لیا ہے تو اس صورت میں بارش کی
مکھی کی طرح یہ بھی ایک مکھی ہے جو چاہے کھائے۔"

اس روایت سے حضرت عمرؓ نے یہ سمجھا کہ ہلال شہد کا عشر اس وقت لیکر آیا ہے جب وادی سلبہ نبی کریمؐ نے ان کے لیے خاص کر دیا تھا، یعنی کے معنی ہیں غیر کو داخل نہ ہونے دینا ان کے بے دخول کی اجازت نہ ہونا تو گویا اس خصوص کی وجہ سے عشر لازم ہو سکتا ہے؟

تو ایک عشری اراضی کو جس میں اچھی طرح کھیتی ہوتی ہے تالاب بنا کر مچھلی پالتا ہے تو عشر کیونکر نہ ہوگا، تاکہ اس سے جو عشر نکلا اس حق کے مقصود پر اس سے اس کی تلافی ہو جائے اور ملک تجارت پر عمل جاری کیا جاسکے۔

سنگھاڑے اور مکھانے کا عشر یا زکوٰۃ

مذکورہ تفصیل سے سنگھاڑے کا اور مکھانے کا عشر ہوگا یا زکوٰۃ با آسانی معلوم کیا جاسکتا ہے۔
اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں چیزوں میں بھی پہلی شئی کی طرح عشر ہے، اور صاحب ہدایہ کا فرمان ہے:

"لو اتخذها مقصبة او مشجرة او منبتا للحشيش فيجب فيها العشر"

"کہ کسی اراضی کو کسی مخصوص چیز کے لیے خاص کر لینے سے عشر لازم ہوتا ہے خواہ وہ شی غیر مقصود ہی کیوں نہ ہو، لیکن تخصیص کی وجہ سے وہی شی مقصود بن جاتا ہے[۱]۔"

حاصل کلام اس بارے میں یہ ہے کہ مسئولہ تمام صورتوں میں عشر ہونی چاہیے نہ کہ زکوٰۃ۔

شبہ اور جواب

یہاں کوئی شبہ کر سکتا ہے کہ عشر کی حقیقت اور ماہیت یہ ہے کہ ما اخرجت الارض کا رشتہ وابستہ ہو۔ اور یہ تعلق سنگھارا اور مکھانا میں تو قدرے سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن مچھلی میں خروج من الارض کے معنی سمجھ میں نہیں آتا۔

سو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جس زمین میں تالاب بنا کر مچھلی ڈالی گئی ہے وہ اراضی عشری ہے خالص زراعت کے لیے تھی، اب تالاب بنا کر زراعت کے نتیجے میں جو عشر نکلنے والا تھا اس کا انسداد کر دیا ہے تو اسی مچھلی کے ذریعہ زراعتی اراضی سے جو شریعت کا حصہ متعین تھا۔ اس کی تلافی کی جائے گی تاکہ تملک حق ثابت ہو جائے۔

اور باقی رہا صاحب بدائع کا قول:

"والاصل اعتبار الحقیقة ولا یجوز العدول عنها الا بدلیل قام ولیل العدول هناك فیجب العمل بالحقیقة فیما وراءه[۲]۔"

"اصل تو حقیقت کا اعتبار کرنا ہے، اس کے خلاف عمل روا رکھنا جائز نہیں ہے مگر دلیل موجود ہو، بصورت ایں دونوں پر عمل کرنا ثابت ہو جاتا ہے۔"

سے یہ نقض نہ کیا جائے کہ مذکورہ صورتوں میں عمل بالحقیقت سے عدول کیا گیا ہے، جیسا کہ تالاب کی مچھلیوں کے بارے میں جس کا تذکرہ ماقبل میں مذکور ہوا۔

کیوں کہ خارج من الارض جو زراعت کی رہین منت ہے، اور زراعت کے ذریعے خروج ہوتا ہے، یہاں یہ دیکھنا ہے کہ اس زراعتی پیشہ اور شغل کا مقصد کیا ہے تو فقہاء نے اس بارے میں دو باتیں فرمائی ہیں:

---

[۱] هدایة مع فتح القدیر ۲/۲ [۲] بدائع ۲/۵۹۔

۱ ــــ فساد الارض ۔ زمین کی بربادی، یعنی زمین کو فساد اور بگاڑ سے بچانا۔ کیوں کہ زمین کو جس قدر
آباد کیا جائے اسی قدر اس کی صحت اچھی ہوتی ہے اور فساد کم ہوتا ہے۔ برخلاف بانس وغیرہ کے کہ اس میں
زمین خراب ہو جاتی ہے۔

۲ ــــ زراعت کا اصلی مقصد غلہ کا حصول ہے۔

جوابِ بحث

یہ ہے کہ زراعت کا مقصد جب نماء ہی ہے اور غلہ کا حصول ہے تو مذکورہ صورتوں میں لا بد ہے کہ
زمین کی نماء میں نقصان نہیں ہوتا، بلکہ غلہ کا حصول تو بہ زراعت سے دوگنا ہو جاتا ہے کیوں کہ مچھلی کی قیمت
ہر موسم میں ملک بھر میں گندم کی طرح ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے دیار بہار اور بنگلہ دیش
تک ہر سال سیلاب رواں نمودار ہوتا ہے۔ اس وقت اگر چہ زمین پر پانی رہتا ہے لیکن زمین نماء کسی مرض کی
دوا نہیں سکتا ہے۔ تو اگر ایسے سنگین حالات میں اگر کوئی زراعتی اراضی میں مچھلی وغیرہ کی کاشت کیا تو
عشر لازم ہونی چاہیے۔ فکر کرتا ۔ (فتدبر یا اولی الالباب)

ریشم کے کاشت پر عشر کا مسئلہ

اس سے قبل یہ بات گذر چکی ہے کہ ارض عشری عشر کے لازم ہونے کے لیے ضروری ہے
مذکورہ صورت میں ریشم کا فروغ ریشم کے کیڑے سے زمین سے نکلتا ہے۔ خواہ بلا واسطہ یا بالواسطہ
بلا واسطہ تو ظاہر ہے، اور بالواسطہ اس لیے کہ ریشم کا کیڑا پتے کو کھاتا ہے اور پتے میں عشر نہیں ہے
برخلاف شہد کے کہ اس میں بھی عشر نہیں ہونی چاہیے۔ تو پھر شہد میں جو عشر لازم کیا گیا
وہ اس وجہ سے کہ شہد کی مکھیاں پھول اور رس کھاتی چوستی ہے، اور دونوں میں عشر لازم ہوتا ہے۔
صاحب ہدایہ فرماتے ہیں،

"لان النحل یتناول من الانوار والثمار وفیهما العشر فکذا فیما یتولد منهما"

ــــ کنز الدقائق البدائع ۲/۵۶

منها بخلاف دود القز لانه يتناول الاوراق ولا عشر فيها ؎

شہد کی مکھیاں تو کلیاں اور پھولوں کے رس کو چوستی ہیں۔ یہاں وہ عشر ہے۔ ایسا ہی جو چیزیں ان سے پیدا ہوتی ہیں، بخلاف ریشم کے کیڑے درخت کے پتے کو کھا کر ریشم تیار کرتا ہے اور پتوں میں عشر نہیں ہے لہٰذا ریشم پر عشر نہیں ہے؎

استدراک

صاحب ہدایہ نے ریشم میں عشر واجب نہ ہونے کی جو علت قرار دی اس کی تفصیل طور پر معلوم ہو چکا، اور ضمناً شہد کے بارے میں بھی حکم معلوم ہو چکا۔ لیکن صاحب ہدایہ نے شہد میں وجوب عشر کے لیے جو علت قرار دی ہے حدیث میں یہ علت نہیں ہے، بلکہ وجوب عشر کے لیے جو علت قرار دیا ہے وہ کچھ اور ہے۔

جس علت کی وجہ سے صرف شہد میں عشر ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ ساتھ ہی ساتھ ریشم میں بھی عشر ثابت ہوتا ہے۔ وہ علت حدیث شریف میں بھی بیان کیا گیا ہے، جیسے حدیث شریف میں مذکور ہے

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال جاء هلال احد بني متعان الى رسول الله صلى الله عليه وسلم بعشور نحل له وكان سأله ان يحمي واديا. فلما ولي عمر بن الخطاب رضي الله عنه كتب سفيان بن وهب الى عمر بن الخطاب يسأله عن ذلك فكتب ان ادى اليك ما كان يؤدي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم من عشور نحله فاحم له سلبه والا فانما هو ذباب غيث يأكله من يشاء ؎

حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ اور انہوں نے اپنے دادا سے یہ روایت بیان کیا ہے کہ بنی متعان کا ایک آدمی جس کا نام ہلال تھا، نبیؐ کے پاس شہد لے کر آیا

؎ ھدایۃ ۱/۲۰ ؎ بذل المجہود ۳/۳۸۰۔

اور اس سے پہلے بھی آیا تھا اور نبیؐ سے یہ درخواست کی تھی کہ وادی سلبہ اس کے شہد کی مکھیوں کے لئے خاص کر دیے جائیں یعنی غیر اس میں مداخلت نہ کریں۔ حتی کے بیٹے کہتے ہیں تو اس کی اس درخواست پر نبیؐ نے اس وادی سلبہ کو خاص کر دیا تھا۔ پھر زمانہ آگے بڑھا اور حضرت عمر فاروق رضہ خلیفہ بنائے گئے۔ تو اس وقت سفیان بن وہب نے حضرت عمرؓ کے پاس ایک خط لکھا جس کا مضمون تھا کہ وادی سلبہ کے بارے میں کیا کیا جائے حضرت عمرؓ نے اس کے خط کا جواب یہ دیا گیا کہ اگر انھوں نے اب تک وہی طریقہ جاری رکھا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ یعنی عشر دے رہے ہیں تو پھر وادی سب کو ان کے پاس چھوڑ دو۔ ورنہ تو وہ بارش کی مکھی کی طرح ہے جو چاہے کھائے۔

مذکورہ روایت سے چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں جو ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔۔۔۔ عشر کی علت حدیث باب میں حتی ہے یعنی غیر کی مداخلت کو روک دینا۔ تو اس کی تخصیص کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے اس سے عشر لینے کا حکم نافذ فرمایا۔ (بقیہ)

۲۔۔۔۔ اگر حتی کی وجہ سے تخصیص نہ فرماتے تو پھر حضرت عمرؓ عشر نہ دینے کی صورت میں وادی سلبہ کے واپس کرنے کا حکم کیوں فرماتے۔ اور لوگوں میں اس کی تقسیم کر دینے کا حکم کیوں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ شہد میں عشر کے وجوب کی علت وہ ہے جو صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے۔ وہ تو سلبہ کی تخصیص کے بغیر بھی ہوتا ہے تو پھر اس صورت میں حضرت عمرؓ نے حکم کیوں نہیں فرمایا۔ اور اس کے بجائے عشر نہ دینے کی صورت میں زمین کے واپس لینے کا حکم نافذ کرنا جیسا کہ ابو سیارہ کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اسی بات کی صراحت کر رہی ہے کہ عشر کی علت شہد میں حدیث باب میں حتی کا وجود ہے نہ کہ وہ جس کو صاحب ہدایہ کہتے ہیں۔

واضح ہو: یہاں پر یہ بحث چھیڑنے سے مقصود یہ ہے کہ جب وادی سلبہ کو بلال کی شہد کی مکھیوں کے لیے خاص کر دینے کی وجہ سے عشر ہو سکتا ہے تو اس اراضی میں بھی جس کو شہتوت کے درخت لگانے کے لئے خاص کر لیا ہے تاکہ ریشم کے کیڑے کی غذا بن سکے اور تجارت جاری وساری رہے تو اس تخصیص کی وجہ سے اس میں بھی عشر لازم ہونی چاہیے۔

اور جن اراضی کو درخت اگانے ہی کے لئے خاص کر لیا جاتا ہے تو ان میں عشر لازم ہوتا ہے۔

جب کہ درخت ہی مقصود ہو، جیسا کہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

لو اتخذها مقصبة أو مشجرة أو منبتا للحشيش يجب فيها العشر

اگر کسی نے کسی اراضی کو بانس، گھاس، درخت اگانے ہی کے لئے خاص کر لیا ہے تو اس میں عشر لازم ہو جاتا ہے۔

لیکن جب کسی اراضی کو درخت اگانے کے لئے خاص کر لیا ہے لیکن وہ درخت بذات خود مقصود نہیں ہے بلکہ ریشم کے کیڑے کے لئے غذا یا کہ تجارت مقصود ہے تو اس میں بھی عشر لازم ہوگا۔

صاحب بدائع فرماتے ہیں۔

فيمن اشترى أرض أرض عشر للتجارة او اشترى أرض خراج للتجارة ان فيها العشر او الخراج ولا تجب زكاة التجارة مع أحدهما۔ (۱)

جن اراضی کو تجارت کی غرض سے خریدی گئی ہے۔ اگر عشری ہے تو عشر اور خراجی ہے تو خراج اور تجارت کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ خواہ عشری صورت ہو خواہ خراجی۔

حاصل کلام

تمام مذکورہ دلائل کی روشنی میں یہ برآمد ہوتا ہے کہ ریشم میں عشر ہے۔ جس طرح مذکورہ صورت کے ساتھ شہد میں عشر لازم ہوتا ہے۔ فقد بر وغیر کثیر۔

پھل نہ دینے والے درختوں کے عشر کی شرعی حیثیت

جن درختوں میں پھل نہیں ہوتے اس کے اگانے کے دو طریقے اپنائے جاتے ہیں۔

ا ــــــ یہ کہ کھیتوں کے کنارے کھیتیوں کے آخری حدود پر کھیتوں کی جائداد کی حفاظت کی خاطر لگا دیئے جاتے ہیں جیسے ہمارے دیار میں ببول اور کیکر کے درخت کو لگا دیا جاتا ہے۔

ب ــــــ یہ کہ وہ درخت جس کے اندر پھل کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور پھل ہوتا ہی نہیں ہے۔ اس کو ایک زمین

---

(۱) بدائع ۲/۵۸۔

میں اگانے کے لئے خاص کرلیا ہے تو اس تخصیص کی وجہ سے اس میں عشر لازم ہوگا۔

حاصل بحث

حاصل بحث یہ ہے کہ مذکورہ دو صورتوں میں سے اوّل صورت میں غیر پھل دار درخت میں عشر نہ ہوگا لکونہا غیر مقصودۃ فی نفسہا کیونکہ یہ غیر مقصود ہے اور غیر مقصود میں عشر نہیں ہوتا۔ (۱)

اور دوسری صورت میں عشر لازم ہوگا۔

صاحب ھدایہ فرماتے ہیں: ولو اتخذھا مقصبۃ أو مشجرۃ أو منبتا للحشیش یجب فیہا العشر (۲)

کہ اگر کسی اراضی کو درخت و بانس، گھاس وغیرہ کے اگانے کے لئے خاص کرلیا تو اس میں عشر لازم ہے۔

افتادہ اراضی یا چھتوں پر سبزیوں کی کاشت کرنے پر عشر نہیں ہے۔

عشر کا تعلق زراعتی اراضی سے ہے پھر یہ کہ مقصود بالذات ہو۔ افتادہ اراضی میں یا چھتوں پر سبزیوں کی کاشت کرنا غیر مقصودی اشیاء کے تحت داخل ہوگا۔ اور غیر مقصودی اشیاء پر عشر لازم نہیں ہوتا لکونہا غیر مقصودۃ فی نفسہا۔ (۳)

علامہ عبدالرحمٰن جزیری فرماتے ہیں: ان یکون الخارج منہا مما یقصد بزراعتہ استغلال الارض ونماءھا (۴)

عشر کے منجملہ شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ زراعت کا مقصد غلہ کا حصول اور نماء ارض ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں غیر مقصود کے معنی پائے جانے کی وجہ سے عشر لازم نہ ہوگا۔

اراضی اوقاف پر عشر لازم ہے

اراضی اوقاف کی نوعیت خواہ کسی طرح کی ہو اس پر عشر لازم ہوگا خواہ وقف علی اللہ ہو یا وقف علی الاولاد۔ بہر دو صورت ما اخرجت الارض کے معنی پائے جانے کی وجہ سے عشر لازم ہوگا۔ رہا ملکیت تو عشر کے لئے خارج شرط ہے۔ نہ کہ چہار و بھی۔ فلا اشکال فیہ۔ (۵)

---

(۱) فتح القدیر ۲/۲ (۲) ھدایہ مع الفتح ۲/۲

(۳) فتح القدیر ۲/۲ بدائع الصنائع ۲/۷۰ (۴) کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ ۱/۲۱۹ (۵) شامی ۲/۳۲۹

چھٹے فقہی سیمینار کے سوال نامہ کے جوابات

از ——— حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی (دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

جواب محور اول

اسلام میں حسب ذیل زمینیں عشری قرار دی گئی ہیں: اصل عرب کی پوری سرزمین جس کی حدبندی فقہاء نے کردی ہے، اس میں عراق و شام شامل نہیں ہیں، (واضح رہے کہ اردن، لبنان، فلسطین بشمول اسرائیل، شام ہی کا جز تھے) اور اس علاقہ کی زمینیں جہاں کے باشندوں نے بخوشی اسلام قبول کرلیا وہ سرزمین جسے مسلمانوں نے بذریعہ جنگ فتح کیا، اور امام نے اسے خمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں تقسیم کردیا، اور وہ زمین جو پہلے کسی مسلمان کا گھر تھی مگر بعد میں اس کے مالک نے اسے باغ بنالیا، بشرطیکہ اس باغ کی سینچائی عشری پانی سے ہوتی ہو، وہ افتادہ (ارض موات اور قدیم) زمین جسے امام کی اجازت سے کسی مسلمان نے قابل کاشت بنایا ہو اور اس کی سینچائی عشری پانی سے ہوتی ہو۔

نوٹ:-

عشری پانی وہ ہے جو بارش، کنوؤں، قدرتی چشموں اور ایسے بڑے قدرتی دریاؤں سے حاصل شدہ ہو جو کسی کے قبضہ و ملکیت میں نہ ہوں۔ (جیسے عرب میں دجلہ و فرات اور ہندوستان میں گنگا و جمنا وغیرہ) عشری زمین اور عشری پانی کی مذکورہ بالا تفصیلات کتاب و سنت نیز تعامل صحابہ سے ثابت ہیں۔ جس کی پوری تفصیل فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب[1] بدائع الصنائع ص۵۶ ج۲ میں موجود ہے، اسی کا ایک مختصر اقتباس یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ ......

---

[1] طبعہ اول ۱۳۲۷ھ مطبع شرکۃ المطبوعات العلمیۃ، مصر

"ماء العشر هو ماء السماء والآبار والعيون والأنهار العظام التي لا تدخل تحت الأيدي كسيحون وجيحون ودجلة وفرات ونحوها"

عصر حاضر کے مشہور مصری عالم شیخ یوسف القرضاوی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "فقہ الزکاۃ" ([illegible]) میں مستخرج اندازے عشری وخراجی زمینوں کی جو تفصیل (ابوعبید کی کتاب "الاموال" نیز امام ابویوسف کی کتاب "الخراج" ودیگر کتب معتبرہ کے حوالے سے) ذکر کی ہے، وہ بھی اسی کے قریب ہے۔ کتب فقہ کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ "عشری" کے علاوہ بقیہ اکثر زمینیں خراجی ہیں اور کچھ ایسی بھی ہیں جو یقیناً نہ خراجی ہیں نہ عشری۔ معلومہ و مرسومہ کے بارے میں فقہ اکیڈمی کی طرف سے ضروری معلومات جلد فراہم کرنے کا وعدہ سوالنامہ کے ساتھ منسلک خط میں کیا گیا تھا مگر وہ ابھی تک دستیاب نہیں کرائی گئیں۔

انگریزی دور کی ہندوستانی زمینوں کا حکم

جواب محور چہارم

(۱) سوالنامہ میں صرف آزادی ہند ۱۹۴۷ء اور قانون تنسیخ زمینداری کے بعد کی زمینوں کی بابت سوال کیا گیا ہے، لیکن اس سوال (۱۹۴۷ء کے بعد کی صورت) کا جواب دریافت کرنا اس وقت تک راقم کے نزدیک ممکن نہیں تھا جب تک اس سے ماقبل کی صورت کا حکم معلوم نہ ہو۔ اس لیے یہاں پہلے ۱۹۴۷ء سے قبل اور انگریزی حکومت قائم ہونے کے بعد کی صورت کا حکم بیان کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اس کے بعد سوالنامہ میں مذکور صورت حال کا جواب دینے کی سعی کی جائے گی۔ (واللہ الموفق)

۱۹۴۷ء سے پہلے مسلمانوں کی ملکیت والی زمینوں کا حکم

خوش قسمتی سے اس وقت ۱۹۴۷ء سے قبل ہندوستان میں ایسے جلیل القدر علماء بکثرت موجود تھے، جو ایک طرف فقہی بصیرت، دقت نظر اور وسعت معلومات میں ممتاز تھے تو دوسری طرف عوام کو پورا اعتماد انہیں حاصل تھا کہ ان کے فتاوے اور فیصلے سکۂ رائج الوقت کی حیثیت رکھتے تھے مزید خوشی و اطمینان کی بات یہ ہے کہ ان اکابر علماء کے اس موضوع سے متعلق فتاوی بھی مطبوعہ

شکل میں موجود دستیاب ہیں۔ اس فہرست میں حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی (سابق مفتی اعظم دارالعلوم) قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی اعظم مولانا مفتی محمد کفایت اللہؒ دہلوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ (سابق مفتی اعظم پاکستان) شامل ہیں۔

عشر وخراج واجب قرار دینے والے

ان حضرات میں مقدم الذکر دو کو چھوڑ کر بقیہ سب حضرات ہندوستانی زمینوں کے مسلمان مالکوں پر عشر وخراج، عشری پر عشر اور خراجی پر خراج، لازم قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ کے مجموعۂ فتاوی "فتاوی رشیدیہ" کے اندر "باب العشر والخراج" (ص ۳۵۵ تا ص ۳۶۲ مطبوعہ رحیمیہ دیوبند) میں متعدد فتاوی اس مضمون کے موجود ہیں۔ اسی طرح حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے شہرۂ آفاق "امداد الفتاوی" نامی مجموعۂ فتاوی کی جلد دوم میں متعدد فتوی اس موضوع پر ملتے ہیں مثلاً ص۵۱، ص۵۲، ص۵۳، ص۵۴، ص۵۵، ص۵۶ (ناشر ادارہ اشرف العلوم کراچی) [1]۔ ایسے ہی مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی کے مطبوعہ مجموعہ فتاوی "کفایت المفتی" کی جلد چہارم کے ساتویں باب عشر وخراج میں ص۲۸۸، ص۲۸۹، ص۲۹۰، ص۲۹۱) متعدد فتاوی اس سے متعلق مذکور ہیں۔ اسی کے مثل حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی کی مقالات کا مجموعہ "جواہر الفقہ" میں شامل ایک مقالہ کے اندر اس مسئلہ میں پوری تحقیق مع نہایت تفصیلی دلائل کے ملتی ہے [2]۔

عشر واجب قرار نہ دینے والے

البتہ مقدم الذکر حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی نے ہندوستانی زمینوں کو عشری وخراجی بظاہر تسلیم کرنے کے باوجود عشری زمین پر مسلمانوں کے ذمہ عشر کو غیر لازم اس بنا پر قرار دیا ہے کہ چونکہ وہ ان زمینوں کا ٹیکس (خراج) حکومت وقت کو دیتے ہیں۔ اور ایک زمین پر بیک وقت دو محصول (عشر وخراج) لازم نہیں ہوتے۔ اس فتوے پر تفصیلی گفتگو آگے آرہی ہے، اسی قسم کا ایک فتوی

---

[1] مثلاً ص۵۱، ص۵۲، ص۵۳، ص۵۴، ص۵۵، ص۵۶ ناشر ادارہ اشرف العلوم کراچی۔ [2] دیکھئے جواہر الفقہ جلد دوم (ص [illegible] تا ص [illegible]) ناشر مکتبہ تفسیر القرآن دیوبند۔ [3] مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحی جلد دوم ص [illegible] مطبوعہ یوسفی پریس فرنگی محل

حضرات فقہاء مذکورہ ارشادات سے بعض اہل علم کو یہ اشتباہ پیدا ہوگیا کہ انگریزی تسلط کے بعد ہندوستان کو دارالحرب قرار دیدیا گیا، تو اس کی سب زمینیں خواہ وہ غیر مسلموں کی ملک ہوں خواہ مسلمانوں کی ملکیت میں، نہ عشری رہیں نہ خراجی، پھر اس کے نتیجہ میں بعض علماء (غالباً مفتی عزیز الرحمن ہی مراد ہیں) نے تو ہندوستان کے مسلم مالکان اراضی کو بالکلیہ عشر و خراج سے مستثنیٰ قرار دیدیا۔ پھر کچھ اور تفصیلات ذکر کرنے کے بعد مفتی صاحب لکھتے ہیں :۔ "دراصل بات یہ ہے کہ خود یہ مسئلہ غور طلب ہے، کہ اراضی دارالحرب کے عشری اور خراجی دونوں سے خارج کرنے کا مطلب کیا ہے؟ غور کرنے پر شرح سیر کی عبارت سے حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے وہ یہ ہے کہ دارالحرب سے اس جگہ وہ دارالحرب مراد ہے جو اصل سے دارالحرب ہے۔ اس پر نہ کسی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی اور نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا تصور ہے، ایسے دارالحرب کے زمینوں پر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہیں ہوں گی بلکہ کفار اہل حرب کی ملک ہوں گی، اس لیے ایسے دارالحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی، شرح سیر کی عبارت اس مضمون کے لیے بالکل واضح ہے اور اس کے الفاظ ذیل میں مکرر نقل کی جاتے :

"لان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وھذہ اراضی اھل الحرب"[1]

ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ تقریباً آٹھ سو برس دارالاسلام رہا جہاں لاکھوں مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے آج تک مالک چلے آرہے ہیں، غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ اس ملک کو دارالحرب کہا جائے گا، لیکن یہ دارالحرب، اصلی دارالحرب سے مختلف ہوگا، اس لیے شرح سیر اور شامی[2] کی روایت اس پر منطبق نہیں، بلکہ جب یہاں مسلمانوں کی ملکیت میں زمینیں ہیں تو ان پر عشر و خراج کے احکام عائد ہوں گے، شرح سیر کی عبارت خود اس کے لیے کافی دلیل ہے، "امداد الفتاوی"[3] میں حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہٗ کی تحقیق بھی اس کے قریب قریب ہے، پھر حضرت تھانوی کی تحقیق تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :۔ "خلاصہ یہ کہ جس ملک میں مسلمانوں کی اپنی ملکیت میں زمینیں موجود ہوں ان پر احکام شرعیہ عشر و خراج عائد ہوں گے، اگرچہ اپنی بداعمالیوں سے وہ ملک اسلامی اقتدار سے نکل کر دارالحرب بن گیا ہو۔" موجودہ اکابر علماء میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ اپنے "احسن الفتاوی" نامی مجموعہ

۱؎ خلاصہ جواہر الفقہ ج۱ ص ۴۹۳ تا ۴۹۹ ۔ ۲؎ ج ۳ ۔ ۳؎ ج ۳ ص ۳۰۱ ۔

قانون نے یہ بات بتائی۔ حضرت گنگوہی کے فتوے سے بھی یہی بات مستفاد ہوتا ہے[1]۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ اس وقت زمینداری کے خاتمے کے بعد، جن لوگوں کے تصرف میں جو زمینیں پہلے سے ہیں یا حکومت نے خاتمۂ زمینداری کے بعد دیدی ہیں، وہ لوگ قانوناً ان زمینوں پر بلا اجازت حکومت مالکانہ تصرفات مثلاً خرید و فروخت، ہبہ و رہن کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کرسکتے ہیں تو وہ مالک ہیں اور ان پر عشر یا خراج (حسب تفصیل سابق) واجب ہوگا، اور اگر وہ قانوناً ایسے تصرفات (جو ملکیت کے علامات ہیں) نہیں کرسکتے تو دریں صورت حکومت مالک ہوگی وہ لوگ مالک نہیں سمجھے جائیں گے، بلکہ مستعیر یا مستاجر ہوں گے جس کا تعین صحیح صورت حال معلوم ہو جانے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ اور اس کے بعد ہی حکم شرعی لگانا ممکن ہوگا۔

جن اراضی کا عشری یا خراجی ہونا معلوم یا متعین نہ ہوسکے تو اگر اس کے مالک مسلمان ہیں تو ان اراضی کی پیداوار سے انہیں عشر نکالنا ہوگا، اوپر بھی فقہا یہ مسئلہ آچکا ہے، وہاں اس کی دلیل کے طور پر شامی کی یہ عبارت نقل کی گئی ہے:

"صرحوا بان فرضیة العشر ثابتة بالکتاب والسنة والاجماع والمعقول وبانہ زکاة الثمار والزروع وبانہ یجب فی الارض الغیر الخراجیة وبانہ یجب فیما لیس بعشری ولاخراجی[2]"

ایسا ہی ایک جزئیہ درمختار (مع رد) میں مذکور ہے وہ عبارت بھی اوپر گذر چکی ہے۔

کیا سرکار کو مال گذاری دینے سے عشر وخراج ادا ہو جائے گا؟

عشر کی ادائے گی

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ جن لوگوں پر عشر یا خراج واجب ہے وہ حکومت غیر مسلمہ کی طرف زمینوں پر عائد کردہ مال گذاری ادا کردیں تو اس سے ان پر واجب حق عشر یا خراج کی ادائے گی ہو جائے گی یا نہیں؟ اس سوال کا ایک جواب حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کے مجموعۂ فتاویٰ ص ۳۱۹ ج ۲ کے حوالے سے پہلے گذر چکا ہے کہ مولانا کے نزدیک سرکار کو مال گذاری (خراج) دینے سے عشر بھی ادا ہو جاتا ہے، مولانا

[1] دیکھئے فتاوی رشیدیہ/۳۵۹ [2] رد المحتار ۲/۵۰ - ۲ [ ] ۴۹-۴۸/۲ -

نقد کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ غرض یہ کہ حضرات علماء دیوبند (جو عشر کے وجوب کے قائل ہیں) وہ سب کے سب اس رائے کے مخالف ہیں کہ سرکاری مال گذاری کرنے سے عشر ساقط ہو جاتا ہے بلکہ ان سب کے نزدیک عشر کی ادائے گی ذمہ پر رہتی ہے۔ کیونکہ عشر عبادت ہے جس طرح زکوٰۃ (کہ انکم ٹیکس دینے سے وہ ساقط نہیں ہوتی) اس لیے یہی حکم شرعی راجح بلکہ متعین ہو جاتا ہے کہ سرکاری مال گذاری دینے سے عشر ساقط نہ ہوگا۔ بلکہ وہ اس کے مصرف (فقراء وغیرہ کو) میں دینا ضروری ہوگا۔ (مفتی عزیز الرحمٰن کے بعض فتوٰی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی مال گذاری دینے سے عشر کے سقوط کے قائل تھے۔ مگر یہ فتوے اس دور کے ہیں جب مفتی صاحب ہندوستان کی زمینوں سے عشر و خراج دونوں کے ساقط ہونے کے قائل ہو گئے تھے۔ لہٰذا اس "سقوط عشر" کا مطلب گویا عدم وجوب ہوا۔ چنانچہ ان فتاوٰی کے فاضل مرتب نے تقریباً یہی توجیہ کی ہے اس قسم کے فتووں کی)

خراج کی ادائے گی

عشر کے بارے میں حکم شرعی متعین ہو جانے کے بعد اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ خراجی زمینوں کی، سرکاری مال گذاری (غیر مسلم حکومت کو) ادا کرنے سے کیا خراج مالک زمین کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء دیوبند کی آراء بھی مختلف معلوم ہوتی ہیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ کے نزدیک غیر مسلم حکومت کو زمین کی مال گذاری دینے سے خراج ساقط نہیں ہوگا بلکہ عشر کی طرح مالک زمین کے ذمہ ہے کہ وہ مصارف خراج (معلمین، ائمہ مساجد وغیرہم) میں صرف کرے البتہ مسلم حکومت ہو تو خراج کی نیت سے اسے اگر مال گذاری دی گئی ہے تو خراج ساقط ہو جائے گا۔[1][2]

ان دونوں حضرات (مفتی محمد شفیع اور مفتی رشید احمد صاحبان) کا استدلال یہ ہے کہ چونکہ حکومت غیر مسلمہ خراج کو اس کے اصل مصرف (جن میں اہم ترین اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور اسلامی حکومت کا دفاع ہے) میں خرچ نہیں کرتی، بلکہ وہ اس کی اہل ہی نہیں، اس لیے ایسی حکومت کو زمین کی مال گذاری دینے سے شریعت کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی اور چونکہ مسلم حکومت ملکی دفاع پر بہت بڑی رقم صرف کرتی ہے جو خراج کا اہم ترین مصرف ہے اس لیے خراج ادا ہو جائے گا، بشرطیکہ خراج دینے کی نیت کی

---

[1] جواہر الفقہ ۲/۲۷۵ ـ ۲۷۶ [2] جواہر الفقہ ۲/۲۶۶ تا ۲۶۸، احسن الفتاوی ۴/۳۳۹۔

اور قطعی طور پر ثابت و متعین بھی نہیں ہیں، جیسے کہ زکوٰۃ کے۔ اس لیے خراج کی رقم زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ کی جا سکتی ہے۔ اس کا عکس درست نہیں۔ اور جب یہ بھی درست ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے بھی غیر مسلم کو وکیل بنایا جا سکتا ہے۔ (اسی بنا پر بذریعہ منی آرڈر زکوٰۃ بھیجے جانے کا جواز ہے[2]) تو خراج کی ادائیگی کے لیے غیر مسلم کو وکیل کیوں نہیں بنایا جا سکتا؟ ظاہر ہے کہ حکومت کی حیثیت وکیل کی اور اس کے کارندوں کی وکلا جیسی ہی ہوتی ہے جو کہ خراج دہندہ سے لے کر مصارف پر خرچ کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں، یہ بات بھی محتاج بیان نہیں کہ غیر مسلم حکومت بھی ان بہت سے مصارف میں کثیر رقمیں خرچ کرتی ہے، جو خراج کے مصارف ہیں، مثلاً سڑکوں، پلوں کے بنانے، نہروں کے نکالنے اور مریضوں کے علاج و معالجہ میں، اور اب تو ہندوستان میں کئی صوبوں (مثلاً بہار، یوپی) کے اندر حکومت، عربی مدارس کے اساتذہ و طلبہ پر بھی خطیر رقمیں خرچ کر رہی ہے، تو پھر بعض ایک دو مصرفوں میں (مثلاً دفاع میں) خواہ وہ کتنے ہی اہم ہیں، خرچ نہ کرنے سے غیر مسلم اور مسلم حکومتوں کے احکام میں فرق کیوں کر ہو جائے گا؟ کفار کا اہل خراج، یعنی خراج وصول کرنے کی اہلیت کا حامل ہونا بھی مذکورہ قرائن کے علاوہ، ان کے فتاویٰ سے معلوم ہو رہا ہے جو مال گذاری دینے سے خراج کے ساقط ہو جانے کے قائل ہیں[1] اور یہ تو سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ خراج میں تملیک ضروری نہیں اور اس کا مصرف غیر مسلم بھی ہیں، جب کہ زکوٰۃ و عشر کا نہیں ہیں، (دلائل پہلے گذر چکے ہیں) اس لیے عشر اور خراج کے احکام میں فرق، کہ عشر ادا نہ ہو اور خراج ادا ہو جائے، فطری اور فقہی ہے، رہا یہ اشکال کہ غیر مسلم حکومت ہر مد کی آمدنی اس کے صحیح مصرف میں لگانے کے لیے الگ کر کے اسی کے مصارف پر خرچ نہیں کرے گی، تو یہ اشکال آج کل کی مسلم حکومتوں کے بارے میں بھی ہے، کیوں کہ آج کل مسلم حکومتوں پر جس قسم کے لوگ مسلط ہیں، ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ہر مد کی رقم کو الگ رکھ کر اسی کے مصارف میں خرچ کرتے ہوں گے، حقیقت سے شدید بے خبری کا ثبوت دینا ہوگا، لہٰذا اس بنا پر بھی مسلم غیر مسلم حکومتوں کے درمیان فرق کرنا درست نہیں، پھر آج کی نام نہاد مسلم حکومتیں دفاع کے نام پر جس طرح بے دریغ خرچ کرتی ہیں، اگر فوجیوں کے لیے شراب جیسی ملعون چیز کا اہتمام تک ضروری سمجھا جاتا ہے، اسے صحیح مصرف میں خرچ کرنے کا مصداق قرار دینا تعجب خیز ہے۔

۱؎ شامی ۳/۲۶۵۔

۲؎ ۲/۲۳، امداد الفتاویٰ۔

اوپر کی تفصیل سے جب یہ بات سامنے آئی کہ "خراج" کی ادائے گی غیر مسلم حکومتوں کو مال گذاری دینے
ں ہو جاتی ہے تو اب اس سوال کا جواب کہ موجودہ ہندوستان میں مسلمان خراج کی ادائے گی کس شرح
طرح کرے "خود نکل آیا، وہ یہ کہ جس شرح سے جو محصول حکومت کی طرف سے مقرر ہے، اس کی ادائے گی خراج
لئے سمجھی جائے گی، یہی بات ان اکابر کے فتاوے سے سمجھ میں آتی ہے، جنہوں نے سرکاری مال گذاری سے
خراج کے سقوط کا فتویٰ دیا ہے، ویسے اصولاً خراج موظف حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ معیار سے کم و بیش نہ
چاہیے، اگر وہ اُن کے دور میں قابل تحمل ہو، اگر نہ ہو تو کمی کی جا سکتی ہے، مگر کل پیداوار کے نصف سے زیادہ
پس سے کم نہ ہونا چاہیے۔ یہاں یہ بات فراموش نہ ہو کہ خراج کی ایسی تحدید منصوص و قطعی نہیں ہے جیسی
زکوٰۃ کی، اس لیے اس کے اندر کمی و بیشی اتنی سنگین بات نہیں ہے جتنی کہ زکوٰۃ کے بارے میں ہے، اصلاً خراج
ت نہیں، العشر عبادت ہے۔

"لان فی العشر معنی العبادة وفی الخراج معنی الصغار"

یوں جب راستے کا [illegible] (اماطة الاذی عن الطریق) بھی موجب اجر ہے تو خراج
سے جن مریضوں کا علاج ہوگا یا جن راہ گیروں کو سڑکوں کے بن جانے سے راستہ چلنے اور پلوں سے
پار کرنے میں آسانی ہوگی اور حکومت کی طرف سے کھودی گئی نہروں سے جو اپنے کھیتوں کو سیراب کریں گے
ان لوگوں کے دل سے جو دعا نکلے گی تو اس کا فائدہ نیز اجر کا استحقاق خراج دینے والے کو ہونا بھی بدیہی
واضح رہے کہ یہ سب بھی خراج کے مصارف ہیں۔ ھدایہ اولین ص

صاحب بدائع جو فقہی مسائل کے تجزیہ و تحلیل میں بہت فائق ہیں "انہوں نے عشر سے نصف عشر ہو جانے
عقلی دلیل دی ہے یا بالفاظ دیگر علت یا حکمت بتائی ہے اس کا تقاضا بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر دوسرے
سے بھی پیداواری اخراجات میں اضافہ ہو جائیں گے تو شرعاً یہ سہولت اس وقت بھی حاصل ہونی چاہیے،
کی عبارت یہ ہے:

"لان العشر وجب مؤنة الارض فیختلف الواجب بقلة المؤنة وکثرتها"

یعنی عشر کے بجائے نصف عشر کا وجوب ہو جانا چاہیے، لیکن اخراجات کو منہا کر کے عشر یا نصف

[illegible] بدائع [illegible]

عشر کی ادائے گی درست نہیں، کیوں کہ کل پیداوار سے عشر یا نصف عشر نکالنا ہی ضروری ہے، تمام کتب فقہ میں یہ حکم (؟) ہے، مثلاً دیکھیے ہدایہ اولین[۲۴]۔

عالمگیری میں ہے:

"لا تحتسب اجرة العمال ونفقة البقر وکری الانهار...... وغيرة ذلك فيجب اخراج الواجب من جميع ما اخرجته الارض عشرا او نصفا[۲۵]۔"

جن اراضی کی کاشت بٹائی پر ہوتی ہے، اس میں عشر کی ادائے گی راجح قول کی بنا پر جو کہ صاحبین کا ہے، دونوں پر ہر ایک کے حصے کے بقدر واجب ہے، خواہ بٹائی دار غیر مسلم ہی ہو، ظاہر ہے کہ عشری زمین کا مالک تو مسلمان ہی ہوگا: بدائع میں ہے:

"ولو دفعها مزارعة فاما على مذهبهما (الصاحبين) فالمزارعة جائزة والعشر يجب فى الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما[۲۶]۔"

اور اس عبارت سے چند سطر قبل یہ ہے:

"ولو اعارها من کافر فکذالك الجواب (يجب العشر على المستعير الكافر) لان العشر عندهما فى الخارج على كل حال[۲۷]۔"

یہاں ایک وضاحت بھی بے محل نہ ہوگی کہ عشر کے وجوب کے لیے احناف کے نزدیک نہ تو کوئی نصاب مقرر ہے بلکہ پیداوار کی مقدار پر واجب عشر نکالنا واجب ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ چیز جس کا عشر نکالنا ضروری ہے صرف اناج ہو یا اس کی طرح ذخیرہ پذیر چیز ہو، اس لیے سبزی، پھل، ترکاریوں سے عشر نکالنا بھی حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، یہ مسائل بھی تمام کتب متعلقہ میں ملتے ہیں مثلاً دیکھیے بدائع[۲۸] اور حنفیہ کے اس مسلک کا دلائل کے رو سے راجح ہونا بہت سے غیر حنفی ممتاز فقہاء نے بھی تسلیم کیا ہے، جن میں مشہور مالکی فقیہ قاضی ابن العربیؒ بھی ہیں، اور شافعی عالم یوسف القرضاوی بھی، دیکھیے "فقہ الزکاۃ" میں[۲۹]۔

---

۲۴ / ۱۸۳، ۲۵ ۱/۱۸۶ مطبوعة المطبعة الكبرى ببولاق، ۲۶ بدائع ۲/۵۵، ۲۷ ۲/ ۵۹،

۲۹ ۱/۳۵۶۔

اسلام کا نظام عشر و خراج

از:- مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

زکوٰۃ ـــــ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے تیسرا اہم ترین رکن ہے، جس کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے، کتاب وسنت میں زکوٰۃ کی ادائے گی کی تاکید وفضیلت اور عدم ادائے گی پر بہت سخت وعیدیں بھی آئی ہیں۔ ـــــ زکوٰۃ ایک مستحکم فریضہ ہے جس کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس ترین کتاب قرآن کریم میں اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ادائے گی زکوٰۃ کا حکم متعدد جگہوں میں دیا ہے۔

زکوٰۃ کی ادائے گی میں غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی مدد ہے جو باعث رضائے الٰہی ہے، زکوٰۃ دینے سے گناہ دھلنے کے ساتھ ساتھ ایمانی وروحانی قوت بھی حاصل ہوتی ہے اور انسانی قلب وجگر عرفان الٰہی کی مقدس روشنی سے منور وروشن ہوتا ہے۔ اس سے اخلاق حمیدہ میں جلا پیدا ہوتی ہے اور اخلاق رذیلہ سے صفائی ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت کی جانب سے مال داروں پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ وہ اموال کی زکوٰۃ نکال کر غربا ومساکین کا حق ادا کریں، اس لیے مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ زکوٰۃ کے ضروری مسائل معلوم کرکے اس پر عمل کریں، اور اپنے ان تمام اموال کی زکوٰۃ نکالا کریں جن پر زکوٰۃ فرض ہے۔

زکوٰۃ جس طرح سونے، چاندی اور اموال تجارت پر فرض ہے اسی طرح زمین کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ فرض ہے جس کو اصطلاح شرع میں عشر کہتے ہیں ——— عشر چونکہ زکوٰۃ ہی کی ایک قسم ہے اس لیے بہت سے فقہاء نے عشر کے مسائل کو "باب زکاۃ الزروع والثمار" کے تحت ذکر کیا ہے، لہٰذا زکوٰۃ کی ادائے گی پر ثواب اور عدم ادائے گی پر عتاب کے سلسلہ میں جتنی آیات و روایات آئی ہیں ان سب کا تعلق عشر سے بھی ہوگا۔ اور عشر ادا کرنے والے اور عشر ادا نہ کرنے والے ان وعدہ و وعید کے مستحق ہوں گے جو کتاب و سنت میں زکوٰۃ کی ادائے گی اور عدم ادائے گی پر کیے گئے ہیں۔

چوں کہ عام طور سے لوگ عشر و خراج کے مسائل سے ناواقف ہیں اور اس کی ادائے گی میں کوتاہی کرتے ہیں بلکہ بہت سے لوگ غلط فہمی میں بھی پڑے ہوئے ہیں اس لیے اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے اٹھایا جانے والا یہ موضوع "اسلام کا نظام عشر و خراج اور ہند و پاک کی اراضی کا شرعی حکم" نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اکیڈمی کے ذمہ داروں کو اور عمرآباد میں ہونے والے چھٹے فقہی سمینار کو کامیاب بناتے ہوئے علماء و محققین کے قلم سے ہونے والے فیصلہ کو صحیح اور لائق عمل بنادے۔

میں اپنے اس مقالہ میں پہلے عشر کے موضوع پر ترتیب وار چند باتیں ذکر کروں گا جو درج ذیل ہیں پھر خراج کے موضوع پر کچھ تفصیل بیان کی جائے گی۔

(۱) وجوب عشر کا ثبوت کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے۔

(۲) عشر کی لغوی و اصطلاحی تعریف۔

(۳) سبب وجوب عشر۔

(۴) وجوب عشر کی شرطیں۔

(۵) وہ اسباب جن سے عشر ساقط ہو جاتا ہے۔

(۶) عشر کی مقدار۔

(۷) عشری زمین۔

(۸) عشری اور خراجی پانی کی تحقیق۔

(۹) خراجی زمین عشری کب بنتی ہے۔

(۱۰) عشری زمین کے سلسلہ میں دورِ رسالت اور دورِ صحابہ کے کچھ فیصلے۔

(۱۱) عشر و خراج کے درمیان فرق۔

(۱۲) عشری اور خراجی زمین کے درمیان فرق۔

عشر کا وجوب قرآن کریم سے

عشر کی فرضیت کتاب و سنت سے بھی ثابت ہے اور اجماعِ امت اور قیاس سے بھی، صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانی رح عشر کی فرضیت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

أما الأول: فالدليل على فرضيته الكتاب والسنة والإجماع والمعقول۔(۱)

عشر کی فرضیت کی دلیل کتاب و سنت بھی ہے اور اجماع اور عقل بھی۔

عشر کی فرضیت قرآن کریم کی دو آیتوں سے ثابت ہوتی ہے، پہلی آیت سورہ بقرہ کی ہے جس میں اپنی پاکیزہ اور حلال کمائی اور زمین کی پیداوار سے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض۔(۲)

اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ اور حلال کمائی اور زمین کی پیداوار سے خرچ کرو۔

دوسری آیت سورۂ انعام کی ہے جس میں زرعی پیداوار کا حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

هو الذي أنشأ جنات معروشات وغير معروشات والنخل والزرع مختلفاً أكله والزيتون والرمان متشابهاً وغير متشابه كلوا من ثمره إذا أثمر وآتوا حقه يوم حصاده۔ (۳)

اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور پر ہوتی ہیں

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۲۵ (۲) القرآن پ۳ سورہ بقرہ آیت: ۲۶۷

(۳) القرآن پ۸ انعام آیت: ۱۴۲

اور زیتون کو اور انار کو جو باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے، ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق واجب ہے وہ اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو۔ (بیان القرآن)

مذکورہ دونوں آیتوں کو بعض اہل علم نے صدقات نافلہ پر محمول کیا ہے، لیکن اکثر اہل علم نے ان دونوں آیتوں کو عشر ہی پر محمول کیا ہے اور صحیح اور راجح قول یہی ہے ———— چنانچہ تفسیر مظہری میں آیت کریمہ "ومما اخرجنا لکم من الارض" کے تحت قاضی ثناء اللہ پانی پتی تحریر فرماتے ہیں:

والصحيح أن الآية في الزكاة لأن الأمر للوجوب ولا وجه لحملها على التطوع فهذا أمر بإخراج العشر من خارج الأرض۔ (۱)

اور صحیح یہ ہے کہ آیت زکوٰۃ کے سلسلہ میں ہے اس لیے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور اس کو نفل پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، لہٰذا زمین کی پیداوار سے عشر نکالنے کا حکم ہوگا۔

قاضی صاحب دوسری آیت "وآتوا حقه يوم حصاده" کے ذیل میں رقم طراز ہیں:

اختلفوا في هذا الحق فقال ابن عباس وطاؤس والحسن وجابر ابن زيد وسعيد ابن المسيب إنه الزكوٰة المفروضة من العشر ونصف العشر لأن الأمر للوجوب ولفظ الحق غالب استعماله في الواجب والإجماع أنه لا واجب في المال إلا الزكوٰة۔ (۲)

یعنی "وآتوا حقه" میں حق کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، ابن عباس، طاؤس، حسن، جابر بن زید اور سعید بن المسیب اس بات کے قائل ہیں کہ حق سے مراد زکوٰۃ مفروضہ یعنی عشر اور نصف عشر ہے، اس لیے کہ امر وجوب کے لیے آتا ہے اور لفظ حق کا زیادہ تر استعمال واجب ہی کے معنی میں ہوتا ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں ہے۔

صاحب بدائع الصنائع عشر کی فرضیت پر آیت کریمہ "وآتوا حقه يوم حصاده" سے استدلال کرتے

---

(۱) تفسیر مظہری پ ۸/ ۲۰ (۲) تفسیر مظہری انعام ج ۳/ ۹۲ ؛ نیز دیکھیے الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۷/ ۹۹ (انعام) اور احکام القرآن للجصاص ج ۳/ ۹ ، انعام

ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ عام اہل تاویل اس بات کے قائل ہیں کہ حق مذکور عشر یا نصف عشر ہے۔

واما الكتاب فقوله تعالى " وآتوا حقه يوم حصاده " قال عامة اهل التاويل ان الحق المذكور هو العشر او نصف العشر (۱)

علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں کہ بہت سے اسلاف اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہاں پر حق سے مراد زکوٰۃ مفروضہ یعنی عشر یا نصف عشر ہے۔

ذهب كثير من السلف الى ان المراد بالحق هنا هي الزكاة المفروضة ای العشر او نصف العشر - (۲)

عشر کا وجوب حدیث سے

عشر کی فرضیت جس طرح قرآن کریم سے ثابت ہے اسی طرح احادیث صحیحہ اور روایات صحیحہ سے بھی ہے۔ متعدد صحیح روایات ہیں جن میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زرعی پیداوار پر عشر یا نصف عشر واجب قرار دیا ہے۔ معرفۃ السنن والآثار میں بخاری، موطا امام مالک، مسند احمد، ابن خزیمہ اور بغوی کی شرح السنۃ وغیرہ کے حوالے سے یہ روایت منقول ہے۔

فيما سقت السماء والعيون والبعل العشر وفيما سقي بالنضح نصف العشر (۳)

مسلم شریف، نسائی شریف، ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث میں بھی صحیح اور مستند روایات موجود ہیں جن سے زمین کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر کا ثبوت ملتا ہے ——————— اسی طرح صحابہ کرام کے آثار اور تابعین، محدثین، فقہاء اور ائمہ مجتہدین کے اقوال سے بھی عشری زمینوں کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر کا ثبوت ملتا ہے۔ تفسیر، شروحات حدیث اور فقہ و فتاویٰ کی مستند اور مشہور کتابوں میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۳۵۲

(۲) فقہ الزکاۃ ۳۴۳/۱

(۳) معرفۃ السنن والآثار ۳/۲۰۵

عشر کا وجوب اجماع سے

عشر کا وجوب جس طرح کتاب وسنت، آثار صحابہ اور اقوال تابعین، فقہاء وائمہ مجتہدین سے ثابت ہے، اسی طرح اس کا ثبوت اجماع امت سے بھی ہے۔ تفسیر اور فقہ و فتاویٰ کی مستند کتابوں میں عشر کے وجوب پر امت کا اتفاق اور اجماع نقل کیا گیا ہے ——— چنانچہ تفسیر کی مشہور اور مستند کتاب تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ آیت کریمہ "ومما أخرجنا لكم من الأرض" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

مسئلة: أجمع العلماء على وجوب العشر في النخيل والكروم وفيما يقتات من الحبوب إن كان مسقيا بماء السماء أو العيون أو الأودية والأنهار التي لا مؤنة فيها ونصف العشر إن كان مسقيا بغرب أو دالية. (۱)

یعنی اس بات پر اجماع ہے کہ کھجور، انگور اور غذائی اشیاء میں عشر واجب ہے، اگر اس کی سیرابی آسمان یا چشموں یا وادی یا نہروں کے پانی سے ہوئی ہو جس میں کوئی خرچ نہیں اور اگر ڈول وغیرہ سے سیرابی ہوئی ہو تو نصف عشر واجب ہے۔ فقہ و فتاویٰ کی شہرہ آفاق کتاب بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی نے عشر کی فرضیت پر امت کا اجماع نقل کیا ہے:

وأما الإجماع فلأن الأمة أجمعت على فرضية العشر. (۲)

معاصر علماء میں سے علامہ یوسف القرضاوی نے بھی اپنی کتاب "فقہ الزکوٰۃ" میں عشر کے وجوب پر امت کا اجماع نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو فقہ الزکوٰۃ کی عبارت:

وأما الإجماع فقد أجمعت الأمة على وجوب العشر أو نصفه فيما أخرجته الأرض في الجملة وإن اختلفوا في التفاصيل. (۳)

---

(۱) تفسیر مظہری ۳۲۰/۳

(۲) بدائع الصنائع ۶۲۹/۲

(۳) فقہ الزکوٰۃ ۳۴۸/۱

لیکن حدیث میں عشری زمین کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر کی تفصیل موجود ہے، یعنی اگر قدرتی پانی سے فصل تیار ہو ــــــ نہ پاشی وغیرہ میں کوئی خرچ نہ لگا ہو تو اس میں عشر یعنی دسواں حصہ اور اگر آب پاشی وغیرہ میں خرچ ہوا ہو تو اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے ــــــ البتہ فقہاء کی اصطلاح میں ان دونوں قسموں پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کو عشر ہی کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے اور دونوں قسموں کے مسائل کو عشر ہی کے عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے

سببِ وجوبِ عشر

جہاں تک سببِ وجوبِ عشر کا تعلق ہے تو تقریباً تمام کتبِ فقہ میں عشر کی فرضیت کا سبب زمین کا قابلِ کاشت اور پیداوار کا حقیقۃً موجود ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اگر زمین قابلِ کاشت نہیں ہے مثلاً بنجر زمین ہے یا مکان کی زمین ہے تو اس میں عشر یا نصف عشر واجب نہیں ہے۔ اور اگر قابلِ کاشت تو ہے لیکن پیداوار کسی آفتِ سماوی یا کسی بھی وجہ سے ضائع اور ختم ہو گئی تو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ اسی طرح زمین عشری اور قابلِ کاشت ہے اور کھیتی پر قدرت بھی ہے لیکن کسی وجہ سے کھیتی نہیں کر سکا تو بھی اس پر عشر واجب نہیں ہوگا اس لیے کہ سببِ وجوبِ عشر نہیں پایا گیا۔

اس سے ایک مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر کسی نے پیداوار کے حاصل ہونے سے قبل ہی عشر ادا کر دیا تو کیا عشر ادا ہو جائے گا یا دوبارہ ادا کرنا ہوگا؟ ــــــ فقہاء نے اس کی تین صورتیں بیان کی ہیں۔

(۱) بالاتفاق عشر ادا ہو جائے گا، دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) بالاتفاق عشر ادا نہیں ہوگا، دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔

(۳) عشر کے ادا ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

پہلی صورت

پہلی صورت یہ ہے کہ کھیتی کرنے اور پودا آجانے کے بعد عشر ادا کیا تو اس صورت میں چوں کہ سببِ وجوبِ عشر کے پائے جانے کے بعد عشر ادا کیا ہے۔ اس لیے بالاتفاق عشر ادا ہو جائے گا۔

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ کھیتی کرنے سے قبل ہی عشر ادا کر دیا تو اس صورت میں بالاتفاق عشر ادا نہ ہوگا، اس لیے کہ سبب وجوب عشر کے پائے جانے سے قبل ہی عشر ادا کر دیا، لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔

تیسری صورت

تیسری صورت یہ ہے کہ کھیتی کے بعد اور پودہ آنے سے قبل عشر ادا کیا تو اس صورت میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عشر ادا ہو جائے گا، اس لیے کہ پیداوار حاصل کرنے کا سبب یعنی کھیتی موجود ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں عشر ادا نہ ہوگا، اس لیے کہ سبب وجوب عشر یعنی زمین کا قابل کاشت اور حقیقۃً پیداوار کا موجود ہونا نہیں پایا گیا ——— لہٰذا جس طرح زراعت سے قبل عشر ادا نہیں ہوگا، اسی طرح اس صورت میں بھی عشر ادا نہیں ہوگا۔ [1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وجوب عشر کا سبب دو چیزیں ہیں: زمین کا قابل کاشت ہونا اور حقیقۃً پیداوار کا موجود ہونا۔

وجوب عشر کی شرطیں

البتہ اتنی بات واضح رہے کہ ہر زمین پر اور زمین کی ہر پیداوار پر عشر واجب نہیں ہے بلکہ وجوب عشر کی چند شرطیں ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) چوں کہ عشر میں عبادت کا پہلو بھی ہے اور غیر مسلم عبادات کا اہل نہیں ہے اس لیے وجوب عشر کی شرطوں میں سے ایک بنیادی شرط اسلام ہے ——— غیر مسلم کی زمین پر عشر واجب نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی عشری زمین کسی غیر مسلم کے قبضہ میں چلی جائے تو وہ بھی خراجی ہو جاتی ہے۔

احدهما الإسلام وأنه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق إلا على

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۳۶،۹۳۰

مسلم بلاخلاف لأن فيه معنى العبادة والكافر ليس من أهل وجوبها ابتداء فلا يبتدأ به عليه ۔ (۱)

(۲) وجوب عشر کی دوسری شرط زمین کا عشری ہونا ہے۔ خراجی زمین میں عشر واجب نہیں ہے اس لیے کہ جب خراجی زمین میں خراج عائد ہوتا ہے تو پھر اس میں عشر واجب قرار دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک ہی زمین پر دو وظیفے یعنی عشر و خراج جمع کیے جاتے ہیں اور یہ شرعاً ممنوع ہے ـــــ احادیث میں کسی مسلمان کی زمین میں عشر و خراج دونوں کے جمع کرنے کو منع کیا گیا ہے ـــــ نیز عراق اور مصر و شام کی زمین جس کو حضرت عمر فاروق رضی نے اپنے دور خلافت میں خراجی قرار دیا اس زمین پر اس وقت سے لے کر اب تک کسی بھی امام نے عشر واجب قرار نہیں دیا ہے ـــــ لہذا خراجی زمین پر عشر واجب کرنا اجماع کے خلاف ہوگا جو باطل ہے۔ حضرت علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

وأما شرائط المحلية فأنواع منها أن تكون الأرض عشرية فإن كانت خراجية يجب فيها الخراج ولا يجب في الخارج منها العشر فالعشر مع الخراج لا يجتمعان في أرض واحدة عندنا .... وقال الشافعي يجتمعان .... ولنا ماروى عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال لا يجتمع عشر وخراج في أرض مسلم ولأن احدا من أئمة العدل وولاة الجور لم يأخذ من أرض السواد عشرًا الى يومنا هذا فالقول بوجوب العشر فيها يخالف الاجماع فيكون باطلا الخ ۔ (۲)

(۳) کی تیسری شرط زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا ہے ـــــ اگر کسی وجہ سے پیداوار ہی نہ ہو مثلاً کھیتی ہی نہیں کی یا کھیتی تو کی لیکن کسی آفت سماویہ نے فصل ضائع ہوگئی تو ایسی صورت میں عشر واجب نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ عشر پیداوار ہی کے ایک حصہ میں واجب ہے اور جب پیداوار ہی نہیں ہوئی تو پھر عشر کیسے واجب ہوگا۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۳۴ (۲) بدائع الصنائع ۲/۹۳۳

ومنها أي من شرائط المحلية وجود الخارج حتى إن الأرض لو لم تخرج شيئاً لم يجب العشر لأن الواجب جزء من الخارج وإيجاب جزء من الخارج ولا خارج محال۔ (۱)

(۴) وجوب عشر کی چوتھی شرط یہ ہے کہ پیداوار ان چیزوں میں سے ہو جن کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادۃً ان کی کاشت کر کے ان سے نفع اٹھایا جاتا ہو، لہٰذا خودرو گھاس یا بانس یا کوئی دوسرا درخت جو خودرو ہو اس سے استغلال ارض مقصود نہ ہو تو ان میں عشر واجب نہیں ہے ——— بدائع الصنائع میں ہے:

ومنها ان يكون الخارج من الأرض مما يقصد بزراعته نماء الأرض وتستغل الأرض به عادة فلا عشر في الحطب والحشيش والقصب الفارسي لأن هذه الأشياء لا تستنمى بها الأرض ولا تستغل بها عادة لأن الأرض لا تنمو بها بل تفسد فلم تكن نماء الأرض۔ (۲)

البتہ گھاس، بانس یا کسی دوسرے درخت کو فائدہ اٹھانے کے لیے لگایا تو اس میں عشر واجب ہوگا اس کی مزید تفصیل محور خامس کے ذیل میں آئے گی۔

شرح فتح القدیر میں ہے:

حتى لو اتخذ الأرض مقصبة أو مشجرة أو منبتاً للحشيش وأراد به الاستنماء بقطع ذلك وبيعه يجب فيها العشر۔ (۳)

وجوب عشر کی یہ چند شرطیں ہوئیں جن کے پائے جانے کے بعد ہی عشر واجب ہوگا۔

وہ اسباب جن سے عشر ساقط ہو جاتا ہے

البتہ بعض اسباب وعوامل ایسے بھی ہیں کہ جن کے پائے جانے کی صورت میں عشر کا وجوب

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۶۹۲ (۲) ایضاً

(۳) شرح فتح القدیر ۲/۲۴۵

اپنی تمام شرطوں کے باوجود ساقط ہو جاتا ہے ـــــــ اس طرح کے اسباب جن سے وجوب عشر ساقط ہو جاتا ہے مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مالک کی زیادتی اور تصرف کے بغیر پیداوار ضائع ہو جائے تو اس صورت میں عشر ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ عشر واجب ہے پیداوار میں اور جب پیداوار ہی ختم ہو گئی تو جس میں واجب ہے وہ بھی ساقط ہو جائے گا، جیسا کہ حولان حول کے بعد نصاب زکوٰۃ ہلاک ہو جائے تو زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی گرچہ سبب وجوب زکوٰۃ پایا گیا ـــــــ اور اگر کل پیداوار ضائع نہیں ہوتی، بلکہ کچھ ضائع ہو گئی اور کچھ محفوظ ہے تو امام صاحب کے قول کے مطابق جو پیداوار محفوظ ہے اس میں عشر واجب ہوگا اور جو پیداوار ضائع ہو گئی اس کا عشر ساقط ہو جائے گا۔

(۲) نعوذ باللہ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس کی عشری زمین سے عشر ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ عشر میں عبادت کا مفہوم پایا جاتا ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔

(۳) مالک بغیر وصیت کیے ہوئے انتقال کر جائے اور پیداوار بھی ہلاک ہو جائے تو عشر ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر پیداوار محفوظ ہو تو ظاہر روایت کے مطابق عشر ادا کرنا ہوگا۔ (۱)

مقدار عشر

عشر کا معنی تو دسواں حصہ ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ زمین کی پیداوار میں ہر حال میں دسواں حصہ واجب ہو ـــــــ خواہ آب پاشی وغیرہ میں مالک کے اخراجات ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، لیکن احادیث اور کتب فقہ میں عشر کی مقدار کے سلسلے میں تھوڑی سی تفصیل بیان کی گئی ہے جو درج ذیل ہے:

(الف) اگر آب پاشی وغیرہ پر مالک کو خرچ کرنا نہیں پڑتا یعنی نہ تو کھیتی کی سیرابی میں پانی کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور نہ ہی کھاد وغیرہ دینا پڑتا ہے بلکہ آسمانی پانی یا چشموں کے پانی سے کھیتی کی سیرابی ہوتی ہے تو ایسی صورت میں عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے۔

(ب) اور اگر آب پاشی وغیرہ پر مالک کو خرچ کرنا پڑتا ہے تو ایسی صورت میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۱۵۹

واجب ہوگا۔ حدیث میں ہے:

ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر (الحديث)

کتب فقہ میں ہے:

فما سقي بماء السماء أو سقي سيحا ففيه عشر كامل وما سقي بغرب أو دالية أو سانية ففيه نصف العشر۔ (۱)

اگر سال کے کچھ حصہ میں آسمان یا چشموں کے پانی سے کھیتی کی سیرابی ہوئی اور کچھ حصوں میں بورنگ وغیرہ کے پانی سے جس میں کچھ خرچ لگا تو ایسی صورت میں اکثریت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر زیادہ تر آسمان یا چشموں کے پانی سے سیرابی ہوئی ہے تو عشر واجب ہوگا ورنہ نصف عشر ——— اور اگر دونوں برابر ہیں تو نصف پیداوار میں عشر واجب ہوگا اور نصف پیداوار میں نصف عشر۔

ولو سقي سيحا وبآلة اعتبر الغالب ولو استويا فنصفه۔ (۲)

عشری زمین

عشر کے شرعی ثبوت ——— اس کی لغوی و اصطلاحی تعریف ——— سبب وجوب عشر ——— وجوب عشر کی شرطیں ——— اور وہ اسباب جن سے عشر ساقط ہوجاتا ہے۔ عشر کے متعلق ان چند باتوں کو بیان کرنے کے بعد اب عشری زمین کی تحقیق پیش کی جارہی ہے کہ کون سی زمین عشری ہے۔ کتاب و سنت صحابۂ کرام کے فیصلے اور تابعین، محدثین، فقہا اور ائمہ مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں درج ذیل زمینیں عشری ہیں:

(۱) عرب کی تمام زمینیں عشری ہیں۔ عرب کی کوئی زمین خراجی نہیں ہے اگرچہ وہ اصولاً خراجی زمین کے تحت آتی ہو، مثلاً مکہ کرمہ عنوۃً اور قہراً فتح ہوا، جس کی وجہ سے مکہ کی زمین اصولاً اور شرعاً خراجی ہونی چاہیے لیکن مکہ کی زمین پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خراج عائد نہیں کیا بلکہ عشری لیا ———

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۶۲

(۲) الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲/۵۱

—— عرب کی زمین پر خراج عائد نہ کرنے کی دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں۔

(الف) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین نے عرب کی زمین سے خراج نہیں لیا جس سے معلوم ہوا کہ عرب کی کل زمین عشری ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ خراج فئی کے مشابہ ہے اور عرب کی زمین میں فئی نہیں ہے، لہٰذا خراج بھی عائد نہ ہوگا جیسا کہ خود عرب کے لوگوں پر خراج نہیں ہے۔ ان کے لیے دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ اسلام میں داخل ہو جائیں یا جان دینے کے لیے تیار رہیں۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

أما العشرية فمنها أرض العرب كلها .... لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء الراشدين بعده لم يأخذوا من أرض العرب خراجا فدل أنها عشرية إذ الأرض لا تخلو عن إحدى المؤنتين ولأن الخراج يشبه الفيء فلا يثبت في أرض العرب كما لا يثبت في رقابهم والله أعلم۔ (1)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتاب "کتاب الخراج" میں ہے:

وكذلك كل من لا تقبل منه الجزية ولا يقبل منه إلا الإسلام أو القتل من عبدة الأوثان من العرب فأرضهم أرض عشر وإن ظهر عليها الإمام لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد ظهر على أرضين من العرب وتركها فهي أرض عشر حتى الساعة۔ (2)

ارض عرب کی حد

علامہ کاسانی نے امام کرخی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عرب کی زمین میں حجاز، تہامہ، یمن، مکہ اور طائف کی زمین شامل ہے۔ (3)

علامہ شامی نے تقویم البلدان کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ حصے شامل

(1) بدائع الصنائع ۲/۵۷ (2) کتاب الخراج لابی یوسف ص ۶۹ (3) بدائع الصنائع ۲/۵۷

ہیں۔ تہامہ، نجد، حجاز، عروض اور یمن۔ (۱)

(۲) کوئی ملک صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو وہ بدستور اپنی زمین کے مالک ہوں گے اور ان کی زمین عشری کہلائے گی، جیسا کہ مدینہ طیبہ کے باشندے اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زمین کو بدستور ان کی ملکیت میں رکھتے ہوئے ان کی زمین پر عشر واجب قرار دیا ——— اسی طرح طائف اور نجران کی زمین بھی عشری ہے۔

وأرض العشر كل أرض أسلم عليها أهلها فهي أرض عشر۔ (۲)

(۳) کوئی ملک بزورِ شمشیر فتح ہوا، اور وہاں کے باشندے مسلمان نہیں ہوئے، امیر المومنین نے کل زمین کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے حسبِ ضابطہ ایک حصہ بیت المال کو دے دیا، اور چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیئے تو مجاہدین کے حصہ کی زمین شرعاً عشری ہوگی۔ اور اس پر عشر واجب ہوگا۔

وأيما أرض افتتحها الإمام عنوة فقسمها بين الذين افتتحوها فإن رأى أن ذلك أفضل فهو في سعة من ذلك وهي أرض عشر۔ (۳)

(۴) کوئی مسلمان اپنے گھر کو باغ یا کھیت بنا دے اور اس کو عشر کے پانی سے سیراب کرے تو ایسی زمین بھی عشری ہوگی اور اس پر عشر واجب ہوگا۔

وسيادار المسلم إذا اتخذها بستانا لما قلنا وهذا إذا كان يسقي بماء العشر۔ (۴)

(۵) بنجر اور ناقابلِ کاشت زمین کو کسی مسلمان نے حاکم وقت کی اجازت سے قابلِ کاشت بنایا تو امام ابو یوسف رح فرماتے ہیں کہ اگر وہ زمین عشری زمین سے قریب ہے تو وہ بھی عشری کہلائے گی اور اس پر عشر واجب ہوگا ——— اور اگر خراجی زمین سے قریب ہے تو اس پر خراج عائد ہوگا ——— اور امام محمد رح فرماتے ہیں کہ اگر عشری پانی سے سیراب کیا ہے تو عشری ہے اور اگر

---

(۱) شامی ج ۳ ص ۲۵۳ باب العشر والخراج (۲) کتاب الخراج لأبي یوسف ص ۶۹
(۳) کتاب الخراج لأبي یوسف ص ۶۳ (۴) بدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۲۴

خراجی پانی سے سیراب کیا ہے تو خراجی ہے ـــــ علامہ شامیؒ نے "درمنتقی" کے حوالہ سے امام ابویوسف رحؒ کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔

(ولو احیاہ مسلم اعتبر قربہ) ما قارب الشیٔ یعطی حکمہ (درمختار) (قولہ اعتبر قربہ) ای قرب ما احیاہ ان کان الی ارض الخراج اقرب کانت خراجیۃ وان کان الی العشر اقرب فعشریۃ (زیلعی) وان کانت بینہما فعشریۃ مراعاۃ لجانب المسلم وھذا عند ابی یوسف واعتبر محمد الماء فان احیاھا بماء الخراج فخراجیۃ والا فعشریۃ (بحر) وبالاول یفتی درمنتقی[1]

عشری اور خراجی پانی

آسمان کا پانی اسی طرح سمندروں، دریاؤں اور بڑی بڑی نہروں کا پانی عشری ہے، جیسا کہ عراق میں دجلہ و فرات، مصر میں نیل، خراسان میں سیحون و جیحون اور ہندوستان میں گنگا وجمنا وغیرہ کا پانی عشری ہے، البتہ ان چھوٹی چھوٹی نہروں کا پانی خراجی ہے جن کو عجمی بادشاہوں یا کسی شخص نے اپنے خرچ سے نکالا ہو جیسے نہر ملک، نہر یزدجرد وغیرہ اس طرح کی نہروں کا پانی خراجی پانی ہے۔[2]

خراجی زمین عشری کب بنتی ہے

اگر کوئی خراجی زمین ہو اور اس کا مالک اس حال میں انتقال کر جائے کہ اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو، تو وہ خراجی زمین از روئے شرع بیت المال کی ہوگی، پھر اگر کوئی مسلمان شخص حاکم وقت سے یا بیت المال کے منتظم سے شرعی طور پر خرید لے تو وہ شخص اس زمین کا شرعاً مالک ہوگا، اور وہ زمین عشری ہوگی ـــــ بعض حضرات نے اس طرح کی زمین سے عشر و خراج دونوں کو ساقط قرار دیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ زمین کے واجبات دو چیزیں ہیں، عشر اور خراج ـــــ کسی زمین پر یا تو عشر واجب ہوگا یا خراج۔ مذکورہ زمین سے جب خراج ساقط ہوگیا تو عشر کا واجب ہونا یقینی ہے، اسی وجہ سے علامہ شامی نے مذکورہ

---

(۱) شامی ۳/۲۵۹ (۲) بدائع الصنائع ۲/۵۹

اس کی تردید کرتے ہوئے وجوبِ عشر کے قول کو راجح قرار دیا ہے ——— علامہ شامی وجوبِ عشر کی متعدد دلیلوں کے بیان کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ اس طرح کی اراضی [illegible] سے خریدی گئی اس میں وجوبِ عشر کا سبب یعنی زمین کا قابلِ کاشت ہونا اور اس کی شرط یعنی پیداوار کا مالک ہونا اسی طرح عشر کے واجب ہونے کی دلیل پائی گئی، لہٰذا اس طرح کی زمین پر عشر کے واجب نہ ہونے کا قول کسی خاص دلیل اور صریح نقل کا محتاج ہے۔

ولا شك أن هذه الأراضي المشتراة وجد فيها سبب الوجوب وهو الأرض النامية وشرطه وهو ملك الخارج ودليله وهو ما ذكرنا وقول المتن يجب العشر في مسقي سماء وسيح الخ فالقائل بعدم الوجوب في خصوص هذه الأرض يحتاج إلى دليل خاص ونقل صريح۔ (۱)

عشری زمین کے سلسلہ میں دورِ رسالت اور دورِ صحابہ کے کچھ فیصلے

اس موقع سے عشری زمین کے سلسلہ میں عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے چند فیصلوں کو ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ اس کی روشنی میں ہم عشری زمین کو متعین کر سکیں، کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے فیصلے ہمارے لیے نمونۂ عمل ہیں۔

۱ ——— حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے جزیرۃ العرب کو عشری قرار دیا ——— آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں عرب کی بہت سی سرزمین پر فتح پائی لیکن کسی پر بھی خراج عائد نہیں کیا بلکہ سبھی سے عشر ہی لیا ——— عرب کی بعض زمینیں اصولاً خراجی ہونی چاہیے اس لیے کہ قہراً اور عنوۃً فتح ہوئی تھیں اور وہ زمینیں بدستور مالکان کے قبضہ میں رہیں لیکن ان زمینوں سے بھی عشر ہی لیا گیا ——— مثلاً مکہ مکرمہ قہراً اور عنوۃً فتح ہوا تھا اور وہاں کی زمین حسبِ دستور مالکان کے قبضہ میں رہی جس کا تقاضا یہ تھا کہ وہاں کی زمین خراجی ہو، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی زمین کو عشری قرار دیتے ہوئے اس سے عشر وصول کرایا۔ اس لیے کہ عرب کے بت پرستوں کے سامنے دو ہی صورتیں تھیں

---

(۱) شامی کتاب العشر والخراج ۲/۲۵۵

یا تو وہ اسلام قبول کریں یا جان دینے کے لیے تیار ہوں۔ ان سے خراج وصول کرنے کا سوال ہی نہیں تھا نیز خراج ایک طرح سے ذلت ہے اور عرب کی زمین کی حرمت و تقدس اپنی جگہ پر مسلّم ہے وہ اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتی ہے ـــــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین اور ان کے بعد شاہان اسلام نے بھی عرب کی تمام زمینوں کو عشری قرار دیا کسی نے بھی عرب کی زمین سے خراج وصول نہیں کیا۔

۲ ـــــ اسی طرح نجران اور طائف کی زمین کو بھی عشری قرار دیا اور اس سے عشر وصول کیا ـــــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں فیصلوں سے معلوم ہوا کہ عرب کی کل زمینیں عشری ہیں۔

امام ابو یوسف رح اپنی کتاب "کتاب الخراج" میں تحریر فرماتے ہیں:

وقد بلغنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم افتتح فتوحا من الأرض العربية فوضع عليها العشر ولم يجعل على شيء منها خراجا وكذلك قول أصحابنا في تلك الأرضين ألا ترى أن مكة والحرم لم يكن فيها خراج فأجروا الأرض العربية كلها هذا المجرى وأجروا النجران والطائف كذلك أولا ترى أن العرب من عبدة الأوثان حكمهم القتل أو الإسلام ولا تقبل منهم الجزية وهذا خلاف الحكم في غيرهم فكذلك أرض العرب۔ (۱)

۳ ـــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے حق میں اس طرح فیصلہ کیا کہ خود ان کی ذات پر خراج عائد کیا لیکن ان کی زمینوں پر خراج عائد نہیں کیا بلکہ ان کی زمینوں سے عشر لیا۔ (۲)

۴ ـــــ اہل مدینہ ایمان لے آئے اور حضور اقدس صلی اللہ کو مدینہ آنے کی دعوت دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم باذن الٰہی صحابۂ کرام کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے اور مدینہ پہونچ کر وہاں کی زمین کو بدستور مالکان کے قبضہ میں باقی رکھا اور ان کی زمین کو عشری قرار دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فیصلہ سے معلوم ہوا کہ جس جگہ کے لوگ شروع ہی میں مسلمان ہو گئے وہ بدستور اپنی زمین کے مالک رہیں گے اور ان کی زمین عشری قرار پائے گی۔

---

(۱) کتاب الخراج لابی یوسف /۵۸ (۲) حوالہ مذکور /۵۹

(۱) خراج موظف ذمہ میں واجب ہے اور عشر پیداوار میں واجب ہے۔

(۲) خراج کا سبب وجوب زمین کا قابل کاشت ہونا ہے خواہ پیداوار ہو یا نہ ہو ——— اور عشر کا ... وجوب پیداوار کا حقیقۃً موجود ہونا ہے، یہی وجہ ہے کہ عشر بغیر پیداوار کے واجب نہیں، اور خراج بغیر پیداوار کے بھی واجب ہے۔

بدائع الصنائع میں ان دونوں فرقوں کو بہت واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے

واما المحل فلأن الخراج يجب في الذمة والعشر يجب في الخارج وأما السبب فلأن سبب وجوب الخراج الأرض النامية وسبب وجوب العشر الخارج حتى لا يجب بدونه والخراج يجب بدون الخارج۔ (۱)

(۳) اگر زمین سے سال بھر میں دو یا دو سے زائد مرتبہ فصل پیدا ہو تو بھی پورے سال میں خراج موظف ایک ہی مرتبہ واجب ہوگا، بخلاف عشر کے کہ جتنی مرتبہ فصل پیدا ہوگی اتنی ہی مرتبہ عشر واجب ہوگا۔ اس لیے کہ خراج موظف زمین پر ہے اور عشر پیداوار پر۔

(ولا يتكرر الخراج بتكرر الخارج) لأن عمرؓ لم يوظفه مكررا بخلاف العشر لأنه لا يتحقق عشرا إلا بوجوبه في كل الخارج۔ (۲)

(۴) عشر کی حیثیت صرف ٹیکس کی نہیں ہے بلکہ عبادت کی بھی ہے اور خراج کی حیثیت صرف ٹیکس کی ہے اس میں عبادت کا پہلو نہیں ہے۔ (۳)

(۵) عشر صرف مسلمان پر واجب ہے غیر مسلم پر نہیں اور خراج مسلم اور غیر مسلم دونوں پر واجب ہے۔

(۶) عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں، یعنی وہ آٹھ مصارف جو قرآن کریم میں مذکور ہیں، اور خراج کے مصارف سرحد کی حفاظت، فوج اور عمال حکومت کے اخراجات، علماء، مفتیان کرام اور قضاۃ حضرات کا گذارہ، سڑکوں اور پلوں وغیرہ کی مرمت اور دیگر مصالح عامہ ہیں۔ خراج کی رقم مذکورہ بالا مصارف پر صرف کی جاسکتی ہے۔ (۴)

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۳۳ (۲) ھدایہ باب العشر والخراج ۱/۵۹۴

(۳) بدائع الصنائع ۲/۹۴۰ (۴) فقہ الزکوٰۃ ۱/۴۳

عشری اور خراجی زمین کے درمیان فرق

یہ تو عشر و خراج کے درمیان فرق تھا جہاں تک عشری اور خراجی زمین کے درمیان فرق کا تعلق ہے تو ان دونوں کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ عشری زمین اس وقت تک عشری رہتی ہے جب تک کہ وہ نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں کے قبضہ و ملکیت میں رہے ——— جب وہ کسی غیر مسلم کی ملکیت میں چلی جائے تو پھر وہ عشری نہیں رہتی ہے بلکہ خراجی ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ عشر میں عبادت کا پہلو بھی ہے اور غیر مسلم عبادت کا اہل نہیں ہے ——— یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان سے عشری زمین خریدے تو وہ خراجی ہو جاتی ہے ——— اس کے برعکس جو زمین ایک مرتبہ خراجی ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ خراجی ہی رہتی ہے محض کسی مسلمان کی ملکیت میں جانے سے عشری نہیں ہوتی۔ چنانچہ کوئی مسلمان اگر کسی غیر مسلم سے زمین خریدے تو وہ زمین مسلمان کے پاس بھی خراجی ہی رہے گی۔ اس کو خراج ادا کرنا ہوگا[۱] ——— اسی طرح اگر کسی خراجی زمین کا مالک اسلام قبول کرے تو بھی وہ زمین اس کے پاس خراجی ہی رہے گی[۲]۔ البتہ ایک صورت میں خراجی زمین عشری ہو جاتی ہے جب خراجی زمین کا مالک انتقال کر جائے اور اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو تو اس کی زمین شرعاً و اصولاً بیت المال کی ملک ہو جائے گی۔ پھر حاکم وقت یا بیت المال سے کسی شخص سے مراد کوئی مسلمان خریدے تو وہ زمین اس مسلمان کے پاس جا کر عشری ہو جائے گی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔[۳]

خراج سے متعلق چند اہم مباحث

عشر کی تھوڑی سی تفصیل بیان کرنے کے بعد اب خراج کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے ——— جس طرح عشر کے متعلق چند بحثیں کی گئی ہیں اسی طرح ان شاء اللہ تعالیٰ خراج سے متعلق مندرجہ ذیل چند بحثیں کی جائیں گی

۱۔ ——— خراج کا ثبوت کتاب و سنت، اجماع اور قیاس سے۔

۲۔ ——— خراج کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

---

(۱) بدائع الصنائع ج ۲ ص ۵۷ (۲) [illegible] ج ۲ ص ۵۹ (۳) [illegible] ج ۲

۳۔ خراج کا حکم۔

۴۔ سبب وجوب خراج۔

۵۔ وجوب خراج کی شرطیں

۶۔ وہ اسباب جن سے خراج ساقط ہو جاتا ہے۔

۷۔ خراج کی قسمیں۔

۸۔ خراج کی مقدار۔

۹۔ خراجی زمین۔

۱۰۔ عشری زمین خراجی کب بنتی ہے۔

۱۱۔ خراجی زمین کے سلسلے میں دور رسالت اور دور صحابہ کے کچھ فیصلے

خراج کا ثبوت قرآن کریم سے

خراج کا ثبوت صراحۃً قرآن کریم سے نہیں ملتا ہے البتہ حضرت عمر فاروق رضہ کے دور خلافت میں جب عراق، مصر اور شام فتح ہوئے اور کچھ صحابہ نے وہاں کی زمین اصول کے مطابق غانمین و فاتحین کے درمیان تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تو حضرت عمر فاروق رضہ نے وہاں کی زمین فاتحین کے درمیان تقسیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے مصلحت عامہ اور تمام مسلمانوں کے لیے وقف قرار دیا اور مالکان کے قبضہ میں رکھتے ہوئے ان کی زمینوں پر خراج عائد کیا ۔۔۔۔۔ اس مسئلہ میں حضرت عمر فاروق رضہ نے آیات فئی سے استدلال کیا۔ حضرت عمر فاروق رضہ کا طریقہ استدلال یہ تھا کہ مال فئی میں اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والوں کو بھی شریک کیا ہے۔ اگر زمین فاتحین کے درمیان تقسیم کر دی جائے تو بعد میں آنے والے محروم رہیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک وقت ایسا آئے کہ غنیمت کی کل جائیداد کا مالک ایک شخص بن جائے یا اس کی اولاد بن جائے وہ لوگ بھی ہوں جو مسلم دشمن اور اسلام مخالف ہوں اور مال غنیمت کو اسلام کی مخالفت اور دوسروں کو اس سے روکنے میں استعمال کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق نے عراق، مصر اور شام کی مفتوحہ زمین کو فاتحین کے درمیان تقسیم نہ کرنے اور اس پر خراج عائد کرنے میں آیات فئی سے استدلال کیا۔

"الموسوعۃ الفقہیۃ" میں خراج کی مشروعیت پر قرآن کریم سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

القرآن الکریم: بینت الآیات السابقۃ التی احتج بہا الامام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حکم مشروعیۃ وقف ارض السواد علی جمیع المسلمین۔ (۱)

خراج کا ثبوت حدیث سے

خراج کا ثبوت جس طرح آیات قرآنیہ سے ہے اسی طرح احادیث نبویہ اور آثار صحابہ سے بھی ہے ابوداؤد شریف میں سہل بن حثمہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کو دو حصوں میں تقسیم کرکے ایک حصہ فاتحین کے درمیان تقسیم کردیا اور ایک حصہ مصالح عامہ اور تمام مسلمانوں کے لیے وقف کردیا اور مالکان کے قبضہ میں رکھ کر ان سے خراج وصول کیا ——— اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ زمین جو بزور شمشیر فتح کی گئی ہو اور فاتحین کے درمیان تقسیم نہ کی گئی ہو وہ مصالح عامہ اور تمام مسلمین کے لیے وقف ہوگی اور اس کو مالکان کے قبضہ میں رکھ کر خراج وصول کیا جائے گا۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں سہل بن حثمہ کی روایت ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

فالحدیث فیہ تصریح بما وقع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شأن خیبر حیث وقف نصفہا لمصلحۃ المسلمین وکذلک الحکم بالنسبۃ للأرض المفتوحۃ عنوۃ۔ (۲)

دوسری روایت جس سے خراج کا ثبوت ملتا ہے مسلم شریف کی ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

منعت العراق درہمہا وقفیزہا ومنعت الشام مدیہا ودینارہا ومنعت مصر إردبہا ودینارہا وعدتم من حیث بدأتم قالہا ثلاثا شہد علی ذلک لحم

---

(۱) الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۹/۵۸ (۲) ایضاً ۱۹/۵۸

أبي هريرة وغيره۔ (مسلم شريف)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فتح کے بعد زمینوں پر خراج مقرر کریں گے لیکن آپ نے ان کو اس سے منع نہیں کیا، بلکہ اس کو باقی رکھا اور صحابہ کے سامنے آپ نے اس کی حکایت کی ——— یہی وجہ ہے کہ یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قفیز و درہم کا تذکرہ حضرت عمر فاروق کے زمین پر خراج مقرر کرنے سے پہلے کر دیا تھا۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

ووجه الاستدلال بهذا الحديث أن النبي صلى الله عليه وسلم علم أن الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين سيضعون الخراج على الأرض ولم يرشدهم إلى خلاف ذلك بل قررّه وحكاه لهم ولذلك قال يحيى بن آدم يريد من هذا الحديث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكر القفيز والدرهم قبل أن يضعه عمر على الأرض۔[1]

ان روایات کے علاوہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ان فیصلوں سے بھی خراج کا ثبوت ملتا ہے جن میں زمین بزور شمشیر فتح کر کے مالکان کے قبضہ میں رکھتے ہوئے ان سے خراج وصول کیا گیا ہے ——— جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

خراج کا ثبوت اجماع سے

خراج کا ثبوت اجماع سے بھی ہے، خراج کی مشروعیت پر امت کا اتفاق بھی ہے اور اس پر عمل بھی رہا ہے، حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں جتنی فتوحات ہوئیں سب میں خراج عائد کیا۔

خراج کا ثبوت قیاس سے

خراج کی مشروعیت عقلاً اور قیاساً بھی ثابت ہے اور اس کی مشروعیت میں ایک خاص حکمت

---

(۱) الموسوعة الفقهية ۱۹/۵۲

وہ صورت بھی ہے جس صورت کے پیش نظر حضرت عمر فاروق نے عراق، شام اور مصر کی زمین فاتحین کے درمیان تقسیم کرنے سے انکار کر دیا اور صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

رأى أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه أن من المصلحة عدم تقسيم الأراضي المفتوحة عنوة ووقفها عن جميع المسلمين وضرب الخراج عليها وأهم ما تقتضي به المصلحة في ذلك ۔ (۱)

خراج کی لغوی تعریف

خراج باب نصر ینصر سے یا تو مصدر ہے یا اسم مصدر جس کا معنی ہے ظاہر ہونا

لسان العرب میں ہے الخرج والخراج ۔ دونوں ایک ہی معنی میں ہیں یعنی اپنے مال سے متعین مقدار نکالنے کا نام الخرج یا الخراج ہے۔

والخرج والخراج واحد وهو شيء يخرجه القوم في السنة من مالهم بقدر معلوم ۔ (۲)

امام زجاج نے خرج اور خراج میں تھوڑا سا فرق بیان کیا ہے ——— امام زجاج کا کہنا ہے کہ خرج مصدر ہے اور خراج اسم مصدر ہے۔

خراج کا اطلاق لغۃً اس غلے پر بھی ہوتا ہے جو زمین یا کسی دوسری چیز سے حاصل ہو۔ انیس الفقہاء میں ہے: ——— الخرج ما يخرج من غلة الأرض (۳)

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم "الخراج بالضمان" میں لفظ خراج کا استعمال غلہ ہی کے معنی میں ہے جس کی پوری تفصیل معجم لغۃ الفقہاء(۴) اور لسان العرب(۵) میں موجود ہے۔

خراج کا اطلاق لغۃً اجرت اور کرایہ کے معنی میں بھی ہوتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ "ام تسألهم خرجا فخراج ربك خير" میں خراج کا اطلاق اجرت کے معنی میں ہے۔ امام فراء نے آیت کریمہ کا مفہوم ان الفاظ

---

(۱) الموسوعۃ الفقہیہ ۱۹/۵۳ (۲) لسان العرب ۲/۲۵۱ (۳) انیس الفقہاء فی تعریف الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء ص ۱۸۵ (۴) معجم لغۃ الفقہاء ص ۱۹۴ (۵) پوری تفصیل کے لیے دیکھیے لسان العرب ۲/۲۵۲

میں بیان کیا ہے: " أم تسألهم أجراً " (۱)

خلاصہ یہ ہے کہ خـــراج کا لغوی معنی ظاہر ہونے کا ہے اور اس کا اطلاق لغۃً غلہ پر بھی ہوتا ہے اور اجرت پر بھی۔

خراج کی اصطلاحی تعریف

خراج اصطلاحاً اس اسلامی ٹیکس کو کہتے ہیں جس کو اسلامی حکومت ان اراضی سے لیتی ہے جن کو بزور شمشیر فتح کیا ہو یا مالکان نے اس کے دینے پر صلح کرلی ہو۔

ما تأخذه الدولة من الضرائب على الأرض المفتوحة عنوة أو الأرض التي صالح أهلها عليها۔ (۲)

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے کہ اصطلاح فقہاء میں خـــراج دو معنوں میں مستعمل ہے ایک عام۔ دوسرا خاص۔

خراج کا عمومی معنی

خراج عمومی معنی کے اعتبار سے ان اموال کو کہتے ہیں جن کے جمع و صرف کی ذمہ داری حکومت کی ہو۔ اس معنی کے اعتبار سے خراج کا اطلاق ان تمام صدقات واجبہ وغیرہ پر ہوگا جن کی وصولیابی اور ان کے مصارف پر صرف کرنے کا حق حکومت کو ہو۔

خراج کا خصوصی معنی

خراج اپنے خاص معنی کے اعتبار سے اس ٹیکس کو کہتے ہیں جس کو امام وقت کسی قابل کاشت خراجی زمین پر مقرر کرتا ہے۔

للخراج في اصطلاح الفقهاء معنيان، عام وخاص۔

فالخراج بالمعنى العام: هو الأموال التي تتولى الدولة أمر جبايتها وصرفها

---

(۱) لسان العرب ۲/۲۵۱ (۲) معجم لغۃ الفقہاء ۱۹۳/

في صعيد فيها، وأما الخراج بالمعنى الخاص فهو الوظيفة والضريبة التي يفرضها الإمام على الأرض الخراجية النامية۔ (١)

خراج کا حکم خراج ہر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس قابل کاشت خراجی زمین ہو، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، بچہ ہو یا بڑا، عاقل ہو یا مجنون اور مرد ہو یا عورت، اس لیے کہ خراج قابل کاشت زمین کا فریضہ ہے اور زمین سے نما کے حصول میں مسلم و کافر، بالغ و نابالغ، عاقل و مجنون اور مرد و عورت سبھی برابر ہیں، لہذا سبھی لوگوں کی خراجی زمین پر خراج واجب ہوگا۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں خراج کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

الخراج واجب على كل من بيده أرض خراجية نامية سواء أكان مسلماً أم كافراً صغيراً أم كبيراً عاقلاً أم مجنوناً رجلاً أم امرأة وذلك لأن الخراج مؤنة الأرض النامية وهم في حصول النماء سواء۔ (٢)

سببِ وجوبِ خراج خراج کے وجوب کا سبب زمین کا قابل کاشت ہونا ہے خواہ پیداوار حقیقۃً موجود ہو یا تقدیراً ــــ اگر پیداوار حقیقۃً موجود نہیں ہے لیکن تقدیراً ہے، مثلاً زمین قابل کاشت ہے کھیتی کی جاتی ہو، پیداوار ہوتی ہو، لیکن کسی وجہ سے کھیتی نہیں ہو سکی تو ایسی صورت میں گرچہ پیداوار حقیقۃً موجود نہیں ہے لیکن تقدیراً ہے اس لیے اس صورت میں خراج واجب ہوگا ــــ بنجر زمین جو قابل کاشت نہیں ہے اس میں پیداوار نہ تو حقیقۃً ہے اور نہ ہی تقدیراً، لہذا بنجر زمین میں سبب وجوب خراج نہ پائے جانے کی وجہ سے خراج عاید نہیں ہوگا۔

وجوبِ خراج کی شرطیں بنیادی طور پر وجوب خراج کی دو شرطیں ہیں، جب دونوں شرطیں پائی جائیں گی تو خراج واجب ہوگا، ورنہ نہیں۔

---

(١) الموسوعة الفقهية ١٩/٥٢ (٢) حوالہ مذکور ١٩/٥٩

۱۔۔۔۔۔ پہلی شرط یہ زمین کا خراجی ہونا ہے ۔۔۔۔۔۔ اگر زمین خراجی نہیں ہے تو اس میں خراج واجب نہیں ہوگا۔ خراجی زمین کی پوری تفصیل آئندہ صفحہ پر آرہی ہے۔

۲۔۔۔۔۔ وجوب خراج کی دوسری شرط یہ ہے کہ زمین میں نمو کی صلاحیت ہو ۔۔۔۔۔۔ اگر زمین بنجر اور ناقابل کاشت ہے اس میں نمو کی صلاحیت نہیں ہے تو پھر خراج واجب نہیں ہوگا۔ (۱)

وہ اسباب جن سے خراج ساقط ہوجاتا ہے

کچھ اسباب ایسے ہیں جن سے وجوب خراج کی شرطیں پائے جانے کے باوجود خراج ساقط ہوجاتا ہے۔ اس لیے وجوب خراج کی شرطوں کو بیان کرنے کے بعد اب وہ اسباب ذکر کیے جارہے ہیں جن سے خراج ساقط ہوجاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔۔۔۔۔ کسی خارجی سبب سے زمین کے اندر نمو کی صلاحیت نہ ہو، مثلاً زمین پر پانی کا غلبہ ہو یا پانی ختم ہوجائے جس کی وجہ سے زمین پیداوار نہ اگا سکے تو ایسی صورت میں خراج ساقط ہوجائے گا۔ (۲)

۲۔۔۔۔۔ پیداوار کسی سماوی آفت سے ہلاک ہوجائے، مثلاً کھیتی سیلاب سے غرق ہوجائے یا آگ لگنے سے جل جائے، یا شدتِ ٹھنڈک سے ضائع ہوجائے اور سال کا اتنا حصہ باقی نہ ہو کہ اس میں دوبارہ کھیتی کی جاسکے تو ایسی صورت میں بھی خراج ساقط ہوجائے گا۔

اور اگر کسی سماوی آفت سے پیداوار ضائع ہوگئی لیکن سال کا اتنا حصہ باقی ہے کہ اس میں دوبارہ کھیتی کی جاسکتی ہے جس کی مدت مفتی بہ قول کے مطابق تین ماہ ہے ۔۔۔۔۔۔ یا پیداوار کسی غیر سماوی ایسی آفت سے ختم ہوئی ہے جس سے بچنا ممکن ہے، مثلاً بندر، چوپائے اور چوہا وغیرہ کے کھانے سے ضائع ہوئی ہے تو ان دونوں صورتوں میں خراج ساقط نہیں ہوگا۔ (۳)

۳۔۔۔۔۔ فصل کٹنے سے قبل اگر پیداوار ہلاک ہوگئی کسی سماوی آفت سے یا غیر سماوی ایسی آفت سے جس سے احتراز ممکن نہیں تو بھی خراج ساقط ہوجائے گا۔ البتہ اگر فصل کٹنے کے بعد پیداوار ہلاک ہوتی ہے تو خراج موظف ساقط نہیں ہوگا لیکن خراج مقاسمہ ساقط ہوجائے گا۔ اس لیے کہ خراج موظف زمین پر

---

(۱) الموسوعة الفقهية ۱۹/۶۱ (۲-۳) در مختار مع رد المحتار ج۲/۲۶۳ کتاب العشر والخراج

واجب ہے۔ در خراج مقاسمہ پیداوار پر۔ (۱)

۴ ـــــ خراجی زمین پر کوئی تعمیر کر دی گئی جیسے رہائشی مکان یا مسجد تعمیر کر دیا گیا یا خراجی زمین کو قبرستان بنا دیا گیا تو ایسی صورت میں بھی خراج ساقط ہو جائے گا۔ (۲)

۵ ـــــ کسی شخص نے زبردستی کھیتی کرنے سے روک دیا اور زمین والے کے اندر مقابلہ کی صلاحیت نہیں تو ایسی صورت میں بھی خراج ساقط ہو جائے گا۔ (۳)

۶ ـــــ امام وقت خراجی زمین سے خراج کو معاف کر دے تو ایسی صورت میں بھی خراج ساقط ہو جائے گا۔ (۴)

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں۔ خراج موظف اور خراج مقاسمہ۔

خراج مقاسمہ: مقاسمہ کے معنی بٹائی کے ہیں۔ خراج مقاسمہ اس اسلامی محصول کو کہتے ہیں جس کو امام وقت خراجی زمین کی پیداوار پر مقرر کرتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں نے کسی ملک یا شہر پر عنوۃً یا صلحاً فتح کیا اور امام وقت نے وہاں کی زمین مالکان کے قبضہ میں رکھتے ہوئے زمین کی پیداوار پر خراج عائد کر دیا اور معاملہ اس طرح طے پایا کہ پیداوار کا آدھا یا ایک تہائی یا ایک چوتھائی یا پانچواں حصہ یا چھٹا حصہ زمین داروں کو ملے گا اور بقیہ حصہ اسلامی حکومت کو دینا ہوگا۔

خراج موظف: وہ اسلامی محصول ہے جس کو امام وقت خراجی زمین پر نقدی کی صورت میں مقرر کرتا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جتنی فتوحات ہوئیں جیسے عراق، مصر اور شام وغیرہ سبھی جگہ حضرت عمر فاروق نے خراج موظف مقرر کیا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

علامہ شامی خراج کی تقسیم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

واستفيد أن الخراج قسمان، خراج مقاسمة وهو ما وضعه الإمام على أرض فتحها ومنّ على أهلها بها من نصف الخارج أو ثلثه أو ربعه ـــــ وخراج وظيفة مثل الذي وظفه عمر رضي الله عنه على أرض السواد۔ (۵)

---

(۱) رد المحتار مع الدر المختار ۳/۲۶۳ کتاب العشر والخراج (۳-۴) حوالہ مذکورہ ۳/۲۶۲

(۲) الموسوعة الفقهية ۱۹/۶۲ (۵) شامی ۳/۲۶۱ ۳/۲۶۳

یہاں پر ایک بحث رہ آتی ہے کہ کس خراجی زمین پر خراج مقاسمہ مقرر کیا جائے اور کس پر خراج موظف اور اس کی مقدار کیا ہو اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ یہ اختیار شرعاً امام وقت کو ہوگا، وہ حالات کے پیش نظر خراج کی جو بھی قسم اور جو مقدار مقرر کرنا چاہے کر سکتا ہے ——— البتہ اس کی مقدار نصف سے زائد اور حدادی کی صراحت کے مطابق خمس سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ البتہ خیر الرملی کی تفصیل کے مطابق اگر کسی زمین کی پیداوار کم اور اخراجات زیادہ ہوں تو خمس سے کم بھی مقرر کیا جا سکتا ہے۔

"فاذا فتح بلدة وصنّ على اهلها بأرضها له أن يضع الخراج عليها مقاسمة أو موظفا.......... وتقديره مفوض الى رأى الامام۔ (۱)

واضح رہے کہ امام وقت ایک مرتبہ جس زمین پر خراج کی جو بھی قسم مقرر کردے، دوبارہ اس میں تبدیلی پیدا نہیں کی جا سکتی ہے، مثلاً اگر ایک مرتبہ خراج مقاسمہ مقرر کر دیا تو اس کو خراج موظف میں یا خراج موظف مقرر کر دیا تو اس کو خراج مقاسمہ میں تبدیل نہیں کر سکتے ہیں، اس لیے کہ اس میں نقض عہد ہے جو حرام ہے ——— البتہ اگر زمین دار ان تبدیلی پر راضی ہو جائیں تو تبدیل کر سکتے ہیں۔

وفی الكافی: وليس للامام أن يحول الخراج الموظف الى المقاسمة أقول وكذلك عكسه فيما يظهر من تعليله لأنه قال لأن فيه نقض العهد وهو حرام۔ (۲)

خراج مقاسمہ اور خراج موظف کے درمیان فرق

ان دونوں کے درمیان بنیادی طور پر یہ فرق ہے کہ خراج مقاسمہ زمین کی پیداوار پر ہے اور خراج موظف خود زمین پر ہے یہی وجہ ہے کہ خراج موظف سال میں صرف ایک مرتبہ واجب ہے اور خراج مقاسمہ زمین کی ہر پیداوار پر واجب ہے، سال میں جتنی مرتبہ پیداوار ہوگی اتنی مرتبہ خراج مقاسمہ ادا کرنا ہوگا، اگر زمین ان کی سستی کی وجہ سے کھیتی نہ ہو یا فصل کٹنے کے بعد پیداوار ہلاک ہو جائے تو خراج مقاسمہ ساقط ہو جائے گا اور خراج موظف ادا کرنا ہوگا۔

---

(۱) شامی ۴/۳۲۰   (۲) حوالہ مذکور ۴/۲۲۲

خراج کی مقدار

خراج مقاسمہ تو زمین کی پیداوار پر نصف یا ثلث یا ربع یا خمس یا سدس ہے۔ امام وقت دلالت کے پیش نظر اور زمین کی صلاحیت کے مطابق پیداوار کی جو بھی مقدار مقرر کر دے اسے ادا کرنا ہوگا۔ البتہ خراج موظف کے سلسلے میں حضرت عمر فاروق کے فیصلے موجود ہیں جن سے خراج موظف کی مقدار متعین ہو گئی ہے۔ جن چیزوں میں حضرت عمر فاروق نے خراج موظف مقرر فرمایا ان میں مقرر کردہ مقدار کے خلاف کرنے کا اختیار کسی کو بھی نہیں ہوگا۔ البتہ جن چیزوں میں حضرت عمر فاروق کی جانب سے کوئی مقدار متعین نہیں ہے ان چیزوں میں زمین کی قوت وضعف کے اعتبار سے خراج مقرر کیا جا سکتا ہے جو نصف پیداوار سے زائد اور حد اولی کی صراحت کے مطابق خمس سے کم نہ ہو
البتہ چیزوں کی صراحت کے مطابق اگر پیداوار کم ہو اور اخراجات زیادہ ہوں تو خمس سے کم بھی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ (۱)

جب حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں عراق فتح ہوا تو حضرت عمر فاروق نے حضرت حذیفہ کی نگرانی میں حضرت عثمان بن حنیف کو عراق کی پوری زمین کی پیمائش کا حکم دیا۔ جب حضرت عثمان بن حنیف نے عراق کی پوری مفتوحہ زمین کی پیمائش کی تو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی۔

حضرت عمر فاروق نے عراق کی پوری مفتوحہ زمین پر جو قابل کاشت تھی اور اس پر پانی پہنچتا تھا، خراج موظف درج ذیل تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا۔

عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع گندم یا جو یا جو چیز اس میں بوئی جائے، ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کے باغوں پر جو باہم متصل اور اس قدر گنجان تھے کہ ان کے درمیان کاشت نہیں ہو سکتی تھی فی جریب دس درہم مقرر فرمایا۔ (۲)

جریب، دراہم اور صاع کی تحقیق

ایک جریب برابر ساٹھ پانی ساٹھ ذراع ہے اور ایک ذراع برابر سات قبضہ اور ایک قبضہ برابر

چار انگل ہے۔ اس طرح ایک جریب ۳۲۲۵ مربع گز کی ہوگی۔ (۱)

ایک درہم برابر تین ماشہ ۱ رتی چاندی ہے ـــــ ۸ رتی کا ایک ماشہ اور ۱۲ ماشہ کا ایک تولہ ہوتا ہے۔ اس طرح دس درہم کا وزن ۳ تولہ، ½ ماشہ چاندی کے برابر ہوا۔

ایک صاع برابر کیلوگرام کے اعتبار سے ۳ کیلو ۲۸۲ گرام ہوئے۔

خراجی زمین

کتاب وسنت، آثار صحابہ اور محدثین، مجتہدین وفقہاء کے اقوال کی روشنی میں مندرجہ ذیل زمینیں خراجی ہیں:

۱ ـــــ مسلمانوں نے کفار کے کسی ملک یا شہر کو بزور شمشیر فتح کرلیا اور اس کی زمین غانمین وفاتحین کے درمیان تقسیم نہیں کی گئی، بلکہ تمام مسلمان اور مصلحت عامہ کے لیے وقف کرتے ہوئے مالکان کا قبضہ بدستور باقی رکھا گیا اور ان کی زمین سے اسلامی محصول وصول کیا گیا، تو ان کی زمین شرعاً خراجی ہوگی اور اس زمین پر خراج عائد ہوگا۔

صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانی خراجی زمینوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" أما الخراج فمنها الأرض التي فتحت عنوة وقهرا فمن الامام عليهم وتركها في يد أربابها فإنه يضع على جماعتهم الجزية إذالم يسلموا وعلى أراضيهم الخراج أسلموا أولم يسلموا ـ (۲)

۲ ـــــ کسی شہر یا کسی ملک پر مسلمان حملہ آور ہوئے۔ وہاں کے کفار نے بغیر کسی لڑائی کے مسلمانوں سے صلح کرتے ہوئے ان کی اطاعت قبول کرلی تو وہ بدستور اپنی زمین کے مالک ہوں گے، اور ان کی زمین شرعاً خراجی ہوگی۔

وكل أرض من أراضي الأعاجم صالح عليها أهلها وصاروا ذمة فهي أرض خراج ـ (۳)

---

(۱) درمختار مع رد المحتار ۲۶۲/۲ (۲) بدائع الصنائع ج۲ ص ۹۳ (۳) کتاب الخراج لابی یوسف / ۶۹

۳ــــــ اسی طرح مسلمان کسی شہر یا ملک پر حملہ آور ہوئے اور وہاں کے غیر مسلم باشندے مسلمانوں کے خوف سے جلاوطن ہو گئے تو ان کی اراضی بھی از روئے شرع خراجی ہوگی۔

وما جلا عنها أهلها خوفا منا ۔ (۱)

۴ــــــ بنجر اور ناقابل کاشت زمین کو کسی غیر مسلم نے قابل کاشت بنادیا تو وہ زمین بھی خراجی ہوگی، اور اس پر خراج عائد ہوگا۔

۵ــــــ کسی غیر مسلم نے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر قتال کیا اور حاکم وقت نے غنیمت کی زمین میں سے کچھ زمین اس غیر مسلم کو بھی دے دی تو یہ زمین بھی شرعاً خراجی ہوگی اور اس پر خراج عاید ہوگا۔

ومنها أرض الموات التي أحياها ذمي وأرض الغنيمة التي رضخها الامام لذمي كان يقاتل مع المسلمين ۔ (۲)

۶ــــــ کسی مسلمان نے اپنا مکان توڑ کر اس کو باغ یا کھیت بنادیا اور اس کو خراجی پانی سے سیراب کیا تو ایسی زمین بھی خراجی ہوگی اور اس پر خراج عاید ہوگا۔

۷ــــــ اسی طرح کسی غیر مسلم نے اپنا مکان توڑ کر اس کو باغ یا کھیت بنادیا تو ایسی زمین بھی شرعاً خراجی ہوگی، خواہ خراجی پانی سے اس کو سیراب کرے یا عشری پانی سے۔

(وأخذ خراج من دار جعلت بستانا) أو مزرعة (لو) كانت (لذمي مطلقا) (أو لمسلم) وقد (سقاها بمائه) لدورانه به ۔ (درمختار) ۔ (قوله بمائه) أي ماء الخراج ۔ (۳)

۸ــــــ اگر کسی غیر مسلم کے پاس خراجی زمین ہو اور اس کو جلاوطن کرکے اس کی جگہ پر کسی دوسرے غیر مسلم کو آباد کیا جائے یا کسی علاقہ یا کسی شہر کے تمام غیر مسلموں کو جن کے پاس خراجی زمین ہو جلاوطن کرکے ان کی جگہ پر دوسرے غیر مسلموں کو آباد کیا جائے اور ان کے قبضہ میں پہلے غیر مسلموں کی زمینیں چلی جائیں تو وہ بدستور خراجی رہیں گی، اس لیے کہ یہ لوگ پہلے والے لوگوں کے قائم مقام ہو جائیں گے۔

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/۸۲۳ (۲) بدائع الصنائع ۲/۶۳۶ (۳) شامی ۵۲/۲

وكذا إذا أجلاهم ونقل إليها قوماً آخرين من أهل الذمة لأنهم قاموا مقام الأولين۔

خلاصہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر خراجی زمینیں دو طرح بنائی جاتی ہیں:

الف:—— مسلمانوں نے کفار کی زمین پر بزور شمشیر فتح کر کے زمین ان کے قبضہ میں چھوڑ دیا، فاتحین کے درمیان تقسیم نہ کی ہو۔

ب: کفار کی زمین صلح کے ساتھ فتح ہوئی اور کفار نے خراج دینے پر مصالحت کر لی ہو۔

ان دو بنیادی صورتوں کے علاوہ بھی خراجی زمین کی چند صورتیں ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

عشری زمین خراجی کب بنتی ہے

خراجی زمین کی تعریف کے ضمن میں ایک بحث آتی ہے کہ عشری زمین خراجی کب بنتی ہے۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب عشری زمین بیع و شراء یا دیگر جائز ذرائع کے ذریعہ کسی غیر مسلم کی ملکیت میں چلی جائے تو وہ عشری زمین خراجی بن جاتی ہے، اس لیے کہ عشر میں عبادت کا پہلو بھی ہے اور غیر مسلم عبادت کا اہل نہیں ہے۔ —— پھر مذکورہ عشری زمین کو جو غیر مسلم کی ملکیت میں جانے کی وجہ سے خراجی بن گئی دوبارہ کوئی مسلمان خریدے تو وہ عشری نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ جب کوئی زمین ایک مرتبہ خراجی بن جائے تو مالک کے بدلنے سے وہ عشری نہیں ہوتی۔ البتہ اگر خراجی زمین کے مالک کا انتقال ہو جائے اور اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو تو وہ زمین بیت المال کی ہوگی۔ بیت المال سے اگر کوئی مسلمان خریدے تو وہ عشری ہو جائے گی جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا۔

صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانی نے اس سلسلے میں بہت ہی واضح اور صاف ستھری عبارت لکھی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

حتى إن الذمي لو اشترى أرض عشر من مسلم فعليه الخراج عندنا

...... لأن العشر فيه معنى العبادة والكافر ليس من أهل وجوب العبادة

---

۱ بدائع الصنائع ۲/۵۷

میں ادا کرتے تھے، نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم الحرام میں۔

لما روی أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صالح نصاریٰ بنی نجران من جزیۃ رؤوسہم وخراج أرضیہم علی ألفی حلۃ وفی روایۃ علی ألفی ومائتی حلۃ تؤخذ منہم فی وقتین لکل سنۃ نصفہا فی رجب و نصفہا فی المحرم۔ (۱)

۲ ــــــ نصاریٰ بنی تغلب کی زمین اصولاً خراجی تھی لیکن جب انھوں نے خراج کو ذلت سمجھ کر خراج کے نام پر کوئی رقم دینے سے انکار کیا اور عشر کے نام پر رقم دینے کے لیے تیار ہوئے تو حضرت عمر فاروق نے ان سے دوگونا عشر لینے پر مصالحت کر لی اگر چہ ان سے عشر کے نام پر رقم وصول کی جاتی تھی، لیکن حقیقت میں وہ خراج ہی تھا یہی وجہ ہے کہ ان کی زمین کسی مسلمان کی ملکیت میں جانے کے بعد بھی خراجی ہی رہی اور مسلمان سے بھی خراج ہی وصول کیا گیا۔ (۲)

۳ ــــــ جب حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں عراق فتح ہوا تو کچھ صحابہ نے عراق کی زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا، جن میں بلال بن رباح اور عبدالرحمٰن بن عوف پیش پیش تھے ــــــ دیگر صحابہ مثلاً حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت طلحہ وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ عراق کی زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم نہ کی جائے، بلکہ وہاں کی زمین مصالح عامہ اور مسلمانوں کے لیے وقف تسلیم کی جائے، اس لیے کہ مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنے کی صورت میں یہ ممکن ہے کہ کسی وقت پوری جائداد کسی ایک شخص کے قبضہ میں چلی جائے اور اس کی اولاد میں وہ لوگ بھی ہوں جو اس جائداد کو اسلام دشمنی اور مسلمانوں کی مخالفت میں استعمال کریں ــــــ حضرت عمر فاروق رض نے آیات فئی سے استدلال کرتے ہوئے عراق کی زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنے سے انکار کر دیا اور تمام مسلمانوں اور دیگر مصالح عامہ کے لیے وقف قرار دیا اور زمین داران کے قبضہ میں رکھتے ہوئے ان سے خراج وصول کیا ــــــ اسی طرح شام اور مصر کی سرزمین میں بھی حضرت عمر فاروق رض نے فیصلہ فرمایا۔ (۳)

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۳ (۲) تبیین الحقائق ۱/۲۷۹ (۳) پوری تفصیل کے لیے دیکھیے کتاب الخراج لابی یوسف

علامہ ابن قدامہ اپنی مشہور کتاب "مغنی" میں فرماتے ہیں:

"دورِ رسالت یا عہدِ فاروقی یا بعد کے دور میں جن ملکوں اور شہروں کو بزورِ شمشیر فتح کیا گیا، ان میں سے کسی بھی ملک یا شہر کی زمین مسلمانوں کے درمیان تقسیم نہیں کی گئی، بلکہ مصالحِ عامہ کے لیے وقف رہی اور زمین داران کے قبضہ میں رکھتے ہوئے ان سے خراج وصول کیا گیا ——— البتہ صرف خیبر کی آدھی زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کی گئی اور آدھی زمین مصالحِ عامہ کے لیے وقف رہی۔" (۱)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ان فیصلوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو ملک یا شہر بزورِ شمشیر فتح ہو تو اس کی زمین مجاہدین و فاتحین کے درمیان حسبِ ضابطہ تقسیم کرنے یا تمام مسلمانوں اور دیگر مصالحِ عامہ کے لیے وقف قرار دینے کے سلسلہ میں امامِ وقت کو شرعاً اختیار ہوگا، اگر مصلحت کا تقاضہ یہ ہو کہ فاتحین کے درمیان زمین تقسیم کر دی جائے تو امامِ وقت فاتحین کے درمیان زمین تقسیم کرے اور اگر مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ مصالحِ عامہ کے لیے وقف قرار دی جائے تو مصالحِ عامہ کے لیے وقف کر دے۔

علامہ ابن قدامہ نے اس مسئلہ میں علماء و فقہاء کے تین اقوال نقل کیا ہے۔

۱ ——— امام کو شرعاً یہ اختیار ہوگا کہ جیسی مصلحت سمجھے اس کے مطابق عمل کرے۔

۲ ——— محض مسلمانوں کے قبضہ ہی سے زمین وقف قرار پائے گی، امام کو مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۳ ——— مسلمانوں کے درمیان زمین کی تقسیم حسبِ ضابطہ ضروری ہے۔

علامہ ابن قدامہ مذکورہ تینوں اقوال اور ان کے دلائل ذکر کرنے کے بعد اور قولِ اول کو راجح قرار دیتے ہوئے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"امام کو جو اختیار حاصل ہوگا وہ مصلحت کے پیشِ نظر ہوگا نہ کہ خواہشات کے پیشِ نظر ——— لہٰذا جس میں مصلحت سمجھے اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا اور اس سے اعراض جائز نہیں ہوگا۔

إذا ثبت هذا فإن الاختيار المفوض إلى الإمام اختيار مصلحة لا اختيار تشهٍ فيلزمه فعل ما يرى المصلحة فيه ولا يجوز له العدول عنه۔ (۲)

---

(۱) المغنی لابن قدامہ ۴/۱۹۰ (۲) المغنی لابن قدامہ ۴/۱۹۰

محور پنجم

عشر کے چند اہم مسائل

عشر میں نصاب کی شرط

۱ــــ عشر میں نصاب شرط ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء کے دو قول ملتے ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف و امام محمدؒ اس بات کے قائل ہیں کہ جس طرح دیگر اموال میں وجوب زکوٰۃ کے لیے نصاب شرط ہے اسی طرح وجوب عشر کے لیے بھی نصاب شرط ہے اور وہ پانچ وسق ہے ـــــ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اس طرح پانچ وسق کے تین سو صاع ہوئے ـــــ ایک صاع انگریزی وزن کے حساب سے تین کلو تین سو بیاسی گرام کا ہوتا ہے، تو تین سو صاع کا وزن دس کوئنٹل چودہ کلو چھ سو گرام ہوا ـــــ گویا اگر کسی کے پاس کم از کم دس کوئنٹل چودہ کلو چھ سو گرام پیداوار ہو تو ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک عشر واجب ہوگا اور اس سے کم ہو تو واجب نہیں ہوگا۔[1]

(۲) دوسرا قول امام ابو حنیفہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ زرعی پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، یہی مسلک مجاہد، زہری اور ابراہیم نخعی کا بھی ہے ـــــ عبدالرزاق نے سماک بن الفضل سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول بھی یہی نقل کیا ہے اور ان کا عمل بھی یہی تھا کہ وہ زرعی پیداوار کی ہر قلیل وکثیر مقدار پر عشر لیا کرتے تھے۔(۲)

فریقین کے دلائل

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رح کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) یہ حضرات ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں پانچ وسق سے کم میں صدقہ کو واجب نہیں قرار دیا گیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) الفقہ علی المذاہب الاربعۃ [illegible] والمغنی وغیرہ (۲) بدائع الصنائع [illegible] شرح فتح القدیر [illegible]

ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة۔

(۲) دوسری روایت طحاوی کی ہے جس میں یہ صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ زرعی پیداوار میں عشر اس وقت واجب ہے جب کہ وہ پانچ وسق کو پہنچ جائے۔

ما سقت السماء أو كان سيحا أو بعلا ففيه العشر إذا بلغ خمسة أوسق۔

(۳) تیسری دلیل عقلی ہے کہ عشر زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ہے اور دیگر اموال زکوٰۃ میں وجوب زکوٰۃ کے لیے نصاب شرط ہے، اگر نصاب سے کم مال ہو تو اس میں شرعاً زکوٰۃ واجب نہیں، اسی طرح وجوب عشر کے لیے بھی نصاب شرط ہونا چاہیے۔

صاحب ہدایہ صاحبین کی عقلی دلیل دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ولأنه صدقة فيشترط فيه النصاب ليتحقق الغنى۔

یعنی عشر ایک صدقہ ہے لہٰذا اس میں بھی نصاب کی شرط ہوگی تاکہ غنا کا تحقق ہو جائے۔

فریق ثانی کے دلائل

امام ابو حنیفہؒ اور دیگر حضرات جو وجوب عشر کے لیے نصاب کی شرط نہیں لگاتے ہیں وہ ان آیات و روایات کے عموم سے استدلال کرتے ہیں جو وجوب عشر کے سلسلہ میں عام ہیں، ان میں نصاب کی کوئی قید نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

ولأبي حنيفة عموم قوله تعالى: "يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض"، وقوله عز وجل: "وآتوا حقه يوم حصاده" وقول النبي صلى الله عليه وسلم ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر من غير فصل بين القليل والكثير۔ (۱)

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۵۳

امام صاحبؒ کی دلیل آیت کریمہ:

یا أیہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض۔ اور۔ وآتوا حقہ یوم حصادہ " اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

ما سقتہ السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب أو دالیۃ ففیہ نصف العشر "

کا عموم ہے جن میں قلیل وکثیر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

مذکورہ آیات اور حدیث عام ہیں، ان میں نصاب کی کوئی قید نہیں ہے، جس سے معلوم ہوا کہ زرعی پیداوار کی ہر قلیل وکثیر مقدار پر عشر واجب ہے۔

(۲) خلیفہ عادل حضرت عمر ابن عبد العزیز کا عمل بھی اسی پر تھا اور اپنے عمال کو بھی یہی لکھا کر زمین کی پیداوار کی ہر مقدار پر عشر لیں خواہ وہ مقدار قلیل ہو یا کثیر۔ علامہ انور شاہ کشمیری زیلعی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

وبذلک عمل الخلیفۃ العدل عمر بن عبد العزیز فکتب إلی عمالہ أن یأخذوا العشر من کل قلیل وکثیر۔ (۱)

علامہ کشمیری اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

" اس سے معلوم ہوا کہ امت کا تعامل بھی اسی پر رہا کہ ہر قلیل وکثیر مقدار پر عشر لیا گیا۔"

"فدل علی أنہ جری بہ التعامل"۔ (۲)

(۳) امام صاحب رح کی تیسری دلیل عقلی ہے کہ وجوب عشر کا سبب زمین کا قابل کاشت اور پیداوار کا حقیقۃً موجود ہونا ہے اور اس سبب میں کوئی تفصیل نہیں ہے، بلکہ زرعی پیداوار کی جو بھی مقدار ہو اس میں وجوب عشر پایا جائے گا۔ لہٰذا پیداوار کی ہر مقدار میں عشر واجب ہونا چاہیے۔ علامہ کاسانی امام صاحب رح کی جانب سے عقلی دلیل دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" ولأن سبب الوجوب وھی الأرض النامیۃ بالخارج لا یوجب التفصیل بین القلیل والکثیر" (۳)

(۱-۲) فیض الباری باب ما لیس فیما دون خمسۃ أوسق صدقۃ ۳/۵۴ (۳) بدائع الصنائع ۲/۹۳۶

فریقِ اول کے دلائل کے جوابات

جہاں تک فریقِ اول کے دلائل کے جوابات کا تعلق ہے تو ان میں سے پہلی روایت کے تین جوابات دیئے جاتے ہیں۔

الف :۔۔۔ علامہ کاسانی پہلی حدیث کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں کہ یہ حدیث خبرِ واحد ہے، لہٰذا قرآن کریم اور حدیث کے مقابلہ میں اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

وأما الحديث فالجواب عن التعلق به من وجهين أحدهما أنه من الآحاد فلا يقبل من معارضة الكتاب والخبر المشهور۔ (۱)

ب :۔۔۔ اس کا دوسرا جواب صاحب ہدایہ نے ان الفاظ میں دیا ہے کہ :

اس حدیث کا تعلق زکوٰۃ تجارت سے ہے نہ کہ عشر سے۔ اس لیے کہ اس زمانہ میں صحابہ کرام اوساق کے ذریعہ خرید و فروخت کرتے تھے۔ ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوا کرتی تھی۔ اس طرح پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم ہوئی اور زکوٰۃ تجارت کا نصاب بھی دو سو درہم ہے ۔۔۔۔۔ جس کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ وسق یعنی دو سو درہم سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ کی عبارت :

وتأويل ما رويناه زكوة التجارة لأنهم كانوا يتبايعون بالأوساق وقيمة الوسق أربعون درهما۔ (۲)

ج :۔۔۔ مذکورہ حدیث کا تیسرا جواب علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری نے دیا ہے کہ،

مذکورہ حدیث میں صدقہ سے مراد صدقات منتشرہ ہیں یعنی وہ مختلف حقوق ہیں جو اموال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کبھی واجب ہوتے ہیں۔ اس کا تعلق نہ تو زکوٰۃ سے ہے اور نہ ہی عشر سے ۔۔۔۔۔ اور یہ حقوق پانچ وسق سے کم مال میں واجب نہیں ہوتے ہیں۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۹۳/۲

(۲) هدايه باب زكوة الزروع والثمار ۲۰۱/۱

"وقال الشيخ بدرالدين العيني في شرح البخاري إن المراد من الصدقة الصدقات المتفرقة وهي من الحقوق المنتشرة التي قد تجب في الأموال سوى الزكوة فالحديث عنده ليس من باب العشر كما عمل عليه الجمهور ولا من باب الزكوة كما به قال صاحب الهداية بل من باب الحقوق المنتشرة وحاصله أن تلك الحقوق لا تؤخذ ممن كان عنده هذا المقدار۔" (۱)

دوسری روایت کا جواب

صاحب ہدایہ یا علامہ بدرالدین عینی نے جو جواب دیا ہے وہ پہلی روایت کا جواب تو ہو سکتا ہے لیکن طحاوی کی جو روایت ہے اس کا جواب نہیں ہو سکتا ہے، اس لیے کہ طحاوی کی روایت میں خمسة أوسق کی قید صراحۃً عشر کے ساتھ ہے اور یہ روایت صحیح اور اس کی اسناد قوی ہے ——— البتہ علامہ انور شاہ کشمیری نے طحاوی کی مذکورہ روایت پر بہت اچھی اور تفصیلی بحث کی ہے اور مذکورہ حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس کا تفصیلی اور تحقیقی بخش جواب دیا ہے کہ:

"یہ حدیث عرایا پر محمول ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ "عرایا" عریہ کی جمع ہے جس کے معنی عطیہ کے ہیں پہلے زمانہ میں امراء فقراء و مساکین کو درخت دے کر یہ کہہ دیا کرتے کہ تم درختوں کی حفاظت و نگہداشت کرو اور اس کا پھل کھاؤ پھر اگر کسی وجہ سے وہ لوگ اپنا درخت واپس لینا چاہتے تو واپس لے سکتے تھے لیکن ایسی صورت میں شرعاً ان کو یہ حکم تھا کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کے عوض پانچ وسق پھل علیحدہ سے ان مساکین کو دے دیں ——— چونکہ امراء پانچ وسق پھل علیحدہ سے مساکین کو دے دیا کرتے تھے اس لیے درختوں پر لگے ہوئے پھلوں میں سے پانچ وسق کے بقدر عشر ساقط ہو جایا کرتا تھا جس کو حدیث میں عفو قرار دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ پانچ وسق سے کم میں عشر نہیں ہے ——— پانچ وسق سے زائد پھلوں میں عشر واجب تھا۔"

---

(۱) فیض الباری ۳۶/۳

مذکورہ حدیث کا دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس میں صدقہ وصول کرنے والوں کا ذکر بیان کیا گیا ہے کہ وہ سہولت کے پیش نظر پانچ وسق سے کم میں عشر وصول نہیں کریں گے، بلکہ مالکان خود ہی اس کا عشر نکال کر اس کے مصارف پر صرف کر دیں گے۔ (١)

عقلی دلیل کا جواب

ائمہ ثلاثہ نے وجوب عشر کے لیے شرط نصاب کی جو عقلی دلیل دی تھی کہ جب دیگر اموال میں زکوٰۃ کے لیے نصاب شرط ہے تو عشر کے وجوب کے لیے بھی نصاب شرط ہونا چاہیے۔ اس کا جواب صاحب ہدایہ نے یہ دیا ہے کہ عشر اور دیگر اموال کی زکوٰۃ میں فرق ہے —— دیگر اموال کی زکوٰۃ میں مال کا مالک ہونا اور حولان حول شرط ہے اور عشر میں نہ تو حولان حول شرط ہے اور نہ ہی مال کا مالک ہونا، اور جب عشر میں مالک ہونا ضروری نہیں ہے تو اس کی صفت مالدار ہونا کیسے ضروری ہوگی۔

ولا معتبر بالمالك فيه فكيف بصفته وهو الغناء ولهذا لا يشترط الحول لأنه للاستنماء وهو كله نماء۔ (٢)

قول راجح اور وجہ ترجیح

اوپر دونوں فریق کے اقوال، ہر ایک کے دلائل اور فریق اول کے دلائل کے جوابات مذکور ہوئے۔ پوری بحث کی روشنی میں امام صاحب رحمہ اللہ کا قول راجح معلوم ہوتا ہے اور فقہاء احناف نے امام صاحب رحمہ اللہ ہی کے قول کو راجح اور مفتیٰ بہ قرار دیا ہے، اور اسی پر امت کا تعامل بھی ہے۔ علامہ شامی امام صاحب کا قول بیان کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں:

"هذا قول الإمام وهو الصحيح كما في التحفة" (٣)

علامہ انور شاہ کشمیری امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی تائید کرتے ہوئے بہت ہی عمدہ انداز میں لکھتے ہیں:

---

(١) فیض الباری، ج ٣، ص ٢٠٠ (٢) الہدایہ ١/٢١٤ (٣) شامی ٢/٣٢٦

"فاذا شهد لنا ظاهر القرآن والحديث الصريح وتعامل السلف لم يبق ريب في ترجيح مذهبنا"۔ (۱)

یعنی جب ظاہر قرآن، صریح حدیث اور تعامل سلف نے ہماری شہادت دے دی تو ہمارے مذہب کو راجح قرار دینے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔

علامہ ابن ہمام نے شرح فتح القدیر میں بہت ہی اچھی بات لکھی ہے کہ:

"وجوب عشر کے لیے نصاب کے شرط ہونے اور نہ ہونے میں نص عام اور نص خاص باہم متعارض ہیں۔ احتیاط اسی میں ہے کہ نص عام پر عمل کرتے ہوئے زرعی پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب قرار دیا جائے، کیوں کہ ایسی صورت میں نص عام اور نص خاص دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔"

"والحاصل أنه تعارض عام وخاص .... كان الايجاب أولى للاحتياط"۔ (۲)

نیز قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ امام صاحب رح کا قول راجح ہو، اس لیے کہ اس پر اتفاق ہے کہ عشر میں حولان حول کی شرط نہیں ہے، لہٰذا رکاز اور اموال غنیمت کی طرح عشر میں بھی نصاب کی شرط نہیں ہونی چاہیے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وجوب عشر کے لیے نصاب کی شرط اور عدم شرط میں امام صاحب رح کا قول دلائل کی روشنی میں راجح ہے اور اسی پر امت کا عمل بھی ہے۔

کس زرعی پیداوار پر عشر واجب ہے؟

کس قسم کی زرعی پیداوار پر عشر واجب ہے اور کس پر نہیں؟ کیا ہر قسم کی پیداوار پر عشر واجب ہے یا کچھ چیزیں عشر سے مستثنیٰ ہیں ــــــ اس سلسلہ میں علماء و فقہاء کے مختلف اقوال ملتے ہیں:

۱ ــــــ عبداللہ بن عمر اور بعض تابعین و تبع تابعین مثلاً عبداللہ بن المبارک، حسن بصری، ابن سیرین اور امام شعبی وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ صرف چار غذائی اشیاء میں عشر یا نصف عشر واجب ہے ان کے علاوہ کسی دوسری اشیاء میں عشر واجب نہیں ہے، وہ چار اشیاء یہ ہیں ــــــ غلوں میں

---

(۱) فیض الباری ۳/۴۵ (۲) شرح فتح القدیر ۲/۲۴۲

گیہوں اور جو ــــــ اور پھلوں میں کھجور اور کشمش۔(۱)

یہ حضرات ابن ماجہ اور دار قطنی کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف گیہوں، جو، کھجور اور کشمش میں زکوٰۃ کا طریقہ رائج فرمایا ــــ لیکن اس روایت کی سند پر علامہ شوکانی نے کلام کیا ہے ــــــ ان کا کہنا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن عبداللہ العرزمی ہیں جو متروک الحدیث ہیں ــــ لہٰذا اس روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔(۲)

۲ــــ دوسرا قول امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ہے ــــــ ان کا مشہور قول یہ ہے کہ عشر ان اشیاء میں واجب ہے جو کیلی ہوں، باقی رہنے والی ہوں اور ان کو خشک کیا جاسکتا ہو ــــ اگر کسی چیز میں مذکورہ تین شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس میں عشر واجب نہیں ہوگا، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک ہر قسم کے میوہ جات مثلاً امرود، سیب اور زردآلو میں، اسی طرح تمام سبزیوں میں مثلاً ککڑی، کھیرا، بینگن، شلغم اور گاجر وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہے۔(۳)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم "فیما سقت السماء العشر" کے عموم سے استدلال کرتے ہیں اور کیلی وغیرہ کی قید "خمسۃ أوسق" والی روایت سے لگاتے ہیں۔

۳ــــ تیسرا قول امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔ ان دونوں حضرات کے نزدیک عشر ان غذائی اشیاء میں واجب ہے جو ذخیرہ اندوزی کے قابل ہوں اور جن کو خشک کیا جاسکتا ہو، مثلاً گیہوں، جو، مکئی اور چاول وغیرہ ــــــ ان حضرات کے نزدیک وجوب عشر کے لیے تین شرطیں ہوتی ہیں ــــ بطور غذا استعمال ہونے والی اشیاء ہوں ــــ ذخیرہ اندوزی کے لائق ہوں ــــــ ان کو خشک کیا جاسکتا ہو ــــ اگر کسی چیز میں ان تینوں شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس میں عشر واجب نہیں ہوگا، چنانچہ اخروٹ، پستہ، بادام اور اس طرح کی دوسری چیزوں میں عشر واجب نہیں ہے کیونکہ یہ اشیاء بطور غذا استعمال نہیں کی جاتی ہیں ــــ گرچہ ذخیرہ اندوزی کے لائق ہیں اور سیب، انار، امرود اور سبزیوں میں عشر واجب نہیں ہے اس لیے کہ ان اشیاء کو نہ تو خشک کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ذخیرہ اندوزی کے لائق ہیں۔

---

(۱) المغنی لابن قدامہ ۲/۲۹۹ (۲) نیل الأوطار ۴/۱۳۴ (۳) المغنی ۲/۲۹۹

یہ حضرات ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں سبزی اور پھل سے زکوٰۃ کی نفی کی گئی ہے۔[۱]

۴۔ چوتھا قول احناف میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد کا ہے۔ ان دونوں حضرات کے نزدیک ہر قسم کے غلہ میں اور ان پھلوں میں عشر واجب ہے جو بغیر کسی دوا وغیرہ کے ایک سال تک باقی رہنے والے ہوں۔ جو پھل سال بھر تک باقی رہنے والے نہیں بلکہ وہ رکھنے سے خراب ہو جاتے ہوں تو ان میں عشر واجب نہیں ہے، چنانچہ سبزیوں میں ان حضرات کے نزدیک عشر واجب نہیں ہے

—— ان کا استدلال حدیث "لیس فی الخضروات صدقۃ" سے ہے۔

اس روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے اس کے ذریعے قرآن کریم اور حدیث مشہور کے عموم کی تخصیص نہیں کی جا سکتی ہے یا یہ روایت زکوٰۃ تجارت سے متعلق ہے یا اس کا تعلق عاشر (عشر وصول کرنے والے) سے ہے کہ عشر وصول کرنے والا سبزیوں سے عشر وصول نہیں کرے گا، بلکہ سبزیوں کا عشر خود مالکان نکال کر اس کے مصارف پر صرف کر دیں گے۔[۲]

۵۔ پانچواں قول امام ابو حنیفہ رہ کا ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اشیاء کا بطور غذا استعمال ہونا، کیل ہونا، قابل ادخار ہونا، باقی رہنا اور خشک ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک زمین کی ہر اس پیداوار میں عشر واجب ہے جس کی کاشت عموماً اور عادۃً کی جاتی ہو اور اس سے مقصود زمین سے فائدہ حاصل کرنا ہو —— چنانچہ امام صاحب رہ کے نزدیک ہر قسم کے پھل اور سبزی میں عشر واجب ہے۔

گھاس، بانس وغیرہ میں عشر

البتہ خود رو گھاس، بانس، لکڑیاں، بھوسہ، کھجور کی شاخ جس سے زنبیل وغیرہ بناتے ہیں، گوند، نظمی، اشنان، روئی اور بازنجان کا درخت، خربوزہ اور ککڑی وغیرہ کا بیج اسی طرح وہ اشیاء جو بطور دوا استعمال ہوتی ہیں، یا اور اس طرح کی چیزیں جن کی کاشت عادۃً نہیں ہوتی اور ان کی کاشت سے زمین سے فائدہ اٹھانا مقصود نہیں ہوتا، ان میں امام صاحب کے نزدیک بھی عشر واجب نہیں ہے۔[۳]

---

(۱) کتاب الام ۲/۴۹، فقہ السنۃ ۱/۳۵۵ (۲) بدائع الصنائع ۲/۳۲۹ - ۹۳۰ (۳) در مختار مع رد المحتار ۲/۵۵

لیکن اگر ان اشیاء کی باقاعدہ کھیتی کی جائے جن سے فائدہ اٹھانا مقصود ہو یا ان اشیاء کی وجہ سے عشری زمین مشغول ہو تو ان دونوں صورتوں میں ان اشیاء میں بھی عشر واجب ہوگا ـــــ در مختار میں ہے کہ اگر زمین کو ان اشیاء سے مشغول کردیا تو ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔

"حتى لو أشغل أرضه بها يجب العشر" (١)

حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار میں شرح ملتقی کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ مذکورہ اشیاء میں دو صورتوں میں سے کسی بھی ایک کے پائے جانے پر عشر واجب ہوگا۔ یا تو قصد و ارادہ سے ان اشیاء کی کاشت ہوئی ہو یا زمین کو ان اشیاء سے مشغول کر رکھا ہو۔

("قوله حتى لو شغل) قال في شرح الملتقى اذ أن قصد الزرع أو شغل أرضه بشئ مما ذكر فيجب العشر اهـ. فظاهره ان الموجب للعشر احد الشيئين فيالشغل بهذه الاشياء يجب" (٢)

بدائع الصنائع میں ہے کہ اگر زمین میں بانس لگا دیا گیا جس سے کونپل نکلتا ہے اور اس کو ہر تین سال یا چار سال پر کاٹ لیا جاتا ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ "لأن ذالك غلة وافرة" اس لیے کہ اس میں بہت زیادہ آمدنی ہے۔ (٣)

شرح فتح القدیر میں بیع کی قید لگائی گئی ہے یعنی ان اشیاء کو کاٹ کر فروخت کیا جائے اور اس کی قیمت سے فائدہ اٹھایا جائے تو عشر واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

حتى لو اتخذ الأرض مقصبة أو مشجرة أو منبتا للحشيش وأراد به الاستنماء بقطع ذلك وبيعه وجب فيها العشر. (٣)

لیکن علامہ شامی نے شرنبلالیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ کاٹ کر فروخت کرنے کی قید ضروری نہیں ہے بلکہ مطلق اس سے فائدہ اٹھانا مقصود ہے خواہ فروخت کرکے قیمت سے فائدہ اٹھایا جائے یا اپنے استعمال میں لاکر۔

---

(١) الدر المختار على هامش رد المختار ٢/٥٠ (٢) حاشية الطحطاوي على الدر المختار ١/٤٠٨

(٣) بدائع الصنائع ٢/٥٩ (٣) شرح فتح القدير ٢/٢٤٥

علامہ شامی کا رجحان بھی بظاہر اسی جانب معلوم ہوتا ہے۔ اور کتب فقہ کے مطالعہ سے بھی یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ بیع کی قید نہ لگائی جائے۔ " وبیع مایقطعہ لیس بقید " (۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ان تمام زرعی پیداوار میں عشر واجب ہے جن کی کاشت سے فائدہ اٹھانا مقصود ہو یا زمین کو ان سے مشغول کر رکھا ہو۔

امام صاحب کا استدلال ان آیات اور روایات کے عموم سے ہے جن سے عشر کا ثبوت ملتا ہے ان آیات و روایات کا ذکر نصاب کی بحث میں گذر چکا ـــــ آیات اور روایات عام ہیں ان میں کوئی تخصیص اور کوئی قید نہیں ہے بلکہ ان سے ہر زرعی پیداوار پر وجوب عشر کا ثبوت ملتا ہے

قول راجح

دلائل کی روشنی میں امام صاحب کا قول راجح معلوم ہوتا ہے، قرآن کریم، صریح اور صحیح روایات کے عموم اور امت کے تعامل سے امام صاحب کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

مالکی فقیہ ابن العربی نے امام صاحب کے مسلک کی تائید کی ہے ـــــ ترمذی کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

" اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رح کا مسلک دلیل کے اعتبار سے قوی ترین مسلک ہے، مساکین کے حق میں زیادہ مفید اور محتاط ہے، اور اس مسلک پر عمل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت پر شکر کی بجا آوری بھی زیادہ ہے اور آیت و حدیث کا عموم بھی اس کا مؤید ہے۔"

فقہ الزکاۃ میں ہے:

" وقد أيد ابن العربي الفقيه المالكي مذهب أبي حنيفة في أحكام القرآن وفي شرح الترمذي قال: وأقوى المذاهب في المسئلة مذهب أبي حنيفة دليلا وأحوطها للمساكين وأولاها قياما بشكر النعمة وعليه يدل عموم الآية والحديث." (۲)

معاصر علماء میں سے یوسف قرضاوی نے اپنی کتاب فقہ الزکاۃ میں اس مسئلہ پر بہت اچھی اور تفصیلی بحث کی ہے،

---

(۱) شرنبلالیۃ علی هامش درر الأحکام فی شرح غرر الأحکام ۱/۱۹۹ (۲) فقہ الزکاۃ ۱/۳۵۹

اور امام صاحب رح کے قول کی تائید بہت ہی زوردار انداز میں کی ہے ــــــ امام صاحب رح کے خلاف دی جانے والی تمام دلیلوں کا تشفی بخش جواب بھی دیا ہے۔ علامہ یوسف القرضاوی اس مسئلہ میں علماء فقہاء کے اقوال اور ان کے دلائل ذکر کرنے بعد تعقیب و ترجیح کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"وأولى هذه المذاهب بالترجيح هو مذهب أبي حنيفة الذي هو قول عمر بن عبد العزيز ومجاهد وحماد وداود والنخعي، أن في كل ما أخرجت الأرض الزكاة فهو الذي يعضده عموم النصوص من القرآن والسنة وهو الموافق لحكمة تشريع الزكاة فليس من الحكمة ـ فيما يبدو لنا ـ أن يفرض الشارع الزكاة على زارع الشعير والقمح ويعفي صاحب البساتين من البرتقال أو المانجو أو التفاح الخ"(١)

ان تمام مسلکوں میں امام ابو حنیفہ رح کا مسلک قابل ترجیح ہے اور یہی قول عمر بن عبد العزیز، مجاہد، حماد، داؤد اور ابراہیم نخعی کا ہے ــــــ کہ زرعی ہر پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہے۔ قرآن و سنت کا عموم بھی اس قول کی تائید کرتا ہے نیز یہ قول زکوٰۃ کو مشروع قرار دینے کی جو حکمت ہے اس کے عین مطابق ہے۔ ہمارے خیال میں یہ حکیمانہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ شارع جو اور گیہوں کے کاشتکار پر زکوٰۃ عاید کرے اور جن باغات میں سنترہ، آم اور سیب جیسے پھل پیدا ہوتے ہوں، ان کے مالکوں کو چھوڑ دے۔

بہرحال امام صاحب کا قول راجح اور لائق عمل ہے۔ امام صاحب کا قول احوط اور انفع للفقراء ہے۔

پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً کھانہ اور سنگھاڑا پر عشر

تحقیق سے معلوم ہوا کہ کھانہ اور سنگھاڑا بھی زمین کی پیداوار ہیں۔ ان دونوں کا بیج زمین میں ڈالا جاتا ہے، اس سے پودے اگتے ہیں اور پھل اور آتا ہے ان دونوں کا رشتہ زمین سے بھی رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی برتن میں پانی رکھ کر کھانہ اور سنگھاڑا کا بیج ڈالا جائے تو اس میں ان دونوں کی پیداوار نہیں ہوگی لہٰذا کھانہ، سنگھاڑا اور اس جیسی دوسری پیداوار (جس کی کاشت پانی میں ہوتی ہو) پر شرعاً عشر واجب ہے۔

---

(١) فقه الزكاة ١/ ٥٥٣

مچھلی پر عشر و زکوٰۃ زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں میں عشر اور اموال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے اور مچھلیاں خواہ تالاب میں پالی جائیں یا دریا اور نالے سے نکالی جائیں۔ نہ تو زمین کی پیداوار ہیں، نہ اموال زکوٰۃ میں سے ہیں اور نہ ہی اموال تجارت میں سے، لہٰذا مچھلیوں میں شرعاً نہ تو عشر واجب ہے اور نہ ہی زکوٰۃ۔

ولا شئ فیما یستخرج من البحر کالعنبر واللؤلؤ والسمک۔ (۱)

علامہ ابن قدامہ المغنی میں تحریر فرماتے ہیں:

"تمام اہل علم کے نزدیک مچھلی میں کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ البتہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے ابو عبید نے ایک روایت وجوب زکوٰۃ کی نقل کی ہے۔ لیکن ابو عبید خود ہی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس قول کو قبول نہیں کیا، اور ہمیں معلوم نہیں کہ کسی نے اس قول پر عمل کیا ہو۔"

علامہ ابن قدامہ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"صحیح یہی ہے کہ مچھلی میں کچھ بھی واجب نہیں ہے اس لیے کہ وہ شکار ہے اور شکار میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ مچھلی میں زکوٰۃ کے وجوب پر نہ تو کوئی نص ہے اور نہ ہی اجماع ——— لہٰذا اموال زکوٰۃ پر مچھلی کا قیاس صحیح نہیں ہے۔"

ملاحظہ ہو المغنی کی عبارت:

"وأما السمک فلا شئ فیہ بحال فی قول أہل العلم کافۃ إلا شئ یروی عن عمر بن عبد العزیز رواہ ابو عبید عنہ وقال لیس الناس علی ہذا ولا نعلم أحداً یعمل بہ وقد روی ذالک عن أحمد أیضاً ——— والصحیح أن ہذا لا شئ فیہ لأنہ صید فلم یجب فیہ زکوٰۃ کصید البر ولأنہ لا نص ولا إجماع علی الوجوب فیہ ولا یصح قیاسہ علی ما فیہ الزکوٰۃ فلا وجہ لا یجابہا فیہ۔" (۲)

البتہ اگر کوئی شخص مچھلیاں، تالاب میں پال کر یا ندی وغیرہ سے نکال کر ان کی تجارت کرتا ہے تو ایسی

---

(۱) فتاویٰ قاضی خاں، علی ھامش الفتاویٰ الہندیہ ۱/۲۵۵ (۲) المغنی لابن قدامہ ۳/۲۶

صورت میں پھلیاں اموالِ تجارت کے حکم میں ہونگی اور ان کی مالیت پر شرعاً زکوٰۃ واجب ہوگی جیسا کہ دیگر اموالِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔ (۱)

ریشم پر عشر

کتاب وسنت، آثارِ صحابہ اور اقوالِ فقہاء و محدثین سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عشر زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں میں واجب ہے، غیر زرعی اشیاء میں عشر واجب نہیں ہے، اور یہ بات بھی متحقق ہے کہ ریشم زمین کی پیداوار نہیں ہے بلکہ ریشم کا کیڑا شہتوت کا پتا کھاتا ہے اور اس کیڑے سے ریشم تیار ہوتا ہے لہٰذا ریشم میں شرعاً عشر واجب نہیں ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک شہد میں عشر واجب ہے۔ شہد پر قیاس کا تقاضا ہے کہ ریشم پر بھی عشر واجب ہو لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ فقہاء نے شہد اور ریشم کے درمیان ایک لطیف فرق بیان کیا ہے کہ شہد کی مکھیاں پھل چوس کر شہد تیار کرتی ہیں اور پھلوں میں عشر واجب ہے، لہٰذا پھلوں سے تیار ہونے والے شہد میں بھی عشر واجب ہوگا ——— اور ریشم کے کیڑے شہتوت کے پتے کھا کر ریشم تیار کرتے ہیں اور پتوں میں عشر واجب نہیں ہے لہٰذا ریشم میں بھی عشر واجب نہیں ہوگا۔

ھدایہ میں ہے:

"ولأن النحل يتناول من الأنوار والثمار وفيهما العشر فكذا فيما يتولد منهما بخلاف دود القز لأنه يتناول من الأوراق ولا عشر فيها" (۲)

بعض حضرات نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جن چیزوں کی اصل میں زکوٰۃ واجب نہیں ان سے پیدا شدہ چیزیں واجب ہے، مثلاً زمین پر زکوٰۃ نہیں لیکن اس کی پیداوار میں عشر واجب ہے، شہد کی مکھی پر زکوٰۃ نہیں لیکن شہد میں عشر واجب ہے۔ اس قاعدہ کی روشنی میں ریشم میں بھی عشر واجب قرار دیا ہے اس لیے کہ ریشم کے کیڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ لیکن مذکورہ قاعدہ اور اس کی روشنی میں ریشم میں عشر واجب قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ مذکورہ قاعدہ کی روشنی میں بہت سی ان چیزوں میں بھی عشر واجب قرار دینا پڑے گا جن میں وجوبِ عشر کا قائل کوئی بھی فقیہ نہیں ہے۔

---

(۱) فقہ الزکاۃ ۱/۴۵۹ (۲) ھدایہ ۱/۲۰۲

یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے چونکہ ریشم کا کیڑا شہتوت کا پتا کھاتا ہے، شہتوت زمین سے اگتا ہے لہٰذا کیڑے سے ہونے والی آمدنی پر بھی عشر واجب ہونا چاہیے ـــــــ یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ایسی صورت میں ان تمام چیزوں میں عشر واجب قرار دینا ہوگا جن کا رشتہ کسی نہ کسی درجہ میں زمین کی پیداوار سے ہے ـــــــ جبکہ یہ بات عقل ونقل کے خلاف ہے اور کوئی بھی فقیہ اس کا قائل نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ریشم زمین کی پیداوار نہیں ہے، لہٰذا اس میں عشر واجب نہیں ہوگا ـــــــ البتہ اگر اس کی تجارت ہو تو یہ اموال تجارت میں شامل ہوگا اور اس کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

درختوں میں عشر

جن درختوں کے لگانے کا مقصد ان سے پھل حاصل کرنا ہوتا ہے ان کے پھلوں میں شرعاً عشر واجب ہے، خود ان درختوں میں نہیں۔ البتہ جو درخت پھل حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کے لیے لگائے جاتے ہیں، مثلاً جلانے کے کام میں یا فرنیچر وغیرہ میں استعمال ہوتے ہیں تو ان درختوں میں شرعاً عشر واجب ہے، اس لیے کہ وہ درخت یا تو بالقصد فائدہ اٹھانے کے لیے لگائے جاتے ہیں یا کم از کم زمین ان درختوں کی وجہ سے مشغول رہتی ہے ـــــــ اور سوال ۵ کے جواب میں درمختار، طحطاوی علی الدرالمختار اور شرح ملتقی کے حوالے سے یہ بات گذر چکی ہے کہ دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے پائے جانے پر عشر واجب ہوتا ہے ـــــــ یا تو بالقصد فائدہ اٹھانے کی غرض سے کسی چیز کی کھیتی کی جائے یا زمین اس سے مشغول ہو۔

سبزیوں میں عشر

سوال ۵ کے جواب میں یہ بات گذر چکی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وجوب عشر کے لیے اشیاء کا غذا کے قبیل سے ہونا، کیلی ہونا، خشک ہونا اور سال بھر تک باقی رہنا ضروری نہیں ہے بلکہ زمین کی ہر اس پیداوار میں عشر واجب ہے جس کی کاشت مقصود ہو ـــــــ اور یہ بات بھی گذر چکی ہے کہ امام صاحبؒ کا قول راجح اور مفتی بہ ہے، لہٰذا مفتی بہ اور راجح قول کے مطابق سبزیوں میں عشر واجب ہے ـــــــ جو سبزیاں عشری زمین میں لگائی جاتی ہیں خواہ تجارت کی غرض سے لگائی جائیں یا اپنے استعمال کے لیے ان

ہیں بہرحال عشر واجب ہے ـــــــ البتہ جو سبزیاں مکان کے احاطہ میں یا اس سے متصل افتادہ زمینوں میں جن پر فناء دار کا اطلاق ہوتا ہے یا مکان کی چھتوں پر لگائی جاتی ہیں ان میں عشر واجب نہیں ہے۔ اس لیے کہ مکان کی زمین عشری نہیں ہے۔ اور غیر عشری زمین کی پیداوار میں از روئے شرع عشر واجب نہیں ہے۔

جواب از سوال ۷ :

وجوب عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مملوکہ اراضی میں بھی عشر واجب ہے۔ اس لیے کہ عشر سے متعلق آیات و روایات عام ہیں، اراضی مملوکہ اور غیر مملوکہ دونوں کو شامل ہیں، نیز عشر پیداوار میں واجب ہے نہ کہ زمین میں ـــــــ اور جب عشر پیداوار میں واجب ہے تو زمین کا مالک ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔ لہٰذا اراضی اوقاف کی پیداوار میں بھی شرعاً عشر واجب ہوگا۔ خواہ اوقاف عامہ کی اراضی ہوں یا وقف علی الاولاد کی۔

علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں :

" وكذا ملك الأرض ليس بشرط لوجوب العشر وإنما الشرط ملك الخارج، فيجب في الأراضي التي لا مالك لها وهي الأراضي الموقوفة لعموم قوله تعالى: "يا أيها الذين أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض" وقوله عز وجل: " وآتوا حقه يوم حصاده" وقول النبي صلى الله عليه وسلم " ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر" ولأن العشر يجب في الخارج لا في الأرض فكان ملك الأرض وعدمه بمنزلة واحدة " [1]

والله اعلم بالصواب

هذا ما عندي والصواب من عند الله

---

(۱) بدائع الصنائع ۹۳/۲

عشری اور خراجی زمینوں کا مسئلہ

محوِ اوّل (مختصر جوابات)

از: ——— مولانا شمس پیرزادہ صاحب ، بمبئی

اسلام نے کن زمینوں کو عشری اور کن زمینوں کو خراجی قرار دیا ہے؟

قرآن و سنت کی رو سے ہر وہ زمین جو کسی مسلمان کی ملک ہو عشری ہے۔

قرآن کی آیت وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ[1] "اور زمین سے جو چیزیں ہم نے تمھارے لیے پیدا کی ہیں ان میں سے خرچ کرو۔"

اور آیت وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ[2] "اور اس کا حق ادا کرو فصل کٹنے کے دن،" کے حکم کی عمومیت اس پر دلالت کرتی ہے نیز فیما سقت السماء العشر[3] "جس زمین کو بارش کے پانی نے سیراب کیا ہو اس میں عشر ہے" سے اس کی تائید ہوتی ہے اور خراجی زمینیں وہ ہیں جو کسی علاقہ کو فتح کرنے کے بعد یا مصالحت کے نتیجہ میں غیر مسلموں کے قبضہ میں رہنے دی گئی ہوں۔ ان کے لیے اسلامی حکومت نے جو خراج (ٹیکس) مقرر کردیا ہو وہ انھیں ادا کرنا ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں:

"ہر وہ زمین جس کے مالک اس پر قابض رہتے ہوئے اسلام لائے ہوں ان کی ملکیت ہے اور عشری زمین قرار پائے گی، خواہ وہ زمین عرب کی ہو یا عجم کی جیسے کہ مدینہ جس کے مالک اس پر قابض رہتے ہوئے اسلام لائے تھے یا جیسے کہ یمن۔ اسی طرح بت پرست عربوں کی زمین اور ہر اس فرد کی زمین عشری قرار پائے گی جس سے جزیہ نہ قبول کیا جاتا ہو بلکہ اس

---

(۱) بقرہ: ۲۶۷ (۲) انعام: ۱۴۱ (۳) بخاری کتاب الزکوٰۃ۔

کے لیے اسلام لانے یا قتل کیے جانے کے سوا کوئی اور شکل نہ رکھی گئی ہو ــــــ خواہ امام نے اس زمین پر (بہ زور قوت) غلبہ حاصل کیا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین عرب کے متعدد علاقے فتح کیے اور انھیں بغیر تقسیم کے چھوڑ دیا، چنانچہ وہ قیامت تک عشری (زمینیں) رہیں گی۔

عجمیوں کے علاقوں میں سے جس علاقہ کو بھی امام نے فتح کرلیا ہو اور پھر اسے اس کے باشندوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیا ہو اس کی زمین خراجی ہے اور اگر اسے ان لوگوں کے درمیان تقسیم کردیا ہو جنھوں نے اسے بطور غنیمت حاصل کرلیا تھا تو وہ عشری زمین ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عجمیوں کی زمین فتح کرنے کے بعد اسے ان ہی لوگوں کے قبضہ میں رہنے دیا تو وہ زمینیں خراجی قرار پاگئیں۔

عجمیوں کے علاقہ کی ہر وہ زمین جس پر امام نے اس کے باشندوں سے مصالحت کرلی ہو اور وہ لوگ ذمی بن گئے ہوں خراجی زمین ہے۔" (۱)

عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق

عشری زمین مسلمان کی ملک ہوتی ہے اور اس کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہوتا ہے اس میں کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں۔ یہ عشر عبادت کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔

رہا خراج تو وہ جزیہ کے حکم سے تعلق رکھتا ہے اور غیر مسلموں کی زمینوں پر عائد کیا جاتا ہے اس کی مقدار اسلامی حکومت مقرر کرتی ہے اور اس کی ادائیگی اسلامی حکومت کو ٹیکس کے طور پر کی جاتی ہے، خراج کا تعلق اجتہاد سے ہے جب کہ عشر کا تعلق نص حدیث سے ہے۔

عشری زمین اگر کسی غیر مسلم نے خریدی ہو تو اس پر خراج عائد ہوگا نہ کہ عشر کیوں کہ عشر کی ادائگی ایک عبادت ہے اور وہ مسلمان پر واجب ہے:

" وان اشتری ذمی من مسلم ارض عشر .... فان بقیت

---

(۱) کتاب الخراج۔ اردو ترجمہ: ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ص ۲۶۵

فی ملك الكافر والقطع حق المسلم عنوا فهی خراجیة فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقال ابویوسف رحمه الله تعالی علیه عشران وقال محمد رحمه الله تعالی یوخذ منه عشر واحد(۱)

اگر کسی ذمی نے کسی مسلمان سے عشری زمین خرید لی .... پھر اگر کافر کی ملکیت میں باقی رہی اور مسلمان کا حق اس سے منقطع ہوا تو وہ زمین ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق خراجی ہے اور ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس پر دو عشر واجب ہیں اور محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس سے ایک ہی عشر لیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رح کا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اگر خراجی زمین کسی مسلمان نے خریدی ہو تو اس پر عشر واجب ہوگا۔ رہا خراج تو وہ ساقط ہو جانا چاہیے لیکن جمہور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اس کو خراج بھی ادا کرنا ہوگا۔

فقہ السنۃ میں ہے:

" والزكاة كما تجب فی ارض العشر تجب كذالك فی ارض الخراج إذا اسلم اهلها او اشتراها المسلم. فيجتمع فيها العشر والخراج ولا يمنع احدهما وجوب الآخر.

قال ابن المنذر وهو قول اكثر العلماء: (۲)

زکوٰۃ جس طرح عشری زمین میں واجب ہے اسی طرح خراجی زمین میں بھی واجب ہے اگر اس کا مالک اسلام قبول کر لے یا اس زمین کو کوئی مسلمان خرید لے اس صورت میں عشر اور خراج دونوں ادا کرنا ہوں گے اور ایک چیز دوسرے کے وجوب میں مانع نہیں ہوگی۔

ابن المنذر کہتے ہیں اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

مغنی میں ہے:

"یعنی ما فتح عنوة ووقف على المسلمين وضرب عليهم خراج معلوم

---

(۱) المبسوط ۳/۶ (۲) فقہ السنۃ۔ السید سابق ۱/۳۵۵

فانه يودى الخراج من غلته ويفرق باقيها فان كان نصابا ففيه الزكاة اذا كان لمسلم وان لم يبلغ نصابا او لم يكن لمسلم فلا زكوٰة فيه فان الزكاة لا تجب على غير المسلمين وكذلك الحكم فى كل ارض خراجية "(۱)

یعنی جو علاقہ بزور فتح کیا گیا اور مسلمانوں کے لیے وقف کیا گیا اور ان پر مقررہ خراج عائد کیا گیا تو وہ اس کی پیداوار میں سے خراج ادا کرے اور باقی حصہ اگر نصاب کے بقدر ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگا بشرطیکہ وہ زمین مسلمان کی ہو اور اگر نصاب کو نہ پہنچے یا نصاب کو پہنچے لیکن مسلمان کی نہ ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیوں کہ زکوٰۃ غیر مسلموں پر واجب نہیں ہے یہی حکم ہر خراجی زمین کا ہے۔

اور علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

" واذا اسلم الذمى على ارضه كان خراجيا كما كان عندنا وقال مالك رحمه الله تعالى يسقط ذلك وكذلك اذا باعها من مسلم واعتبر خراج الارض بخراج الرأس فكما لا يجب على المسلم بعد اسلامه خراج الرأس فكذلك خراج الارض "(۲)

اگر کسی ذمی نے اسلام قبول کر لیا تو اس کی زمین پر اس کا خراج واجب ہوگا جیسا کہ ہمارے نزدیک واجب ہے البتہ مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ وہ ساقط ہو جائے گا اور اس صورت میں بھی جب کہ وہ کسی مسلمان کے ہاتھ میں فروخت کر دے۔ انھوں نے زمین کے خراج کو اشخاص پر عائد کیے جاتے والے خراج (جزیہ) پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح کسی شخص کے مسلمان ہو جانے کے بعد اس پر شخصی خراج (جزیہ) واجب نہیں ہوتا اسی طرح زمین کا خراج بھی اس پر عائد نہیں ہوگا۔

امام مالکؒ کی رائے ہی صحیح معلوم ہوتی ہے یعنی خراجی زمین کے مسلمان کے ہاتھ منتقل ہو جانے سے اس کا خراج ساقط ہو جاتا ہے۔

---

(۱) المغنی ۲/۷۲۶ (۲) المبسوط ۱۰/۸۳

محور پنجم

عشر کا نصاب اور دیگر مسائل

۱۔ عشر کا نصاب

عشر کے لیے نصاب حدیث سے ثابت ہے۔ بخاری میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة۔ (بخاری کتاب الزکوٰۃ)

پانچ وسق سے کم پر صدقہ واجب نہیں ہے۔

اور صحیح مسلم کی حدیث میں یہ صراحت بھی ہے کہ:

لیس فیما دون خمسة اوساق من تمر ولاحب صدقة: (۱)

پانچ وسق سے کم مقدار پر صدقہ واجب نہیں نہ کھجور پر اور نہ غلہ پر۔

بخاری اور مسلم کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی یہ حدیث بیان ہوئی ہے۔ اس بنا پر جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ زراعتی پیداوار اور پھلوں میں زکوٰۃ پانچ وسق سے کم ہونے کی صورت میں واجب نہیں ہے۔

ابوعبید لکھتے ہیں:

" انما یجب علی هذا العشر او نصف العشر بعد بلوغ ماتخرج الارض خمسة اوسق فصاعداً بذلك جاءت السنة والآثار" (۲)

اس پر عشر یا نصف عشر اس صورت میں واجب ہوتا ہے جب کہ زمین کی پیداوار پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہو۔ اسی کے مطابق سنت اور آثار وارد ہوئے ہیں۔

ابن رشد لکھتے ہیں:

---

(۱) مسلم کتاب الزکاۃ (۲) کتاب الاموال، ص ۳۸۹

"واما النصاب فانهم اختلفوا في وجوبه في هذا الجنس من مال الزكاة فصار الجمهور الى ايجاب النصاب فيه وهو خمسة اوسق"[1]

رہا نصاب تو مالِ زکوٰۃ کی اس جنس پر واجب ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور اس میں نصاب کو واجب سمجھتے ہیں اور یہ نصاب پانچ وسق ہے۔

لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نصاب کا اعتبار نہیں ہے۔ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"ثم عند ابی حنیفة رحمه الله تعالى العشر يجب في القليل من الخارج وكثيره ولا يعتبر فيه النصاب لعموم الحديثين كما رويناه"[2]

پھر ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشر قلیل پیداوار میں بھی واجب ہے اور کثیر پیداوار میں بھی اور اس میں نصاب معتبر نہیں ہے ان دو حدیثوں کے عموم کی بنا پر جن کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں ارشاد ہوا ہے:

"فیما سقت السماء العشر"[3]

جس کو بارش کے پانی نے سیراب کیا ہو اس میں عشر ہے۔

لیکن یہ حدیث پانچ وسق والی حدیث کی معارض نہیں ہے۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

"دونوں حدیثوں پر عمل واجب ہے اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ حدیث بارش کے پانی کی پیداوار میں عشر سے متعلق ہے۔ مقصود درحقیقت یہ واضح کرنا ہے کہ عشر کس قسم کی پیداوار میں واجب ہے اور نصف عشر کس قسم کی پیداوار میں۔ رہا نصاب کا مسئلہ تو اس حدیث میں اس سے سکوت اختیار کیا گیا ہے اور دوسری حدیث میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لہٰذا ایک صحیح صریح اور محکم حدیث کو چھوڑ کر ایک مجمل متشابہ المعنی حدیث پر اکتفا کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟"[4]

اور امام ابو یوسفؒ پانچ وسق والی حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں:

---

(۱) بدایة المجتهد ۱/۲۵۶ (۲) المبسوط ۳/۳ (۳) بخاری کتاب الزکوٰۃ

(۴) فقہ الزکوٰۃ ۱/۳۶۵ بحوالہ اعلام الموقعین ۲/۲۹

"والقول عندنا علی ھذا"(۱) اور ہمارے نزدیک صحیح قول یہی ہے۔

ان تصریحات سے یہ بات منقح ہوجاتی ہے کہ جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے اور جیسا کہ جمہور علماء و فقہاء کا قول ہے عشر کے وجوب کے لیے پانچ وسق کا نصاب مقرر ہے، وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، اس لیے پانچ وسق تین سو صاع کے برابر ہوا، اور رائج الوقت وزن کے لحاظ سے نصاب کی یہ مقدار چھ سو ترپن کیلو گرام ہوتی ہے۔

۲۔ کیا عشر ہر قسم کی پیداوار میں واجب ہے؟

قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

"انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض"(۲)
اپنی کمائی میں سے اچھی چیزیں خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

"کلوا من ثمرہ اذا اثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ"(۳)
کھاؤ ان کے پھل جب کہ وہ پھلیں اور اس کا حق ادا کرو فصل کٹنے کے دن۔

ان دو آیتوں میں عمومیت کے ساتھ زکوٰۃ (عشر) ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے ہر قسم کی پیداوار میں خواہ وہ زراعتی قسم کی ہو یا پھلوں کے قسم کی عشر (یا نصف عشر جو صورت بھی ہو) واجب ہے، اور حدیث "فیما سقت السماء العشر" جن چیزوں کو بارش کے پانی نے سیراب کیا ہو اس میں عشر ہے، میں بھی عمومیت کے ساتھ ہر قسم کی پیداوار میں عشر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"ثم الاصل عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ان کل ما یستنبت فی الجنان ویقصد بہ استغلال الارض ففیہ العشر........

---

(۱) کتاب الخراج، ص ۵۳ (۲) بقرہ: ۲۶۷ (۳) انعام: ۱۴۱

والمستثنى عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى خمسة أشياء السعف فإنه من أغصان الأشجار وليس في الشجر شيء والتبن فإنه ساق للحب كالشجر للثمار والحشيش فإنه ينقى من الأرض ولا يقصد به استغلال الأرض والطرفاء، والقصب فإنه لا يقصد استغلال الأرض بهما عادة والمراد القصب الفارسي فأما قصب السكر ففيه العشر (۱)

پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ وہ تمام چیزیں جن کی باغوں میں کاشت کی جاتی ہے اور جن کے ذریعہ زمین سے فائدہ اٹھانا مقصود ہوتا ہے ان میں عشر ہے ....

ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے مستثنیٰ پانچ چیزیں ہیں۔ کھجور کی شاخ کیونکہ وہ درختوں کی ٹہنیوں میں سے ہے اور درخت پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ بھوسہ (چھلکا) کیونکہ وہ اناج کے لیے ساق ہے، جس طرح پھلوں کے لیے درخت، سوکھی گھاس کیونکہ اسے زمین سے صاف کیا جاتا ہے اور وہ زمین سے منفعت حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہوتی، اسی طرح طرفاء کا درخت (ایک جنگلی درخت) اور قصب (نرکل) جن سے عادۃً منفعت الارض حاصل نہیں کی جاتی۔ قصب سے مراد قصب فارسی ہے رہا قصب السکر (گنا) تو اس میں عشر ہے۔

امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں :

" وليس في القصب ولا في الحطب ولا في الحشيش ولا في التبن ولا في السعف عشر ولا خمس ولا خراج وأما قصب الذريرة فإن كان في أرض العشر ففيه العشر............ وأما قصب السكر ففيه العشر إذا كان في أرض العشرة (۲)

نرکل (یا بانس) جلانے کی لکڑی، گھاس، بھوسہ اور کھجور کی شاخ میں عشر نہیں ہے اور خمس اور خراج ہے۔ البتہ خوشبودار قصب اگر عشری زمین میں ہو تو اس میں عشر ہے ....

اور گنے میں بھی عشر ہے اگر اس کی پیداوار عشری زمین میں ہوئی ہو۔

---

(۱) المبسوط ۲/۳   (۲) کتاب الخراج ص ۱۰

ہدایہ میں ہے:

"اما الحطب والقصب والحشيش فلا تستنبت في الجنان عادة بل تنقى عنها حتى لو اتخذ ها مقصبة او شجرة او منبتا للحشيش يجب فيها العشر"(۱)

جلانے کی لکڑی، قصب (بانس، نرکل) اور گھاس معمولاً باغوں میں اگائی نہیں جاتی بلکہ باغوں کو ان سے صاف کیا جاتا ہے البتہ اگر کوئی شخص باغوں میں قصب، درخت یا گھاس اگائے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

بعض فقہاء صرف اصناف اربعہ جن کا ذکر حدیث میں ہوا ہے یعنی گیہوں، جو، کھجور اور کشمش میں زکوٰۃ کے قائل ہیں اور بعض کے نزدیک ان چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے جنہیں ناپا جا سکے اور جو باقی رہ سکتی ہوں اور جنہیں خشک کیا جا سکے۔ یہ مسلک امام مالک اور امام شافعی کا ہے(۲) اور صاحب مغنی نے بھی قریب قریب یہی بات لکھی ہے۔(۳)

قرآن وسنت کے نصوص سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر قسم کی پیداوار میں خواہ وہ زرعی ہو یا پھلوں کی ہو عشر واجب ہے لیکن شریعت نے درختوں پر عشر عائد نہیں کیا ہے بلکہ ان سے حاصل ہونے والے پھلوں پر کیا ہے اسی طرح غلہ پر کیا ہے نہ کہ اس گھاس پر جو اس کو لیے ہوئے پیدا ہوتی ہے، اگرچہ درختوں اور گھاس سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے اس لیے جو چیزیں اس قسم کی ہوں گی ان کو عشر کے حکم سے مستثنیٰ سمجھا جائے گا۔

مغنی میں ہے:

"ولا تجب فيما ليس بحب ولا ثمر سواء وجد فيه الكيل والادخار اولم يوجد"(۴)

جو چیز غلہ یا پھل نہیں ہے اس میں عشر نہیں خواہ وہ ناپی اور ذخیرہ کی جاتی ہو یا نہ ہو۔

---

(۱) هدايه ۱/۱۸۶ (۲) بداية المجتهد ۱/۲۴۵

(۳) المغني لابن قدامه ۲/۶۹۰ (۴) مغني ۲/۶۹۲

جانوروں کے لیے اگائے جانے والے چارہ پر بھی عشر واجب نہ ہوگا کیونکہ اس کوئی ایسی چیز نہیں ہے
ی فقیر کو صدقہ میں دی جاسکے جب کہ ہر چیز کا عشر اسی جنس سے دینے کا حکم ہے۔
پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً سنگھارا وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہے کیوں کہ عشر کا
زمین کی پیداوار کے لیے ہے نہ کہ پانی کی پیداوار کے لیے۔
واضح رہے کہ ان چیزوں میں عشر کے واجب نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب یہ چیزیں تجارتی
ض کے لیے ہوں تو ان پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔

کیا مچھلی کی کاشت پر احکام عشر نافذ ہوں گے؟

اگر زراعتی زمین پر تالاب کھود کر مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے تو یہ چیز زراعت کی تعریف میں نہیں آتی،
زمین کی پیداوار نہیں بلکہ پانی کی پیداوار ہے اور مچھلیوں کی فصل بھی کاٹی نہیں جاتی، اس لیے اس میں عشر
جب نہیں ہوگا۔ البتہ زکوٰۃ اموال یا اموال تجارت کی زکوٰۃ کا حکم اس پر جاری ہوگا۔

کیا ریشم کی کاشت پر عشر واجب ہے؟

شہتوت کے درختوں سے اگر شہتوت نصاب کے بقدر مقدار میں حاصل ہوتے ہیں تو ان پر عشر
نصف عشر واجب ہوگا، لیکن ریشم کے کیڑوں کی پرورش کی صورت میں ان کیڑوں سے حاصل ہونے والے
پر عشر واجب نہیں ہوگا کیوں کہ عشر اس پیداوار پر ہے جو براہ راست حاصل ہو اور ریشم ایسی پیداوار
ں ہے جو براہ راست درختوں سے حاصل ہوتی ہو بلکہ اس کے لیے شہتوت کے درخت محض ایک
ذریعہ ہیں۔ ریشم کیڑے پیدا کرتے ہیں نہ کہ درخت۔ البتہ ریشم کا شمار اموال زکوٰۃ میں ہوگا۔

ان درختوں کا حکم جن سے مقصود جلانے وغیرہ کی لکڑی حاصل کرنا ہوتا ہے

درختوں کے پھلوں میں عشر واجب ہے نہ کہ درختوں پر۔ کوئی نص ایسی نہیں جس سے درختوں پر عشر
وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے درختوں کی لکڑی خواہ جلانے کے کام میں لائی جائے یا عمارت اور فرنیچر
بنانے کے کام میں اس میں عشر نہیں ہے البتہ تجارت کی صورت میں اموال تجارت کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۲۔ خضروات (سبزیوں) میں عشر

قرآن کے حکم "وممّا اخرجنا لکم من الارض" (جو چیزیں ہم نے تمھارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں) میں خضروات بھی شامل ہیں نیز حدیث "فیما سقت السماء العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر" (جن چیزوں کو بارش نے سیراب کیا ہو ان میں عشر ہے اور جن کو آب پاشی کے ذریعہ سیراب کیا گیا ہو ان میں نصف عشر ہے) کے عموم میں بھی یہ سبزیاں داخل ہیں اس لیے ان میں عشر یا نصف عشر (جیسی صورت ہو) واجب ہے۔

فقہاء میں سے امام ابو حنیفہ رح سبزیوں میں عشر کے قائل ہیں لیکن امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح کے نزدیک ان میں عشر نہیں ہے۔

"ولیس فی الخضروات عندهما عشر" [۱]

صاحبین کے نزدیک سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔

اور ابو عبید لکھتے ہیں:

"فالعلماء الیوم مجمعون من اهل العراق والحجاز والشام علی ان لا صدقة فی قلیل الخضر ولا فی کثیرها اذا اتت فی ارض العشر" [۲]

عراق، حجاز اور شام کے علماء آج اس پر متفق ہیں کہ سبزیوں میں صدقہ واجب نہیں ہے خواہ وہ قلیل مقدار میں ہوں یا کثیر مقدار میں جب کہ عشری زمین میں ہوں۔

امام مالک رح، امام شافعی رح اور امام احمد بن حنبل رح کے نزدیک سبزیوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ [۳]

جو حضرات سبزیوں میں زکوٰۃ کے قائل نہیں ہیں وہ دار قطنی کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لیس فی الخضروات صدقة" [۴]

---

(۱) هدایه ج۱ص ۔ (۲) کتاب الاموال ص ۵۰۳ (۳) فقه السنة، از سید سابق ج۱ ص ۳۰۶ (۴) سنن دار قطنی ج۲

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبزیوں میں صدقہ (واجب) نہیں ہے۔

لیکن یہ حدیث جیسا کہ اس کے شارح محمد شمس الحق عظیم آبادی نے صراحت کی ہے ضعیف ہے۔ اور اس مضمون کی دوسری حدیثیں بھی مرسل اور ضعیف ہیں(۱) اس لیے قابل حجت نہیں، اور جب کوئی صحیح حدیث سبزیوں پر عشر کے عدم وجوب کی تائید میں موجود نہیں ہے تو قرآن و سنت کے نصوص کے عموم کے پیش نظر سبزیوں میں عشر یا نصف عشر (جو صورت بھی ہو) واجب ہے۔

رہی یہ صورت کہ لوگ اپنے مکان کے گرد و پیش افتادہ اراضی میں یا اپنی چھتوں پر کچھ سبزیاں اگا لیتے ہیں تو نصاب کے بقدر ہونے پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا، اور اس کا نصاب پانچ وسق غلہ کی قیمت سے مقرر کیا جائے گا۔

۷۔۔۔ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر

عشر و زکوٰۃ غنی پر (جو صاحب نصاب ہو) واجب کی گئی ہے، جیسا کہ حدیث معاذ سے واضح ہے۔

"توخذ من اغنیاءھم وترد فی فقراءھم" (۲)

ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اور ان کے فقراء کو دی جائے گی۔

اور وقف کی صورت میں زمین اور اس کی پیداوار شخصی ملکیت ہوتی ہے اور نہ اس کی افادیت اغنیاء کے لیے ہوتی ہے بلکہ یہ اللہ کے لیے وقف ہوتی ہے جس کا فائدہ امیروں اور غریبوں سب کو پہنچتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی زمین کسی مدرسہ کے لیے وقف کی گئی ہو تو اس کا اور اس کی پیداوار کا مالک کوئی شخص یا اشخاص نہیں ہوں گے بلکہ یہ مدرسہ کے تصرف میں رہے گی، اور اس کی پیداوار کی فروخت سے جو رقم حاصل ہوگی وہ امیر و غریب سب بچوں کی دینی تعلیم پر خرچ کی جائے گی۔ اراضی اوقاف کی اس نوعیت کے پیش نظر اس کی پیداوار میں عشر واجب نہیں ہوتا اور نہ قرآن و سنت کی کوئی نص ایسی ہے جس سے اس کا وجوب ثابت ہو، البتہ اگر وقف علی الاولاد کی صورت ہو تو اس زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا جب کہ وہ نصاب کو پہنچ جائے کیوں کہ یہ وقف مخصوص افراد کے لیے ہے۔

---

(۱) دیکھئے: مغنی ۲/۲۶۳ (۲) بخاری کتاب الزکاۃ

ابو عبید فرماتے ہیں:

"فاما اذا كان المال موقوفاً على اقوام باعيانهم فحكمه حكم سائر الاموال"[1]

لیکن جب مال مخصوص لوگوں کے لیے وقف ہو تو اس کا حکم وہی ہو گا جو دوسرے اموال کا ہے۔

لیکن حنفی مسلک میں ہر قسم کی اراضی موقوفہ میں عشر واجب ہے۔ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"وكذلك الخارج من الاراضي الموقوفة على الرباطات والمساجد يجب فيها العشر عندنا وعند الشافعي رحمه الله تعالى لا يجب الا في الموقوفة على اقوام باعيانهم فانهم كالملاك اما الموقوفة على اقوام بغير اعيانهم فلا شئ فيها"[2]

اسی طرح جو زمینیں رباط اور مساجد کے لیے وقف ہوں ان میں ہمارے نزدیک عشر واجب ہے، شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں واجب ہے جب کہ وہ مخصوص لوگوں کے لیے وقف ہو، کیوں کہ اس صورت میں گویا کہ وہ مالک ہو جاتے ہیں، لیکن جو زمینیں لا تعیین لوگوں کے لیے وقف ہوں ان میں کچھ بھی واجب نہیں ہے۔

---

(۱) کتاب الاموال، ص ۵۹۰

(۲) المبسوط ۳/۴

عشر اور خراج کی حقیقت

از: ——— مولانا عبدالاحد مجیبی، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

محور اول

اسلام میں زمین کی پیداوار پر جو زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اس کو عشر کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ زکوٰۃ ہی کی ایک قسم ہے، اس زکوٰۃ کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے اس کی فرضیت ثابت ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

"یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض" (۱)

اس آیت کریمہ میں "مما اخرجنا لکم من الارض" سے زمین کی پیداوار مراد ہے اور اس کے انفاق یعنی اس میں سے عشر نکالنے کا حکم دیا گیا ہے۔

"وصرح الامام الزاہد فی قولہ تعالیٰ ومما اخرجنا لکم من الارض دلیل وجوب العشر" (۲)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"وآتوا حقہ یوم حصادہ" (۳)

---

(۱) سورہ بقرہ، آیت ۲۶۷ (۲) تفسیرات احمدیہ ص ۱۰۳ (۳) سورہ انعام آیت ۱۴۱

اس میں "حقہ" سے مراد پیداوار کی زکوٰۃ یعنی عشر ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں:

"قال ابن عباس فی روایۃ عطاء یرید به العشر فیما سقت السماء ونصف العشر فیما سقی بالدوالیب وهو قول سعید بن المسیب والحسن وطاؤس والضحاک" (۱)

کتب احادیث میں عشر کی فرضیت صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

"عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه قال فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر" (۲)

درج بالا نصوص قطعیہ سے زمین کی پیداوار میں عشر کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ عشر کی فرضیت پر جملہ فقہاء کرام کا اتفاق ہے۔

خراج کے لغوی معنی زمین کے محصول اور ٹیکس کے ہیں۔ راغب اصفہانی مفردات فی غریب القرآن میں لکھتے ہیں:

"والخراج مختص بالضریبة علی الارض" (۳)

مختار الصحاح میں ہے:

"والخراج الاتاوہ" (۴)

اور اصطلاحی معنی میں خراج زمین کے اس محصول کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کے امام نے یا اسلامی حکومت نے کسی زمین پر متعین کر دیا ہو خواہ وہ مقاسمہ کی شکل میں ہو یا توظیف کی صورت میں۔ خراج کا ثبوت عمل نبوی اور تعامل صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

"صالح رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اهل نجران علی الفی حلة النصف فی صفر والنصف فی رجب یؤدونها الی المسلمین" (۵)

---

(۱) تفسیر کبیر امام رازی [illegible] (۲) صحیح بخاری، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء (۳) المفردات فی غریب القرآن [illegible]

(۴) مختار الصحاح [illegible] (۵) سنن ابو داؤد [illegible]

"روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صالح نصاری بنی نجران من جزیۃ رؤوسہم وخراج اراضیہم علی الفی حلۃ" (۱)

شریعت اسلامی میں عشر اور خراج کے پیش نظر زمین کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ عشری اور خراجی، عشر کا وجوب صرف عشری زمین کی پیداوار پر ہے۔ خراجی زمین کی پیداوار پر فقہاء احناف کے نزدیک عشر نہیں ہے، صرف خراج ہے۔

کسی زمین کے عشری ہونے کے چھ طریقے ہیں، امام صدر الشہید نے انھیں تفصیل سے بیان فرمایا ہے:

"قال الصدر الشہید حسام الدین فی شرح الکافی فی باب العشر الأرض العشریۃ ستۃ انواع، ارض العرب کلھا وحدودھا ما عرف، والثانیۃ أرض أسلم أھلھا طوعاً۔ الثالثۃ: إذا فتحت عنوۃ وقسمت بین الغانمین، الرابعۃ: إذا احییت بماء العشر۔ الخامسۃ: ارض انقطع عنہا ماء الخراج وصارت تسقی بماء العشر۔ السادسۃ: إذا جعل المسلم دارہ بستاناً وسقاہ بماء العشر" (۲)

اس عبارت کے پیش نظر عشری زمین کی درج ذیل [illegible] بنتی ہیں:

(۱) عرب کی سرزمین۔ یہ پوری سرزمین عشری ہے، اس کے کسی حصہ پر خراج نہیں ہے۔

(۲) جس شہر کے باشندوں نے خود سے اسلام قبول کرلیا ہے تو ان کی زمین بھی عشری ہے۔

(۳) جس شہر کو لشکر اسلام نے فتح کیا اور اس کی زمین مسلمان مجاہدین کے درمیان تقسیم کردی تو یہ زمین بھی عشری ہے۔

(۴) پڑتی زمین جس پر کسی کا قبضہ نہ ہو اس کو کسی مسلمان نے آباد کرلیا ہے اور وہ عشری پانی سے سینچی جاتی ہے، یہ زمین بھی عشری ہے امام محمدؒ کے نزدیک۔ (۳)

---

(۱) بدائع ۲/۵۵ (۲) فتاوی خیاثیہ ۴۳/ (۳) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پڑتی زمین کی آباد کاری کے وقت اس کے قریب کی زمین دیکھی جائے گی، اگر اس کے قریب کی زمین عشری ہے تو یہ بھی عشری ہوگی اور اگر اس کے قریب کی زمین خراجی ہے تو (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

(۵) ایسی زمین جو خراجی پانی سے سینچی جاتی تھی اب اس میں خراجی پانی ملنا بند ہوگیا ہے اور اسے عشری پانی سے سینچا جانے لگا ہے تو اب وہ عشری زمین ہوگئی۔

(۶) کسی مسلمان نے اپنے دار کو باغ میں بدل دیا اور اس کی عشر کے پانی سے سینچائی ہورہی ہے تو وہ بھی عشری زمین ہے۔

اسی طرح امام صدر شہید نے کسی زمین کے خراجی ہونے کے بھی چھ طریقے بیان کیے ہیں:

" والخراجية ستة ايضاً. ارض فتحت عنوة وتركت في ايديهم وضرب الخراج عليها كارض العراق. الثانية: ارض الكفار صالحوا من الامام ان يضرب عليهم الخراج من غير قهر وفتح. الثالثة: ارض احياها كافر او اتخذ داره بستاناً بأي ماء سقاه. الرابعة: ارض احييت بماء الخراج. والخامسة: ارض عشرية انقطع عنها ماء العشر وصارت بحيث تسقى بماء الخراج. والسادسة: أرض مسلم اشتراها من الكافر" (۱)

خراجی زمین کی بھی درج ذیل چھ قسمیں ہوئیں:

(۱) لشکر اسلام نے کسی شہر کو فتح کرنے کے بعد اس کی زمینیں غیر مسلم باشندوں کے ہاتھوں میں ہی چھوڑ کر ان پر خراج مقرر کردیا تو ایسی زمینیں خراجی ہیں۔

(۲) کسی شہر کے کافر باشندوں نے مسلمانوں سے صلح کرکے خراج ادا کرنا منظور کرلیا، تو ان کی زمینیں بھی خراجی ہیں۔

(۳) کسی پڑتی زمین کو کافر نے آباد کرلیا یا کسی کافر نے اپنے دار کو باغ بنا لیا۔ یہ بھی خراجی زمینیں ہیں۔

(۴) کسی پڑتی زمین کو مسلمان نے آباد کیا ہو اور اس کی سینچائی خراجی پانی سے ہوتی ہو ایسی زمین امام محمد رح کے نزدیک خراجی ہوتی ہے۔ اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک اس پڑتی زمین کے قریب خراجی زمین ہے تو وہ بھی خراجی ہے خواہ کسی پانی سے سینچائی ہورہی ہو۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: یہ بھی زمین عشری ہوگی، پانی کا اعتبار نہیں ہوگا۔ معلوم ہوا کہ امام صدر شہید نے امام محمد رح کے قول کو اختیار کیا ہے اس لیے صرف اسی کو ذکر کیا ہے۔ متاخرین احناف کا فتویٰ امام ابو یوسف رح کے قول پر ہے۔ معالم [illegible] ۲/۲۴۷، دمشق ۱۹۹۶ء
(۱) فتاویٰ [illegible]: ص ۲۱

(۵) ایسی زمین جس کی سینچائی عشری پانی سے ہوتی تھی۔ اب اس میں عشری پانی ملا جلا ہو گیا اور خراجی پانی سے اس کی سینچائی ہونے لگی ہے تو وہ زمین بھی خراجی ہو گی۔

(۶) کسی کافر کی زمین جس کو کسی مسلمان نے خریدا ہے وہ خراجی ہی رہے گی۔

عہد نبوی، عہد صحابہ و تابعین اور بعد کے ہر زمانے میں عشری زمینوں سے عشر کے وصول کرنے اور خراجی زمینوں سے خراج وصول کرنے پر مسلمانوں کا عمل رہا ہے اور اس پر سبھی کا اتفاق ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سواد عراق کی فتح کے بعد وہاں کی زمینوں پر خراج مقرر کرنا اس کی واضح دلیل ہے

"ولا شك في اقرار عمر اهل السواد ووضع الخراج على اراضيهم على كل جريب عامر او غامر يعمله صاحبه او لم يعمله درهما وقفيزا وفرض على جريب الكرم عشرة وعلى الرطاب خمسة۔" (۱)

سواد کے علاوہ مصر کی فتح کے بعد بھی وہاں خراج مقرر کیا گیا اور شام کی فتح کے بعد بھی۔

"عمر حين فتح السواد وضع الخراج عليها بمحضر من الصحابة و وضع على مصر حين افتتحها عمرو بن العاص وكذا اجتمعت الصحابة على وضع الخراج على الشام۔" (۲)

عہد صحابہ کے بعد بھی یہی تعامل رہا کہ اسلامی حکومت نے جن شہروں کے فتح کے بعد وہاں کی زمین مسلمانوں میں تقسیم کر دی یا فتح سے قبل ہی وہاں کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ ان کی زمین کو عشری قرار دے کر ان سے عشر وصول کیا جاتا تھا، اور جن شہروں کی زمینیں ان کے مالکوں کے پاس ہی رہنے دیں یا وہ شہر مصالحت سے قبضہ میں آئے تو ان زمینوں کو خراجی قرار دے کر ان سے خراج وصول کیا جاتا تھا۔

محور چہارم - اراضی ہند کی شرعی حیثیت

۱ ـــــ آزادی ہند کے بعد موجودہ ہندوستان کی وہ زمینیں جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں، ان میں سے

---

(۱) مرقاۃ ۳۱/۸ (۲) ھدایہ ۵۹/۲

کچھ تو خراجی ہوں گی اور بقیہ سب عشری ہیں۔ ہندوستان کی زمینیں جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں درج ذیل صورتوں سے خالی نہیں ہیں۔

(۱) یہ معلوم ہے کہ اس زمین کو ابتداءً اسلامی حکومت نے کسی مسلمان کو دیا تھا یا پڑتی زمین تھی کسی مسلمان نے اس کو آباد کیا تھا اور یہ عشری زمینوں کے قریب تھی اور اس مسلمان سے وراثۃً شراءً یا ہبۃً دوسرے مسلمان کو ملی اور یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ یہ موجودہ مسلمان مالک تک منتقل ہوئی، یہ زمین عشری ہے۔

(۲) پہلے کا حال معلوم نہیں ہے لیکن موجودہ مسلمان مالک کو کسی مسلمان سے ملی ہے۔ پہلے کسی کافر کی ملکیت رہی ہو اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے، ایسی زمین استصحاب حال کی بناء پر عشری قرار پائے گی۔

(۳) موجودہ مسلمان مالک کو یا اس کے اوپر کے کسی مسلمان مالک کو کسی کافر سے یہ زمین حاصل ہوئی ہے، یہ زمین خراجی ہے۔

درج بالا زمینوں میں سے پہلی دونوں زمینیں عشری ہیں اور تیسری قسم کی زمین خراجی ہے چونکہ پہلی قسم کی زمین کی تحقیق آسان نہیں ہے، اس لیے موجودہ زمین کی واضح شکلیں دوسری اور تیسری ہیں تیسری قسم کی زمین کہ موجودہ مسلمان مالک کو یا اس کے پہلے کسی مسلمان کو کسی کافر سے حاصل ہوئی ہے یہ خراجی زمین ہے۔ ایسی اراضی مسلمانوں کے پاس عموماً کم ہیں، زیادہ تر دوسری قسم کی اراضی مسلمانوں کے پاس ہیں کہ کسی مسلمان مالک کو کسی مسلمان سے ہی یہ زمین ملی ہے، اور زیادہ پہلے کا حال معلوم نہیں ہے، نہ ہی کسی کافر کی ملکیت کا ثبوت ملتا ہے، ایسی اراضی استصحاب حال کی بناء پر عشری قرار دی گئی ہیں مسلمانوں کی اکثر اراضی اسی دوسری قسم کی ہیں، اس لیے یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں وہ سب عشری ہیں، اس زمین کے سوا جس کے بارے میں معلوم ہو کہ کسی کافر سے حاصل ہوئی ہے۔

۲ــــــ مسلمان کی زمین پر اصل وظیفہ عشر ہی ہے، عشر میں عبادت کا مفہوم ہے اور یہ مسلمانوں کے ساتھ خاص بھی ہے، جب کہ خراج زمین کا محصول اور ٹیکس ہے اس میں صغار (ذلت) کا مفہوم ہے، اسی وجہ سے یہ ابتداءً کسی مسلمان پر عائد نہیں کیا جاسکتا۔

" الابتداء بالعشر فی ارض المسلم اولی لان فی العشر معنی العبادۃ وفی الخراج معنی الصغار " (بدائع ۲/۵۷)

البتہ مسلمانوں کے اپنے عمل کی وجہ سے خراج ان کی زمین پر بھی عائد ہو جاتا ہے۔ اس طرح پر کہ انھوں نے خراجی زمین کسی کافر سے خرید لی یا کسی ارض موات کو جو خراجی زمین کے قریب ہے آباد کرلیا، تو ان کی اس زمین پر بھی خراج لازم ہو جاتا ہے۔

اب دیکھیے کہ کوئی زمین کسی مسلمان کی ملکیت ہے اور اس کی تحقیق نہیں ہے کہ پہلے اس میں وظیفہ عشر جاری تھا یا خراج عائد تھا۔ جب اس کے خراجی ہونے کا علم نہیں ہے تو وہ عشری ہی قرار دی جائے گی، کیوں کہ مسلمان کی زمین پر اصل وظیفہ عشر ہی ہے۔

۳ —— سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل نہیں ہے اور اس سے خراج ادا نہیں ہوگا علیحدہ سے خراج نکالنا ضروری ہے۔ یہاں اسلامی حکومت نہیں ہے اور حکومت کا فرد خراج کا مصرف نہیں ہے۔ خراج کا مصرف مصالح المسلمین ہیں[1] مصالح المسلمین کی پوری تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ اس کا اجمالی تعارف علامہ شامی نے اس طرح کیا ہے:

"مایعود نفعہ الی الاسلام"[2]

حکومت کا فرد کو مالگذاری ادا کرنے سے اسلام کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لیے مالگذاری دینے سے خراج کی ادائگی نہیں ہوگی۔ علامہ ہاشم سندھی نے اپنے رسالہ "سراج الہند فی خراج السند" میں تحریر فرمایا ہے:

"پس بداں کہ ہر کسے کہ خراج لازم آید او را لازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ مبین ہست صرف نماید تا عند اللہ از عہدہ آں بیروں آید و در قیامت ماخوذ نہ گردد۔ و آں چہ حکام نصاریٰ می گیرند پس در ادا خراج محسوب نہ گردد۔ لان الکافرین لیس لہم ولایۃ اخذ الخراج من المسلمین وایضاً لیسوا بمصارف الخراج حتی اذا ادی المسلم الیہم مالا بنیۃ الخراج لایخرجون من عہدتہ لانہم لیسوا مقاتلین لاھل الحرب ولا رافعین اعداء الاسلام عنہم ومن دراھم"[3]

---

(۱) نظائر میں ہے: ومصرف الجزیۃ والخراج ومال الفیء مصالحنا کسد الثغور وبناء القناطر والجسور وکفایۃ العلماء والعمال والمقاتلۃ وذراریہم۔ مصالح المسلمین کی مکمل تفصیل بحرالرائق اور رد المحتار میں ہے۔ (۲) رد المحتار ج ۲/ ۳۰۲ (۳) جواہر الفقہ ج ۲/ ۲۰۶

علامہ جمایوئی کی یہ صراحت اس بارے میں قول محکم ہے کہ حکومت کو مالگذاری ادا کرنے سے اس فریضہ کی ادائیگی نہیں ہوتی اور اس طرح خراج سے عہدہ برآ نہیں ہوا جا سکتا۔ ذمہ داری باقی رہتی ہے۔

۲۔۔۔۔ خراج کی ادائیگی بھی واجب و ضروری ہے۔ اس میں عبادت کا مفہوم تو نہیں ہے مگر یہ زمین کا ایک محصول ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ ادا نہ کرنے کی صورت میں قیامت میں گرفت ہوگی۔

خراج کی دو قسمیں ہیں۔ خراج مقاسمہ اور خراج موظف۔

خراج مقاسمہ یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کا کوئی حصہ متعین کر لیا جائے جو نصف سے زیادہ اور خمس سے کم نہ ہو۔

خراج موظف: ذمہ میں کسی متعین چیز کا واجب ہونا۔ خراج موظف کا تعلق زمین کے صلاحیت نمار رکھنے سے ہے۔ اس لیے اس کے لیے پیداوار کا ہونا شرط نہیں ہے۔ یہ واجب فی الذمہ ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواد عراق کے باشندوں پر سالانہ خراج موظف اس طرح مقرر فرمایا تھا۔[1]

(۱) کھیت کی ایک جریب زمین (۲۲۵ مربع گز) پر ایک درہم اور ایک صاع گیہوں یا جو۔

(۲) سبزیوں والی ایک جریب زمین پر پانچ درہم۔

(۳) انگور اور کھجور کے گھنے باغ کے ایک جریب پر دس درہم۔

یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقرر فرمایا ہوا ہے۔ باقی اشیاء کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اسی انداز سے ان میں بھی خراج لگایا جائے کہ پیداوار کے خمس سے کم نہ ہو اور نصف سے زیادہ نہ ہو۔

"اما خراج الوظيفة فقال محمد رحمه الله تعالى فى ارض الخراج على كل جريب يصلح للزراعة قفيز ودرهم وعلى جريب الرطبة خمسة دراهم وعلى جريب الكرم عشرة دراهم كذا فى المحيط وما سوى ذلك من الاصناف كالزعفران والقطن والبستان وغيرها يوضع عليها بحسب الطاقة، ونهاية الطاقة ان يبلغ الواجب نصف الخارج۔" (۲)

---

(۱) شرح نقایہ ۲/۲۴۹ نقل القاری عن طبقات ابن سعد وکتاب الاموال لابن زنجویہ

(۲) عالمگیری ۲/۲۳۷

ہندوستان کی اراضی کے بارے میں یہ صاف صراحت نہیں ملتی کہ جن زمینوں پر خراج نافذ کیا گیا وہ خراج مقاسمہ تھا یا خراج موظف۔ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے خراج موظف کی تحقیق کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

" اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی خراج موظف کا حکم جاری ہے خراج موظف کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی کہ عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب پر ایک درہم (یعنی ساڑھے تین ماشہ چاندی) اور ایک صاع گندم یا جو کا واجب ہوگا۔ ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور باغات پر دس درہم واجب ہوں گے اور باقی اشیاء کا خراج اس انداز سے لگایا جائے کہ پیداوار کے خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔"(۱)

خراج موظف سال میں صرف ایک ہی مرتبہ واجب ہوتا ہے چاہے مالک زمین نے سال میں متعدد مرتبہ کھیتی کی ہو۔

" فاما خراج الوظیفة فلا یجب فی السنة الامرة واحدة " (۲)

خراج موظف کے لیے پیداوار کا ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ زمین کا نما کی صلاحیت رکھنا کافی ہے مالک زمین نے کھیتی کی ہو یا نہیں کی ہو اس پر خراج موظف لازم ہو جائے گا یہ واجب فی الذمہ ہوتا ہے۔

" فان عطلها صاحبها وکان خراجها موظفا او اسلم صاحبها او اشتری مسلم فی ارض خراج یجب الخراج " (۳)

۵ ـــــ عشری زمین پر دو مختلف حالات میں دو مختلف فریضہ عائد کیا گیا ہے۔ اگر آب پاشی میں اپنا خرچ ہوا ہو، بارش، دریا اور سیلاب کے پانی سے سینچائی نہیں ہوئی ہو تو اس صورت میں نصف عشر واجب ہوتا ہے۔ اور اگر بارش، چشمہ اور سیلاب وغیرہ کے پانی سے سینچائی ہوئی ہو، جس میں اپنا خرچ نہیں ہے تو اس صورت میں پورا عشر واجب ہوتا ہے۔

" فما سقی بماء السماء او سقی سیحا ففیه عشر کامل وما سقی بغرب او دالیة او سانیة ففیه نصف العشر " (۴)

---

(۱) جواہر الفقہ ۲/۲۸۴ (۲) بدائع ۲/۶۲، عالمگیری ۱/۲۳۶

(۳) درمختار علی ہامش الرد ۳/۲۶۹ (۴) بدائع ۲/۶۲

فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ پیداوار میں سے عشر یا نصف عشر نکالنا ایک حتمی فریضہ ہے اس میں کوئی کمی نہیں کی جا سکتی۔ آب پاشی کے اخراجات کا اعتبار کرتے ہوئے خود شریعت نے دو مختلف فریضہ مقرر کیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے اخراجات کا اعتبار نہیں ہوگا۔ عام اخراجات کی کثرت کو عشر کی تنصیف کی علت قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ شریعت نے اس کی علت صرف آب پاشی کے خرچ کو ہی قرار دیا ہے اور یہ تقدیر شرعی ہے اس کی اتباع لازم ہے۔

" وعلل بعض مشائخنا بقلة المؤنة فيما سقت السماء وكثرة المؤنة فيما سقى بغرب او دالية وقالوا لكثرة المؤنة تاثير في نقصان الواجب وهذا ليس بقوى فان الشرع اوجب الخمس والمؤنة فيها اعظم منها في الزراعة ولكن هذا تقدير شرعي ونتبعه ونعتقد فيه المصلحة وان لم نقف عليه " (۱)

اس لیے جدید طریق زراعت میں جو کھاد، دوا وغیرہ کے اخراجات پیش آتے ہیں ان کی وجہ سے عشر میں کوئی کمی نہیں آسکتی اور صرف ان کی بنیاد پر عشر نصف عشر میں نہیں بدل سکتا۔

اصل پیداوار میں سے ان اخراجات کو منہا کرنے کے بعد عشر نکالا جائے؟ تو یہ بھی شرعاً صحیح نہیں ہے فقہاء کرام نے پوری صراحت فرمائی ہے کہ عشر پوری پیداوار میں واجب ہوتا ہے۔

" بلا رفع مؤن اى كلف الزرع وبلا اخراج البذر لتصريحهم بالعشر في كل الخارج " (۲)

پیداوار تیار ہونے میں مالک زمین کے جو اخراجات ہوتے ہیں۔ مزدوروں کی مزدوری، بیلوں کا خرچ، نگہبان کی اجرت اسی طرح کھاد، دوا وغیرہ ان سب کے حساب سے پہلے پوری پیداوار میں سے عشر نکالنا واجب ہے۔

" وفي الينابيع ولا يحتسب لصاحب الارض ما انفق على الغلة من سقى او عمارة أو أجرة حافظ بل يجب العشر في جميع الخارج " (۳)

---

(۱) مبسوط ۳/۳ (۲) درمختار على هامش الرد ۲/۵۹ (۳) تاتارخانية ۲/۳۲۶

" لایقال بعدم وجوب العشر فی قدر الخارج الذی بمقابلۃ المؤنۃ بل یجب العشر فی الکل " (۱)

۹ ــــ زمین کی کاشت اس طرح پر کرنا کہ مالک زمین اور عامل کے درمیان پیداوار کے بعض حصے پر معاملہ ہو، یہ مزارعت ہے۔ جس کو عرف عام میں بٹائی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مزارعت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درست نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کے تمام شرائط پائے جانے کے وقت جائز ہے۔ تعامل کی وجہ سے صاحبینؒ کے قول پر ہی فتویٰ ہے۔

" ھی عقد علی الزرع ببعض الخارج ولاتصح عند الامام وعندھما تصح وبہ یفتی " (۲)

سوال یہ ہے کہ عشری زمین میں اگر مزارعت کی جائے تو اس کا عشر کس پر واجب ہوگا۔ مالک پر، عامل پر یا دونوں پر؟۔

بدائع، بحرالرائق اور عالمگیری (۳) میں ہے کہ مزارعت میں صاحبین کے نزدیک عشر دونوں پر بقدر حصہ لازم ہوگا۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک صرف مالک پر واجب ہوگا۔

" وفی المزارعۃ علی قولھما العشر علیھما بالحصۃ وعلی قولہ علی رب الارض " (۳)

لیکن علامہ ابن ہمام اس میں کچھ تفصیل کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ بیج اگر عامل کی جانب سے ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک مالک پر عشر لازم ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک زرع پر یعنی مالک اور عامل دونوں پر بقدر حصہ لازم ہوگا، اور اگر بیج مالک کی جانب سے ہے تو سب کا اتفاق ہے کہ عشر مالک پر لازم ہوگا۔

" ولو زارع بالعشریۃ ان کان البذر من قبل العامل فعلی قیاس قول ابی حنیفۃ العشر علی صاحب الارض کما فی الاجارۃ وعندھما فی الزرع کالاجارۃ وان کان البذر من رب الارض فھو علی رب الارض فی قولھم " (۴)

---

(۱) فتح القدیر ۲/۱۹۶ (۲) تنویر الابصار باب المزارعۃ

(۳) عالمگیری ۱/۱۸۷، بحرالرائق ۲/۲۳۸، بدائع ۲/۵۶ (۴) فتح القدیر ۲/۱۹۳

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ جیسا کہ در مختار میں صرف اسی قول کو ذکر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔

" وفی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعلیه ولو من العامل فعلیهما بالحصة " (۱)

تفصیل اس صورت میں ہے کہ جب مالک اور عامل دونوں مسلمان ہیں۔ اگر مالک مسلمان ہے اور عامل کافر ہے تو عشر اس میں کس پر واجب ہوگا، اس کی صراحت مجھے نہیں ملی البتہ کافر سے اعارہ کی صورت میں مالک پر عشر کے وجوب کو پیش نظر رکھا جائے تو کافر سے مزارعت میں بھی عشر کا حکم معلوم ہو جاتا ہے اعارہ کا مسئلہ اس طرح ہے کہ کسی کافر کو زمین عاریت میں دیئے پر اس کا عشر کافر پر واجب نہیں ہوتا مالک زمین پر واجب ہوتا ہے۔

" فان اعار الارض من ذمی فالعشر علی المعیر لان العشر صدقة لا یمکن ایجابها علی الکافر والمعیر صار مفوتا حق الفقراء بالاعارة من الکافر فکان ضامنا للعشر " (۲)

مستعیر کافر پر عشر عائد نہ ہونے کی اور معیر یعنی مالک زمین پر عشر لازم ہونے کی جو علت بیان کی ہے کہ عشر صدقہ ہے جس میں عبادت کا مفہوم ہوتا ہے اس لیے کافر پر اس کا وجوب ممکن نہیں ہے اور کافر سے اعارہ کر کے مالک زمین نے فقراء کا حق فوت کر دیا اس لیے عشر اس پر لازم ہوگا یہی علت مزارعت بین المالک المسلم والعامل الکافر کی صورت میں بھی پائی جا رہی ہے اس لیے یہاں بھی یہی حکم لگے گا کہ عشر صرف مالک زمین پر واجب ہے کافر پر نہیں۔

هذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) در مختار علی هامش الرد ۲/۶۸ (۲) المبسوط ۳/۵

جوابات سوالات متعلقہ عشر و خراج

از: ـــــ مولانا عبد القیوم پالن پوری القاسمی، جامعہ مدنیہ [illegible] گجرات

محور اول

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کے بارے میں شرعی ضابطہ یہ ہے کہ جب کوئی ملک ابتداءً مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تو اس کی چند صورتیں ہیں۔

اگر کوئی ملک اس طرح صلح کے ساتھ فتح ہو کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو ان کی زمینیں انہی کی ملکیت میں باقی رہیں گی اور یہ اراضی عشری قرار دی جائیں گی،[1] جیسے مدینہ طیبہ کی اراضی کہ یہاں کے باشندوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کی اور ان کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی، اس لیے یہ زمینیں عشری قرار پائیں۔

اور اگر کوئی ملک جنگ سے فتح ہوا اور امام المسلمین نے اس کی اراضی مال غنیمت کے قاعدہ سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے، اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دیا تو جو اراضی مجاہدین میں تقسیم ہوں گی وہ ان کی ملکیت میں آجائیں گی اور وہ سب عشری ہوں گی،[2] جیسے خیبر کی اراضی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین میں تقسیم کر کے ان پر عشر لازم کیا۔

---

(۱) كل بلدة [illegible] أهلها طوعا فهي أرض عشرية لأن ابتداء الوظيفة فيها على المسلم والمسلم
لا يبتدأ [illegible] الخراج [illegible] لما فيه من معنى الصغار فكان عليه العشر [illegible] مبسوط للسرخسي [illegible]

[illegible] جامع الفقه [illegible]

(۲) [illegible] فتحها الإمام عنوة وقهراً وقسمها بين الغانمين فهي أرض عشرية [illegible]

اور اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ اس شرط پر فتح ہوا کہ اس کے باشندے اپنے مذہب پر رہیں گے اور ان کی اراضی انہی کی ملکیت میں باقی رہیں گی تو اس صورت میں ان کی یہ زمینیں ہمیشہ کے لیے خراجی قرار پائیں گی، ان میں ان کے مالکوں کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے خراج کا حکم متعین ہے۔ (۱)

اسی طرح اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا لیکن امام المسلمین نے فتح کے بعد ان کی اراضی کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے سابق مالکوں کی ملکیت میں بدستور باقی رکھا تو یہ اراضی بھی سب خراجی ہوں گی(۲)" جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رض نے شام و مصر و عراق کی اراضی کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا، بجز ان خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دے گئے یا بیت المال کے لیے رکھے گئے۔

اور وہ بنجر زمینیں جو ملک فتح ہوتے وقت کسی کی ملک نہیں تھی، بعد میں مسلمان حاکم کی اجازت سے کسی غیر مسلم نے قابل کاشت بنایا یا کسی غیر مسلم نے اپنے مکان کو باغ یا کھیت بنا دیا تو یہ نو آباد اراضی بھی خراجی ہوں گی۔ (۳)

اور جو غیر قابل کاشت اراضی ملک فتح ہوتے وقت کسی کی ملک نہ تھی بعد میں مسلمان حاکم کی اجازت سے کسی مسلمان نے قابل کاشت بنایا، یا مسلمان نے اپنے مکان کو باغ یا کھیت بنا دیا تو ان اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسف رح کے نزدیک قرب و جوار کی اراضی پر ہوگا، اگر قریب کی زمینیں عشری ہیں تو یہ اراضی بھی عشری ہوں گی اور اگر قریب کی اراضی خراجی ہیں تو یہ بھی خراجی ہوں گی، اور اگر قریب میں دونوں قسم کی اراضی ہوں تو یہ نو آباد اراضی عشری ہوں گی، اور امام ابو یوسف رح کا قول راجح و مفتیٰ بہ ہے اور علامہ شامی رح نے اس کو معتمد قرار دیا ہے۔ (۴)

---

(۱) وکل بلدة فتحت صلحاً وقبلوا الجزية فهي ارض خراج (عالمگیریه علی الهندية ۲/۲۴۰، رد المحتار ۳/۲۵۵)

(۲) وکل بلدة فتحها الامام عنوة وقررها ثم من بها على اهلها فهي أرض خراج (مبسوط ۳/۹، عالمگیریه ۲/۲۴۰).

(۳) والذمي اذا جعل داره بستاناً أو احيا ارضاً ميتة باذن الامام فعليه فيها الخراج (مبسوط ۳/۹، شامی ۳/۲۵۹)

(۴) وموات ..... لو أحياه مسلم اعتبر قربه (الدر المختار) قوله اعتبر قربه اى قرب ما أحياه ان كان الى ارض الخراج اقرب كانت خراجية وان كانت الى العشر اقرب فعشرية (زیلعی) وان كانت بينهما فعشرية مراعاة لجانب المسلم وهذا عند ابي يوسف واعتبر محمد الماء (باقی آئندہ صفحہ)

اور امام محمدؒ کے نزدیک ان اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار اس پانی پر ہوگا جس سے ان اراضی کو سیراب کیا جاتا ہے اگر وہ پانی عشری ہے تو یہ اراضی بھی عشری قرار دی جائیں گی اور اگر وہ پانی خراجی ہے تو یہ اراضی بھی خراجی ہوں گی۔

پانی کے عشری یا خراجی ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ بارش، کنووں، قدرتی چشموں کا پانی اور اسی طرح وہ بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور سے جاری ہیں، نہ ان کے جاری کرنے میں کسی کے عمل کو دخل ہے اور نہ وہ عادۃً کسی کی ملک ہوتے ہیں، جیسے عراق میں دجلہ، فرات، مصر میں نیل، ہندوستان میں گنگا، جمنا، یہ سب عشری پانی ہے۔ اور وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت یا خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں، وہ عادۃً نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں جیسے ان بڑے دریاؤں سے نکلنے والی نہریں، نہر گنگ، و نہر جمن وغیرہ چونکہ فتح اسلامی سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھی اس لیے ان کا پانی خراجی ہے۔(1)

محور چہارم

(۱) موجودہ ہندوستان کی زمینیں بعض عشری، بعض خراجی اور بعض نہ عشری نہ خراجی ہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ خاتمہ زمینداری میں جن اراضی کو حکومت نے اپنے قبضہ تصرف میں لے لیا اور مالکوں کی ملک ختم کر دی وہ اراضی مالکوں کی ملک سے نکل کر حکومت کی ملک میں داخل ہوگئیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ): فان احیاها بماء الخراج فخراجیة والا فعشریة (بحر) وبالاول یفتی درمنتقی (شامی ۲/۱۵۹) وتقدمه ای بقول ابی یوسف فی متن الملتقی فافاد ترجیحه علی قول محمد وقال ح وهو المختار کما فی الحصری عن الکنز عن شرح الطحاوی وعلیه المتون (رد المحتار ۲/۲۰۰ جدید الفقه ۲/۲۲۶)۔

(۱) وماء الخراج هو ماء الانهار الصغار التی حفرها الاعاجم مما یدخل تحت الایدی، وماء العیون والقنوات المستنبطة من مال بیت المال، وماء العشر هو ماء السماء والآبار والعیون والانهار العظام التی لا تدخل تحت الایدی کسیحون وجیحون [illegible] عدم اثبات الید علیها او عن ابی یوسف انها خراجیة لامکان اثبات الید علیها الخ (البحر الرائق ۵/۱۰۵ - جدید الفقه ۲/۲۳۶)

یہ زمینیں چاہے پہلے عشری رہی ہوں لیکن اب عشری باقی نہیں رہیں، اس لیے کہ عشریت باقی رہنے کے لیے شرط یہ ہے کہ کبھی غیر مسلم کی ملک میں نہ جائے، پھر ان زمینوں میں سے جن اراضی کو حکومت نے اپنے قاعدہ وضابطے سے کچھ عوض لے کر یا بغیر عوض کے قابضین کی ملک میں دے دیا تو قابضین اس کے مالک ہو گئے اور یہ زمینیں خراجی ہو گئیں۔ (۱)

اور ان میں سے جن زمینوں پر حکومت نے قابضین یا دوسروں کو حق مالکانہ نہیں دیا وہ اب تک ملک حکومت میں باقی ہیں، اور یہ زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی ہیں بلکہ اراضی محوزہ سلطانیہ کے درجہ میں ہیں۔ (۲)

اور جو اراضی قانون تنسیخ زمینداری سے مستثنیٰ رہی ہیں اور حکومت نے اپنے قبضہ تصرف میں نہیں لیا، بلکہ وہ اب تک مالکوں کے قبضہ میں ہیں، اور ان اراضی کے بارے میں معلوم ہے کہ اسلامی دور سے اب تک کسی غیر مسلم کی ملک میں نہیں گئی ہیں تو یہ اراضی عشری ہیں، اسی طرح اُن اراضی کو جو قدیم سے مسلمانوں کی ملک میں ہیں بدلیل استصحاب عشری سمجھا جائے گا جن کے بارے میں یہ علم نہ ہو کہ کبھی کسی غیر مسلم کی ملک میں گئی ہیں یا نہیں۔ ——— اور وہ اراضی مملوکہ مسلمین جن کے بارے میں بالیقین معلوم ہے کہ اسلامی دور کے بعد کسی بھی وقت غیر مسلم کی ملکیت میں رہی ہیں خراجی ہیں۔ اسی طرح ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلے جانے والے مسلمانوں کی اراضی جن پر حکومت ہند نے قبضہ کر کے دوسروں کو دے دی ہیں وہ بھی بوجہ استیلاء کافر خراجی ہو گئی ہیں۔

(۲) جن زمینوں کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے اور وہ اراضی مملوکہ مسلمین ہیں اور ان کو حکومت نے اپنی ملک میں نہیں لیا، ان کو بدلیل استصحاب عشری قرار دیا جائے گا۔ (۳)

(۳) سرکار کو دی جانے والی مالگزاری خراج کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں حضرت فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۴) اور حضرت مفتی عزیز الرحمن دیوبندیؒ (۵) اور حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی مدظلہ کی رائے یہ ہے کہ خراج میں محسوب کرنے کی گنجائش ہے، لیکن حضرت تھانویؒ (۶)

---

(۱) نظام الفتاوی ۲/۲۰۴، فتاوی محمودیہ ۳/۲۰۹، نظام الفتاوی ۱/۲۰۵، (۲) جواہر الفقہ ۲/۲۸۱
(۳) امداد الفتاوی ۲/۷۵، جواہر الفقہ ۲/۲۸۲، (۴) تالیفات رشیدیہ مع فتاوی رشیدیہ ص ۴۳۰
(۵) فتاوی دار العلوم مکمل و مدلل ۶/۲۸۲، (۶) فتاوی محمودیہ ۳/۲۰۹، (۷) امداد الفتاوی ۲/۷۶

اس لیے ان تمام علاقوں کے خراج میں اگر کسی خاص زمین یا علاقہ کے متعلق خراج کی کوئی دوسری صورت کا ثبوت کسی ذریعہ کو پہونچ جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ خمس پیداوار کو خراج سمجھا جائے گا۔

لیکن محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے جن کی فتوحات غزنوی عہد اور غوری عہد حکومت سے شروع ہو کر علاء الدین خلجی تک تمام ہوئیں ——

ان میں اتنی بات ثابت ہے کہ ان تمام علاقوں کی زمینیں عموماً ان کے ہندو مالکان ہی کی ملک اور قبضہ میں باقی رکھی گئیں۔ اور ان پر خراج عائد کیا گیا۔ مگر تفصیل عام طور پر مذکور نہیں کہ خراج کی کون سی قسم ان زمینوں پر عائد کی گئی تھی مقاسمہ یا موظف۔

لیکن علاء الدین خلجی کے عہد حکومت کی اصلاحات و تغیرات کے ذیل میں کتب تاریخ فرشتہ، تحفۃ الکرام اور آئینہ حقیقت نما وغیرہ میں یہ مذکور ہے کہ ان کے زمانے سے پہلے جو فوج کو نقد بصورت جاگیر دینے کا دستور چل رہا تھا علاء الدین خلجی نے اس کو بدل کر فوج کو نقد تنخواہیں دینے کا قانون جاری کر دیا۔

اور ایک تغیر یہ بھی کیا کہ مالکان اراضی پر جو نقد خراج مقرر تھا اس کے بجائے بٹائی کا قاعدہ جاری کر دیا اور پھر خلجی کے بعد محمد تغلق نے بھی یہی معمول جاری رکھا ....

اس سے ثابت ہوا کہ ہندوستان کے اور علاقوں اور صوبوں میں عموماً اول فتح کے وقت سے خراج موظف یعنی نقد جاری تھا اور خلجی نے جو اس کو مقاسمہ اور بٹائی کی صورت میں تبدیل کیا یہ معاملہ اگر مالکان زمین کی رضامندی سے تھا تو مضائقہ نہیں ورنہ ان کو اس تبدیلی کا کوئی حق نہ تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی خراج موظف کا حکم جاری ہے۔ خراج موظف کی تفصیل   یہ ہے کہ عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب (ساٹھ مربع گز) پر ایک درہم یعنی ۳ ۱/۲ ماشہ چاندی اور ایک صاع گندم یا جو کا واجب ہوگا۔ ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور کی باغات پر دس درہم واجب ہوں گے اور باقی اشیاء کا خراج اس اندازے سے لگایا جائے کہ پیداوار کے خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے

ذمے نہیں ہے۔ (۱)

(۵) جدید طریق زراعت میں غیر معمولی ہونے والے اخراجات کو منہا کیے بغیر کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر نکالنا واجب ہے۔ کما فی العالمگیریہ:

"ولا تحتسب اجرة العمال ونفقة البقر وكرى الانهار واجرة الحافظ وغير ذلك فيجب اخراج الواجب من جميع ما اخرجته الارض عشراً او نصفاً كذا في البحر الرائق" (۲)

(۶) جن عشری اراضی کو مزارعت یعنی بٹائی پر دی ہیں ان کا عشر مالک زمین اور بٹائی دار پر اپنے اپنے حصے میں نکالنا واجب ہے۔ (۳) اگر خراجی زمینوں کو بٹائی پر دی ہیں اور ان میں خراج مقاسمہ واجب ہے تو اس کا حکم بھی مثل عشر ہے کہ مالک زمین اور بٹائی دار پر اپنے اپنے حصے میں واجب ہے۔ (۴) اور اگر ان میں خراج موظف واجب ہے تو وہ بالاجماع مالک زمین کے ذمہ ہے، بٹائی دار کے ذمہ نہیں۔ (۵)

اور اگر نقد روپیہ کے عوض زمین کو اجارہ پر دیا تو خراج موظف بہرکیف مالک زمین پر ہے۔ (۶) اور عشر و خراج مقاسمہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مالک زمین اجرت بہت زیادہ لیتا ہے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچتا ہے تو عشر اور خراج مقاسمہ مالک زمین پر ہے (۷) اور اگر اجرت کم لیتا ہے اور مستاجر کو بہت زیادہ ہوتی ہے تو عشر و خراج مقاسمہ مستاجر پر ہے۔ اس زمانہ میں عموماً اجرت کم لی جاتی ہے، لہذا عشر و خراج مقاسمہ مستاجر پر ہوگا۔

---

(۱) جواهر الفقه: ۲/۵۵ تا ۶۰ (۲) هندیه ۱/۱۸۶ (۳) جواهر الفقه ۲/۶۰، في البدائع ... ان المزارعة جائزة عندهما والعشر في الخارج بينهما فيجب العشر عليهما ... الخراج المقاسمة ... كالعشر ... الى قوله قد تقرر ان خراج المقاسمة كالعشر (رد المحتار ۲/۶۰)۔ (۵) ثم اعلم ان هذا كله في العشر اما الخراج (اي الموظف) فعلى رب الارض اجماعا (رد المحتار ۲/۶۰)، احسن الفتاوی ۴/۳۲۳ (۶) والعشر على المؤجر كخراج موظف، قوله كخراج موظف فانه على المؤجر اتفاقاً لتعلقه بالذمة (رد المحتار ۲/۳۶) (۷) لو اجر الارض العشرية فالعشر عليه وعندهما على المستاجر (قوله وبقولهما ناخذ) قلت لكن افتى بقول الامام جماعة المتأخرين ...... قلت لكن في زماننا عامة الاوقاف من القرى والمزارع لرضا المستاجر بتحمل غرامتها ومؤنتها (باقی آئندہ صفحہ پر)

تجاویز

(١) وجوب عشر کے لیے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک کوئی نصاب شرط نہیں ہے، پیداوار کی کم یا زیادہ مقدار پر عشر نکالنا واجب ہے۔ قرآن وحدیث کے الفاظ کے عموم کی وجہ سے۔

"مما اخرجنا لکم من الارض الخ وآتوا حقه یوم حصاده الخ۔ قال فی شرح التنویر یجب العشر ...... وان قل ...... بلا شرط نصاب وبقاء وحولان حول"۔ (١)

(٢) زمین سے پیدا ہونے والی ہر اس چیز میں جس کو مقصود بنا کر اگایا گیا ہو اس میں عشر واجب ہے، لہٰذا جو گھاس، بانس، درخت مقصود بنا کر اگائے گئے ہوں یا جانوروں کے لیے اگایا گیا چارہ جو دانہ پڑنے سے پہلے کاٹ لیا جاتا ہے ان سب میں عشر واجب ہے، البتہ بھوسہ جس سے اناج حاصل کر لیا ہو اور وہ مقصود نہ ہو تو اس میں عشر واجب نہیں ہے۔ (٢)

پانی میں کاشت ہونے والی چیزیں مکھانہ اور سنگھاڑہ اگر ان کی جڑیں مٹی سے ملتی ہیں تو عشر کا سبب الارض النامیہ پائے جانے کی وجہ سے اس میں عشر واجب ہوگا۔

(٣) مچھلی کی اس طرح کی کاشت پر عشر واجب نہیں ہے بلکہ اس میں زکوٰۃ الاموال کا حکم ہوگا۔ (٣)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بستاجرها بدون أجر المثل بحيث لاتفى الاجرة ولا اضعافها بالعشر او خراج المقاسمة فلا ينبغى العدول عن الافتاء بقولهما فى ذلك ...... فان امكن اخذ الاجرة كاملة يفتى بقول الامام والا بقولهما لما يلزم عليه من الضرر الواضح الذى لا يقول به احد (رد المحتار ٢/٥٥) واما خراج المقاسمة فهو كالخراج (رد المحتار ٢/٥٥)

(١) وفى الهداية: اما الحطب والقصب والحشيش فلا تستنبت فى الجنان عادة بل تنقى عنها حتى لو اتخذها مقصبة او مشجرة او منبتا للحشيش يجب فيها العشر ...... بخلاف السعف والتبن وفى الفتح وانما لم يجب فى التبن لانه غير مقصود بزراعة الحب غير انه لو فصله قبل انعقاد الحب وجب العشر فيه لانه صار هو المقصود (فتح القدير ٢/٨)

(٢) احسن الفتاوى ٣٠٠/٤

(٣) فى الهداية ١/١٩٣، بخلاف دود القز لانه يتناول الاوراق ولا عشر فيها، فكذا لاعشر فيما يتولد منها۔

عشر و خراج کی حقیقت

اور

اراضیٔ ہند کا حکم

از: مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، نائب قاضی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ
پھلواری شریف، پٹنہ

۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس کو اس روئے زمین کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے اور ان کو اپنی ملکیت میں رکھنے کا اختیار دیا ہے، مگر ساتھ ہی اس کا پابند بھی بنایا ہے کہ وہ اپنے مال میں غرباء و مساکین کا حق بھی رکھے اور اس کو ادا کرے۔ اسی حق کو ادا کرنے کا نام صدقہ، زکوٰۃ اور عشر و خراج ہے۔

چنانچہ جس طرح اموال منقولہ سونا، چاندی، کرنسی نوٹ، اموال تجارت اور مویشی میں زکوٰۃ فرض ہے اسی طرح اموال غیر منقولہ یعنی اراضی سے پیدا ہونے والی پیداوار میں زکوٰۃ فرض ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زرعی پیداوار میں سے خرچ کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَکُم مِّنَ الْأَرْضِ" (۱)

اے ایمان والو! اپنی پاک کمائی سے اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے پیدا کیا

---

(۱) سورہ بقرہ، آیت ۲۶۷

ہے اس میں سے خرچ کرو۔

اسی طرح سورہ انعام کی آیت ۱۴۲ میں حکم دیا ہے:

"كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ" (۱)

ان آیات کے بارے میں جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ ان میں زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے۔ (۲) اور اسی زرعی حق کی تشریح و تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ملتی ہے۔ الزكاة في الحنطة والشعير والتمر والزبيب (۳) فيما سقت السماء [illegible] العشر

اسی لیے امت کا اس پر اجماع ہے کہ زرعی پیداوار میں زکوٰۃ یعنی عشر یا نصف عشر فرض ہے۔

۲۔ لیکن اصولی و اجمالی طور پر امت کے اس اتفاق کے باوجود یہ مسئلہ بھی متفق علیہ ہے کہ ہر قسم کی زمینوں پر جن کے مالک مسلمان ہیں عشر یا نصف عشر فرض نہیں ہے اور نہ ہی ہر قسم کی زمینوں پر خراج واجب ہے، بلکہ عشر و خراج کے وجوب کے لیے کچھ شرائط ہیں۔ اگر یہ شرطیں پائی جائیں گی تو عشر و خراج واجب ہوگا۔ اور اگر ان شرائط کا تحقق نہ ہوگا تو وجوب بھی نہ ہوگا۔

۳۔ چنانچہ عشر کے وجوب کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ عشری زمین کا مالک مسلمان ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ زمین سے پیداوار حاصل ہو، اور تیسری شرط یہ ہے کہ پیداوار ان چیزوں کی ہو جن کی کھیتی عام طور پر کی جاتی ہے اور ان کو اگانے و پیدا کرنے کا رواج ہو، اور ان سے عام طور پر نفع اٹھایا جاتا ہو، اور چوتھی و آخری بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ زمین جس میں پیداوار ہوتی ہو وہ عشری زمین ہو، اس لیے کہ بعض زمینیں خراجی ہوتی ہیں اور بعض زمینیں ایسی ہوتی ہیں جو نہ عشری کے زمرہ میں آتی ہیں اور نہ خراجی زمینوں کے زمرہ میں۔

۴۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف کتاب "الخراج" میں ان زمینوں کی تفصیل بیان کی ہے جو عشری ہوتی ہیں وہ ایک جگہ عشری و خراجی زمینوں کی تحدید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) سورہ انعام، آیت ۱۴۲ (۲) احکام القرآن جصاص ۳/۹، الجامع لاحکام القرآن ۷/۹۹، تفسیر مظہری ۳/۲۹۳، بدائع الصنائع ۲/۹۲۵، فقہ الزکوٰۃ ۱/۳۳۲

(۳) بدائع الصنائع ۲/۳۳۸، فقہ الزکوٰۃ ۱/۳۳۶

"فاما ما سألت عنه يا امير المومنين من حد ارض العشر من حد ارض الخراج فكل ارض اسلم أهلها عليها وهي من ارض العرب أو ارض العجم فهي لهم وهي ارض عشر بمنزلة المدينة حين اسلم عليها أهلها وبمنزلة اليمن وكذالك كل من لاتقبل منه الجزية ولايقبل منه الا الاسلام أو القتل، ومن عبدة الأوثان من العرب فارضهم ارض عشر وان ظهر عليها الامام لان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد ظهر على ارضين من ارض العرب وتركها فهي ارض عشر حتى الساعة۔

قال: وايما دار من دور الاعاجم قد ظهر عليها الامام وتركها في ايدي اهلها فهي ارض خراج وان قسمها بين الذين غنموها فهي ارض عشر ألاترى ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه ظهر على ارض الأعاجم وتركها في ايديهم فهي ارض خراج وكل ارض من اراضي الأعاجم صالح عليها اهلها وصار وا ذمة فهي ارض خراج" (۱)

اور اے امیر المومنین! آپ نے عشری و خراجی زمین کی تحدید و تعیین کے بارے میں جو سوال کیا ہے تو اس بارے میں یہ (جواب) ہے کہ عرب و عجم کی سرزمین سے تعلق رکھنے والے افراد اگر خود سے اسلام لے آتے ہوں تو ان کی اراضی عشری ہوگی، جیسے کہ مدینہ منورہ کیوں کہ وہاں کے رہنے والے مسلمان ہو گئے تھے، اسی طرح یہ اراضی یمن کے درجہ میں ہوگا۔

اسی طرح ان تمام لوگوں کی اراضی عشری ہوگی جن کے بارے میں شریعت کا یہ حکم ہے کہ ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، یا تو وہ اسلام قبول کریں یا پھر انھیں قتل کر دیا جائے گا، جیسے عرب کے مشرکین تو ان کی اراضی عشری ہوگی اگرچہ امام نے فتح حاصل کیا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اراضی عرب پر فتح پائی اور پھر ان کو تقسیم کیے بغیر چھوڑ دیا تو یہ قیامت تک

---

(۱) کتاب الخراج، ص ۶۹

عشری ہے۔

اور خراجی اراضی وہ ہیں جو سرزمین عجم سے متعلق ہیں یا وہ امام نے ان پر غلبہ حاصل کیا اگر ان کے رہنے والے لوگوں کو ہی دے دیا تو یہ اراضی خراجی ہیں اور اگر غلبہ کے بعد ان کو تقسیم کر دی مجاہدین میں تو یہ عشری ہوں گی جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے اراضی عجم پر غلبہ پایا اور ان کے رہنے والوں کو ہی دے دیا تو یہ خراجی ہیں۔ اسی طرح جن اراضی عجم پر صلح کر لی گئی اور ان کے لوگوں میں چھوڑ دی گئی تو یہ لوگ ذمی ہوں گے اور ان کی اراضی خراجی ہوں گی۔

اس عبارت میں امام ابو یوسف رح نے عشری زمینوں کی تشریح کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ:

(الف): ہر ایسی زمین و علاقہ جہاں کے رہنے والے لوگ بلا جہاد و قتال نفس تبلیغ سے از خود مسلمان ہو گئے ہوں، جیسے مدینہ منورہ کے لوگ ، اوس و خزرج وغیرہ قبائل کے افراد مسلمان ہو گئے تھے تو اسلام لانے کے بعد یہ لوگ بدستور اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے اور یہ زمینیں عشری ہوں گی۔

(ب): دوسری قسم کی وہ زمینیں عشری ہیں جو عرب کی سرزمین ہے۔ وہاں کی اراضی کے مالک چاہے از خود اسلام لائے ہوں یا بزور شمشیر ان کی اراضی پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا ہو یہ ہمیشہ عشری رہیں گی۔

(ج): تیسری قسم کی وہ تمام اراضی عشری ہیں جو عجم کی حدود میں ہیں اور وہاں مسلمانوں نے بذریعہ جہاد غلبہ حاصل کیا ہو اور امیر المسلمین کے ذریعہ ان اراضی کی تقسیم مجاہدین میں ہوئی ہو اور پھر وہ مسلمانوں میں منتقل ہوتی چلی آ رہی ہو۔ اسی ذیل میں وہ اراضی آتی ہیں جن کے مالک اسلامی فوج کے خوف سے بھاگ گئے ہوں اور ان کو امام نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

اسی طرح امام ابو یوسف رح نے دو طرح کی اراضی کو خراجی قرار دیا ہے:

(الف): اول وہ تمام اراضی عجم جس پر مسلمانوں کو فتح و غلبہ ملا ہو مگر امام و امیر نے ان اراضی کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کے بجائے ان کے مالکوں (اصحاب اراضی) کو ہی دے دیا ہو تو یہ اراضی خراجی ہوں گی۔

(ب): اسی طرح عجم کی وہ تمام اراضی جن کے مالکین (اصحاب ارضی) یا ان کی حکومت کے ساتھ صلح ہوئی ہو اور ان لوگوں نے مسلمانوں کو سالانہ خراج دینا طے کر لیا ہو تو یہ لوگ ذمی ہوں گے اور ان کی اراضی خراجی ہوں گی۔

عشری اور خراجی اراضی کے درمیان فرق

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی اس تحریر سے عشری اور خراجی زمینوں کی تحدید واضح ہو گئی اور یہ کہ کون سی اراضی عشری ہوں گی اور کون سی خراجی۔ اسی طرح عشری اور خراجی اراضی کے درمیان یہ فرق بھی قائم رہتا ہے کہ کوئی زمین اسی وقت تک عشری رہے گی جب تک وہ زمین مسلمانوں کی ملکیت میں بلا انقطاع نسلاً بعد نسل باقی رہی ہو، اگر کسی غیر مسلم کی ملکیت میں وہ زمین چلی گئی تو پھر وہ خراجی ہو جائے گی گو پھر بعد میں پھر کسی مسلمان کی ملکیت میں وہ آ جائے، اس کے برخلاف جو زمین ایک بار خراجی ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ خراجی رہتی ہے چاہے وہ اراضی مسلمانوں کی ملکیت میں ہوں یا غیر مسلموں کی ملکیت میں، البتہ ایک شکل میں خراجی اراضی عشری ہو جاتی ہے وہ یہ کہ خراجی زمین کا مالک انتقال کر جاتا ہے اور اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو تو اس کی زمین شرعاً بیت المال کی ملک ہو جائے گی، پھر بیت المال سے کوئی مسلمان خرید لے تو وہ زمین اس مسلمان کے پاس جا کر عشری ہو جائے گی۔ (۱)

اسی طرح عشر و خراج کے درمیان وجوب و مقدار کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ

(الف): عشر پیداوار میں واجب ہوتا ہے اگر کسی زمین کی پیداوار سال میں دو یا تین بار ہوتی ہو تو اس میں عشر یا نصف عشر بھی اتنی ہی بار لازم ہوگا، جب کہ خراج سال میں ایک ہی بار واجب ہوتا ہے۔

(ب): اسی طرح عشر کا تعلق پیداوار سے ہے، اگر سال بھر زمین پڑی رہ جائے تو عشر یا نصف عشر کچھ بھی واجب نہ ہوگا جب کہ خراجی زمین میں اگر کاشت نہ کی گئی تو بھی مقررہ خراج دینا ہوگا۔

(ج): عشری و خراجی زمین کے محصول میں مقدار کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ عشری اراضی کی پیداوار میں ہر حالت میں ان دو قسموں میں سے ایک قسم کی مقدار متعین ہے، یعنی اگر وہ اراضی عشری پانی سے سیراب ہوتی ہے اور اس میں کچھ ٹیکس یا خرچ نہیں لگتا ہے تو پیداوار کا دسواں حصہ فرض ہوگا، اور اگر خرچ لگتا ہے تو بیسواں حصہ یعنی نصف عشر فرض ہوگا۔

(د): عشر و خراج کے درمیان مصرف کے اعتبار سے بھی فرق ہے۔ عشر کو انہی مصارف میں خرچ کیا جائے گا

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۲۹۸، ۳۰۱ ۔ رد المحتار ۲/۳۲۵

جو مصارف اللہ نے قرآن میں زکوٰۃ کے لیے متعین فرما دیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل۔ (۱)

اس کے برخلاف خراج کے مصارف مسلمانوں و سلطنت اسلامیہ کی فلاح کے جملہ امور خیر ہیں اور ان کی تعیین امام المسلمین کے اختیار میں ہے۔ (۲)

(۵) ایک فرق عبادت و ثواب کے اعتبار سے یہ ہے کہ عشر میں تعبدی پہلو ہے جب کہ خراج ایک طرح سے زمین کا ٹیکس ہے۔ اسی لیے عشر صرف مسلمانوں پر فرض ہے حتیٰ کہ اگر عشری زمین کو غیر مسلم خرید لے تو اس پر عشر لازم نہ ہوگا بلکہ خراج متعین ہوگا۔ (۳)

یہ ہیں وہ بنیادی فرق جو عشری و خراجی اراضی میں فقہاء نے کی ہے۔ میں نے مختصراً ان کا ذکر کیا۔

---

(۱) سورۃ توبہ

(۲) بدائع الصنائع ۲: ۲۰ (۳) ایضاً ۲/۵۸

اراضی ہند کا شرعی حکم عشر و خراج کے باب میں

محور چہارم

موجودہ ہندوستان کی اراضی کے بارے میں علماء ہند کے دو اقوال ملتے ہیں:

۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ وہ تمام اراضی جو مسلمانوں کے قبضہ و ملکیت میں نسلاً بعد نسل چلی آرہی ہے اور ان پر مسلمانوں کے مالکانہ حقوق ہیں اور تاریخی طور پر ان اراضی کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ اراضی ابتدائی طور پر عشری تھیں یا خراجی، تو ایسی تمام اراضی عشری ہیں، یہی قول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی، مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی اور حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی کا ہے۔ ان حضرات نے یہ فتویٰ اس وقت دیا تھا جب کہ ہندوستان پر برطانیہ کا تسلط تھا اور حکومت برطانیہ کے عہد میں ہندوستان کو دار الحرب کہا جاتا تھا، اس لیے حکومت برطانیہ کے تسلط کے خاتمہ اور جمہوری حکومت کے آنے کے بعد اس حکم میں کوئی فرق نہ ہوگا یہی رائے احوط ہے اور اسی کا قائل راقم ہے۔ اس کی تائید امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے ہوتی ہے جو انھوں نے کتاب السیر میں لکھا ہے اور اسے مولانا عبد الصمد رحمانی نے کتاب العشر والزکوٰۃ میں درج کیا ہے۔

۲۔ اسی طرح وہ تمام اراضی عشری ہیں جو مسلمانوں کے قبضہ و ملکیت میں ہیں اور نسلاً بعد نسل مسلمانوں کی ملکیت میں ہونا اور ان کا عشری ہونا متحقق ہے۔ ان اراضی کا حکم موجودہ حکومت کے تنسیخ زمین داری وغیرہ کے قانون سے متاثر و متبدل نہ ہوگا، اس لیے کہ موجودہ قانون انکوں کو ملکیت کے تمام اختیارات و تصرفات، خرید و فروخت، اجارہ، وراثت وغیرہ کو تسلیم کرتا ہے۔

۳۔ اسی طرح وہ تمام اراضی جن کے مالک سنہ ۱۹۴۷ء میں مسلمان تھے اور ان اراضی پر ان کو مالکانہ حقوق نسلاً بعد نسل چلے آرہے تھے اور زمین داری کے خاتمہ سے ان اراضی کا معاوضہ ان کو سرکار نے دیا، اور پھر وہ اراضی مسلمانوں کی ملکیت میں آگئیں تو وہ عشری ہوں گی، بشرطیکہ ان کے بارے معلوم نہ ہو کہ وہ خراجی اراضی ہیں۔

۴۔ اسی طرح وہ اراضی جو مسلمانوں نے غیر مسلموں سے خریدی ہیں یا سرکار سے ان کو ملی ہے ان میں عشر

نہ ہوگا، اور سرکار کو جو ٹیکس لگان کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے وہ خراج میں محسوب ہوگا، الگ سے خراج واجب نہ ہوگا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ ان اراضی کے بارے میں خراجی ہونا معلوم ہو، ورنہ ان پر نہ عشر ہے نہ خراج۔

۵۔۔۔۔۔ اسی طرح وہ تمام اراضی جو مسلمانوں کی ملکیت میں سو دو سو سال یا کم و بیش عرصہ سے ہوں اور وہ اراضی ایسے علاقے کی ہوں جہاں کی حکومت عہد برطانیہ یا اس کے قبل غیر مسلم راجہ کی تھی اور اس راجہ کے ذریعہ مسلمانوں کو ملے ہوں اور ان پر مالکانہ حقوق حاصل ہوں اور ان راجاؤں کے بارے میں یہ علم نہ ہو کہ وہ مسلم حکومت کے باج گزار تھے اور ان کی اراضی خراجی تھی یا نہیں تو ان اراضی کے بارے میں ہندوستان کے علماء میں سے کسی عالم کا کوئی قول نظر سے نہیں گزرا کہ یہ اراضی شرعی طور پر خراجی ہیں یا عشری یا دونوں میں سے کوئی حکم ان پر عائد نہیں ہوگا۔

اگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی روشنی میں جو انھوں نے دار الحرب کے مسلمانوں کی اراضی پر وجوب عشر کے بارے میں تحریر کیا ہے غور کیا جائے تو ایسی اراضی کو عشری قرار دینا احوط ہے یہی حکم جزائر انڈمان و نیکوبار کی اراضی کا ہوگا جو کبھی اسلامی سلطنت میں داخل نہیں ہوئے اور آج وہ ہندوستان کا جزء ہے اور مسلمان وہاں اراضی کے مالک ہیں۔

۶۔۔۔۔۔ اراضی ہند کے بارے میں دوسرا قول جو اکابر علماء نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ تنسیخ زمینداری کے بعد نئی جمہوری حکومت نے اراضی پر مالکانہ حق اسٹیٹ کے لیے رکھا ہے اور موجودہ مالکین حقیقۃً مالک نہیں ہیں بلکہ مال گزاری و ٹیکس ادا کر کے بطور اجارہ اپنے تصرف و قبضہ میں رکھتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک یہ تمام اراضی نہ عشری ہیں اور نہ ہی خراجی جیسا کہ موجودہ عہد کے مفتی مولانا مفتی نظام الدین صاحب مفتی دار العلوم دیوبند کا قول ہے۔ لیکن یہ قول میرے نزدیک صحیح نہیں ہے یہ ہے وہ مختصر وضاحت اراضی ہند کے شرعی حکم کی جو اس احقر کے نزدیک واضح ہوا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

۷۔۔۔۔۔ سوال میں عشری اراضی میں کھاد دینے کی صورت میں عشر یا نصف عشر کے وجوب یا اخراجات کے منہا کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے تو احقر کی رائے یہ ہے کہ کھاد سے پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور زراعت کے لیے زمین کھودنے اور دیگر اخراجات کرنے کے مماثل ہے،

اس لیے یہ منہا نہیں ہوگا، اور نہ ہی عشری زمین اس کی وجہ سے نصف عشر والی زمین کے حکم میں داخل ہوگی۔

محور پنجم: اس مسئلہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں کہ عشری زمین کی ہر قسم کی پیداوار میں عشر ہے یا مخصوص و متعین چیزوں میں۔

۱ــــ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم "انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض" (سورۃ بقرہ) اور "کلوا من ثمرہ اذا اثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ" (سورۃ انعام) اور حدیث رسول "فیما سقت السماء او العیون العشر" (متفق علیہ) وغیرہ نصوص کے علی الاطلاق امر سے تمام قسم کی زرعی پیداوار میں عشر یا نصف عشر کو واجب قرار دیا ہے، چاہے یہ اشیاء غذائی اجناس ہوں جیسے:

گندم، جو، مکئی، باجرا، دالیں، چاول یا پھل میوے مثلاً انگور، کھجور، کشمش، اخروٹ، نارنگی، سیب، انار، امرود، آم، کیلا، ناشپاتی، شفتالو، زردآلو، بادام یا خضروات و سبزیاں جیسے کھیرا، ککڑی، آلو، گوبھی، ساگ وغیرہ۔

یا غیر غذائی اجناس جیسے زعفران، روئی، سن پات وغیرہ یا گنا، نرکل وغیرہ، اسی طرح ان کے قول پر وہ تمام اشجار جو عشری زمین پر مقصود بالذات کے طور پر لگائے جاتے ہوں اور ان سے نفع لیا جاتا ہو، جیسے شیشم، ساکھو، گھاس، بانس تو ان تمام میں عشر واجب ہوگا۔ (۱)

ان کے علاوہ دیگر فقہاء ہیں، بعض تو چار مخصوص غذائی اجناس میں وجوب کے قائل ہیں اور بعض صرف ان غذائی اشیاء میں وجوب کے قائل ہیں جو باقی رہنے والی ہوں یعنی وہ سبزیاں اور زیادہ مدت تک باقی نہ رہنے والے پھلوں میں عشر کے قائل نہیں ہیں، مگر ان کا یہ قول حقیر کے نزدیک راجح نہیں ہے، علماء احناف کا فتویٰ امام ابوحنیفہ رح کے قول پر ہے۔

۲ــــ اسی طرح امام ابوحنیفہ رح ہر قلیل و کثیر پیداوار میں عشر کے وجوب کے قائل ہیں، جب کہ امام ابو یوسف رح و امام محمد رح اور دیگر فقہاء پانچ وسق (مروجہ وزن میں ...) کی مقدار میں وجوب کے قائل ہیں۔

---

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۸۶، بدائع الصنائع ۲/۵۹

یہ حضرات ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں پانچ وسق کی روایت آتی ہے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان احادیث سے یہ استدلال درست نہیں ہے اور ان کا محمل وہ عروض یا اموال تجارت کو قرار دیتے ہیں۔(۱) امام ابوحنیفہ کا قول امام عمر بن عبدالعزیز کے قول اور اس عہد کے تعامل اور آیات و آثار کے اطلاق پر مبنی ہے اور یہی احوط و حق ہے۔

۳ــــ پانی میں کاشت کی جانے والی اشیاء مثلاً کھانا، سنگھاڑا وغیرہ اگر عشری اراضی میں ہوں تو ان میں عشر امام ابوحنیفہ کے قول پر قیاس کر کے لازم کیا جائے گا کیونکہ یہ چیزیں زمین سے متصل ہوتی ہیں اور زمین میں ان کا بیج ڈالا جاتا ہے۔

۴ ان کے برخلاف اگر جنگلی پھل عشری زمین میں تلاش کر کے نکالے جائیں تو ان میں عشر واجب نہ ہوگا۔ فقہاء احناف اور علامہ ابن قدامہ وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے اور آثار میں بھی جنگلی پھل پر عشر نہ ہونے کی صراحت آتی ہے۔ (۲)

۵ــــ فقہاء احناف نے ریشم میں عشر نہ ہونے کی صراحت کی ہے اس لیے ان کے قول پر ریشم میں عشر نہیں ہے۔(۳) البتہ امام یحییٰ بن آدم نے بعض فقہاء سے عشر کا وجوب نقل کیا ہے۔ اس لیے جہاں عشری زمینوں میں یہ مقصود بالذات ہو اس قول پر اہل اسلام عمل کر سکتے ہیں۔(۴)

۶ــــ جن درختوں کے عشری زمین میں لگانے کا مقصد پھل حاصل کرنا ہوتا ہے تو ان پھلوں میں عشر واجب ہے اور جن درختوں سے مقصود پھل نہ ہوں بلکہ وہ درخت ہی مقصود ہوں جیسے بانس، شیشم اور سالم وغیرہ اور ان کو باقاعدہ عشری زمین میں لگا کر مشغول کر دیا گیا ہو اور اس زمین سے پیداوار نہ ہوتی ہو تو ان درختوں میں عشر ہوگا جیسا کہ فقہاء احناف نے اس کی صراحت کی ہے۔(۵)

۷ــــ عشری اراضی میں اگر سبزیاں اگائی جائیں چاہے تجارت مقصود ہو یا ذاتی استعمال میں صرف کرنا ہو ہر دو صورت میں امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق عشر واجب ہوگا اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ج۲ ص۶۰، فیض الباری ج۳ ص۹، فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیہ ج۱ ص۲۷۲۔

(۲) المغنی لابن قدامہ ج۲ ص۶۹۲ (۳) الهدایہ ج۱ ص۱۸۶ (۴) فقہ الزکوٰۃ ج۱ (۵) فتاویٰ ہندیہ ج۱

بدائع الصنائع ج۲ ص۵۸ (۶) الفتاویٰ الهندیہ ج۱ ص۱۸۶

"فالأول يتضمن زكوة التجارة والثاني يتضمن زكوة ما أخرج الله لنا من الأرض"[1]

۲ــــ "وآتوا حقه يوم حصاده"

علامہ شامی نے فرمایا:

"فإن عامة المفسرين على أنه العشر أو نصفه وهو مجمل بينه قوله عليه السلام "ما سقت السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر"[2]

عشر کا لغوی مفہوم "دسواں حصہ" ہے۔ حدیث مذکور سے جو تفصیل معلوم ہوتی اس سے عشری اراضی کی پیداوار میں دو قسم کا حق ثابت ہوا۔ ایک عشر اور دوسرا نصف عشر (بیسواں حصہ) لیکن فقہاء کی اصطلاح میں ان دونوں ہی پیداواری حق کو "عشر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عشر و خراج کے مابین بنیادی فرق

عشر کی حیثیت شرعی ایک عبادت کی ہے اس لیے اراضی غیر مسلم پر عشر کے احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ "لأن في العشر معنى العبادة والكفر ينافيها"[3] اور خراج محض ٹیکس ہے جس میں عقوبت کا معنی پایا جاتا ہے۔ اسی لیے ابتداءً اراضی مسلمین پر خراج کے احکام نافذ نہیں کیے جاتے ہیں۔ "لأنه عقوبة وهي اللائق بالكفر" عشر اور خراج مقاسمت اراضی حق اور زمینی ٹیکس ہے[4] پیداوار نہ ہو سکے تو عشر اور خراج مقاسمت کا وجوب نہ ہوگا۔ گو زمین کے قابل کاشت ہونے کے باوجود زراعت کسی نہ کسی وجہ سے نہ ہو سکی ہو۔ اور خراج موظف اراضی ٹیکس اور زمینی حق ہے[5]۔ فقط زمین میں کاشت کی صلاحیت کا پایا جانا خراج موظف کے وجوب کے لیے کافی ہے، اگرچہ پیداوار حاصل نہ ہو سکے۔

"وجب الخراج أي الموظف لتمكنه ولم يزرع أما خراج المقاسمة فلا يجب"[6]

---

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۵/۸ (۲) شامی ۲/۴۹ باب العشر (۳) بحر

(۴) شرط الخارج (۵) بغیر شرط الخارج (۶) درمختار مع حاشیہ رد المحتار ۲/۴۴

آفاتِ سماوی اگر کاشت کو ضائع کردے تو عشر اور خراجِ مقاسمت دونوں ساقط ہوجائیں گے۔

ویستحان بهلاك الخارج ای العشر والخراج المقاسمة لتعلقهما بعين الخارج.

اگر کٹائی سے پہلے کاشت ضائع ہوئی ہے تو خراجِ موظف بھی ساقط ہوجائے گا ــــــــ اگر کٹائی کے بعد ہلاک ہو تو پھر خراجِ موظف معاف نہیں ہوگا۔

فان هلك الخارج قبل الحصاد يسقط وبعده لا ـ (۱)

بنجر زمین جس میں کاشت کی صلاحیت ہی نہ ہو یا ایسی زمین جہاں تک پانی پہنچانا ناممکن ہو تو خراجِ موظف بھی ساقط ہوجائے گا۔

خراج کی قسمیں

خراج کی شرعاً دو قسمیں ہیں:

(۱) خراجِ موظف (۲) خراجِ مقاسمت (بٹائی)

پیداوار کے حصوں میں سے بعض حصہ شائع کا متعین کر دینا مقاسمت ہے، جیسے کل پیداوار کا نصف یا ربع، خمس وغیرہ، اور اگر پیداوار کا ایک حصہ متعین نہ کر کے ذمہ میں کچھ نقد رقم متعین کر دیا جائے تو اس کو خراجِ موظف کہیں گے۔ جیسے ایک جریب پر ایک درہم وغیرہ۔

خراج مقاسمة إن كان الواجب بعض الخارج كالخمس وغيره وخراج وظيفة ان كان الواجب شيئاً في الذمة يتعلق بالتمكن من الانتفاع بالارض ـ (۲)

مصارفِ عشر و خراج

عشر کے مصارف، مصارفِ زکوٰۃ ہیں، اور خراج کے مصارف مصالحِ مسلمین میں صرف کرنا ہے۔ جیسے سرحدوں کی اصلاح، پلوں کی تعمیر وغیرہ، قاضیوں، حکومت کے کارکنان اور علماء کو ان کی ضروریات کی کفایت کی حد تک عطایا دی جائیں گی اور اسی میں سے مجاہدین اور فوج کا اور ان کے آل و عیال کا خرچہ دیا جائے گا۔ فتح القدیر میں ہے کہ مدرسین اور طلبہ علمِ دین کو بھی اس میں سے

---

(۱) شامی ۲/۳۶۰ (۲) در مختار علی هامش رد المحتار ۳/۲۵۵ باب العشر والخراج

دیا جائے گا۔

وما جباه الامام من الخراج إلى ان قال والجزية يصرف فى مصالح المسلمين كسد الثغور وبناء القناطر الا الجسور ويعطى قضاة المسلمين وعمالهم وعلماءهم منه ويدفع منه ارزاق المقاتلة وذراريهم قال فى الفتح يعطى ايضا للمعلمين والمتعلمين وبهذا تدخل طلبة العلم۔ (۱)

خراج مقاسمت خراج موظف کے مثل ہے مصرفاً اور عشر کی طرح ہے تعلقاً بالخارج،

ان خراج المقاسمة كالعشر لتعلقه بالخارج ولذا يتكرر بتكرر الخارج فى السنة وانما يفارقه مصرفاً۔ (۲)

عشری اور خراجی زمینوں کی تحقیق

اسلامی تسلط کے بعد اراضی پر ابتداءً مسلمانوں کا قبضہ اور ان پر ان کی ملکیت اراضی کے عشری ہونے کی بنیاد ہے، پس وہ اراضی جہاں کے لوگ از خود برضا و رغبت اسلام میں داخل ہو گئے جیسے مدینہ طیبہ یا وہ اراضی جو جنگ کے بعد حاصل ہوئیں اور پھر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا یا وہ اراضی جو جنگ کے بعد فتح ہوئیں اور وہاں کے لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور امیر المسلمین نے ان کی اراضی مجاہدین میں غنیمت کے ضابطہ کے مطابق تقسیم کر دیا یا مصلحتاً مجاہدین کے علاوہ دیگر مسلمین کے درمیان تقسیم کر دیا، یا ایسی بنجر زمینیں جن کو مسلمانوں نے امیر المسلمین کی اجازت سے عشری پانی سے قابل کاشت بنایا، مذکورہ تمام اراضی عشری قرار دی جائیں گی۔

ومنها الارض التى اسلم اهلها طوعا او فتحت قهرا او قسمت بين الغانمين (۳)

وفى الدر جعلت بستانا ان كانت لمسلم سقاها بماء العشر فعشر۔ (۴)

ويعتبر قربه عند ابى يوسف وعند محمد يعتبر الماء والمعتمد الاول۔ (۵)

---

(۱) فتح ۵/۲۸۶ (۲) شامی ۳/۲۵۶ (۳) بحر الرائق ۵/۱۴۴

(۴) ماخوذ من الشامی ۳/۲۵۱ (۵) در مختار

وہ اراضی جو فتح کے بعد بدستور کافر کے قبضہ میں رہنے کی وجہ سے یا خراجی صورتوں میں سے کسی صورت کی وجہ سے خراجی رہیں، کچھ عرصہ بعد غیر آباد و لاوارث ہو کر بیت المال کے قبضہ میں آ گئیں اور امام یا بیت المال نے شرعی مصالح کے پیش نظر کسی مسلم کے ہاتھ فروخت کر دیا یا کسی بھی طرح کسی مسلم کو مالکانہ حیثیت دے دیا، وہ اراضی بھی عشری قرار دی جائیں گی گو مسلمانوں کی ملکیت فتح کے بہت زمانہ بعد ہوئی اور اس سے قبل خراجی رہیں، تاہم زمین کے غیر آباد و لاوارث رہ جانے کی وجہ سے اولاً بیت المال کی طرف منتقل ہوئیں بعدہٗ بیت المال سے از سر نو مسلمانوں کو ملیں، تو ابتدائی ملکیت حکماً مسلمانوں کی ہی قرار دی جائے گی۔ در مختار کی عبارت " ویجب الخراج فی أرض الوقف الا المشتراة من بیت المال " کے تحت علامہ شامیؒ نے بحث کرتے ہوئے فرمایا:

" ولم یذکر فی البحر العشر وانما قال بعده حقق ان الخراج ارتفع عن أراضی مصر لعودها الی بیت المال بموت مالکیها الی ان قال ثم ذکر العشر فقال انه لا یجب ایضا لانه لم یرفع، نقلا قلت ولا یخفی ما فیه لانهم قد صرحوا بان فرضیة العشر ثابتة بالکتاب اه.

وبأنه سبب وجوبه الارض النامیة بالخارج حقیقة اه ولاشك ان هذه الارض المشتراة وجد فیها سبب الوجوب الی ان قال فالقول بعدم الوجوب فی خصوص هذه الاراضی یحتاج الی دلیل خاص ونقل صریح ولا یلزم من سقوط الخراج المتعلق بالارض سقوط العشر المتعلق بالخارج "(۱)

تسلط کے بعد ابتداءً یا ثانیاً اراضی پر کافروں کا قبضہ اور ان کی ملکیت اراضی کے خراجی ہونے کی اصل ہے پس کوئی ملک صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ وہ لوگ اپنے اپنے مذہب پر بدستور قائم رہیں تو صلح امن کی شرط کے مطابق یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں، تو یہ ساری اراضی بدستور انہیں کی ملکیت میں رہیں گی یا وہ اراضی جو جنگ کے بعد فتح ہوئیں اور امیر لشکر نے مجاہدین کے درمیان ان کو تقسیم نہیں کیا، خواہ ان کی ملکیت بدستور باقی رکھا یا دوسرے کافروں کو مصلحتاً ان اراضی کا مالک بنا دیا

---

(۱) رد المحتار باب العشر والخراج ۲/۲۵۳

یہ تمام اراضی خراجی ہوں گی۔

أما الأرض الخراجية فهي التي فتحت قهراً وتركت في أيدي أربابها وأرض تسقى

[illegible] (۱) [illegible] فتح صلحاً خراجية۔ (۲)

یا ایسی بنجر زمین جس کو کافروں نے قابل کاشت بنایا یا مسلمانوں نے خراجی پانی کے ذریعہ کاشت کے قابل بنایا ہو، وہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔

"وإن أحياها ذمي مطلقاً أو مسلم وسقاها بماء الخراج وماء الخراج

هو ماء الأنهار الصغار التي حفرها الأعاجم مما كان تحت الأيدي وماء

العيون والقنوات المستخرجة من مال بيت المال وماء العشر هو ماء السماء

والآبار والعيون والأنهار العظام التي لا تدخل تحت الأيدي كسيحون وجيحون" (۳)

(تجویز نمبر ۴)

اراضی ہند کی شرعی حیثیت کے بارے میں

آزادی ہند اور قانون تنسیخ زمینداری کے بعد جن اراضی پر فی الوقت مسلمانان ہند کا قبضہ اور ان کی ملکیت تسلیم کی گئی ہے وہ چند نوعیت کی ہیں:

(۱) وہ اراضی جو مسلمانوں کے قبضہ میں وراثتاً منتقل ہوتی ہوئی آ رہی ہیں، مغلیہ یا برطانوی کسی بھی دور میں ان اراضی پر کافروں کی ملکیت ثابت نہیں۔

(۲) وہ اراضی جن پر تقسیم ہند سے قبل مسلمانوں کی ملکیت تھی اور وراثتاً منتقل ہوتی ہوئی ان تک پہنچی تھیں، مگر تقسیم ہند کے بعد اپنی جائداد و پراپرٹی چھوڑ کر پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے، ان زمینوں میں سے بعض پر وہ از خود دوسرے مسلمانوں کو قبضہ دلا کر گئے اور قبضہ کے بعد مسلمانوں کی ملکیت حکومت نے تسلیم کر لیا، یا حکومت نے اپنے قبضہ میں لینے کے بعد مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا، اور بعض اراضی پر حکومت قابض ہونے کے بعد ہندوؤں اور سکھوں کے

---

(۱) [illegible] (۲) در مختار (۳) مجمع بحوالہ مذکورہ

درمیان تقسیم کردیا۔

(۳) وہ اراضی جن پر کافروں کی ملکیت تھی اور ان کو مسلمانوں نے خریدا یا کسی بھی جائز طریقہ سے وہ زمینیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔

(۴) وہ اراضی جن کے بارے میں کوئی تاریخ معلوم نہیں کہ کب اور کس طرح مسلمانوں تک پہنچیں۔

(۵) وہ اراضی جن پر کسی کی ملکیت نہیں۔ افتادہ، بنجر اور ناقابل کاشت تھیں اور مسلمانوں نے از خود قابل زراعت بنایا اور حکومت نے ان کے قبضہ کو قانونی حیثیت دے دی یا حکومت کی اجازت سے مسلمانوں نے زمین کو پیداواری بنایا۔

مذکورہ اراضی کے احکام کو معلوم کرنے سے قبل چند بنیادی نکتوں کی طرف رہنمائی ضروری ہے پہلی بنیادی بات تو یہ ہے کہ اراضی ہند بلاشبہ عشری یا خراجی ہیں، اس اصل پر کسی کو باب الرکاز میں درمختار کی عبارت "فی ارض خراجیۃ او عشریۃ" کے ذیل میں علامہ شامی کی عبارت:

"ویحتمل ان یکون احترازا عما وجد فی دار الحرب فان ارضہا لیست خراج او عشریۃ (۱)

سے یہ شبہ نہ پیدا ہو کہ عشر و خراج کے وظائف دار الحرب کی اراضی پر جاری نہیں ہو سکتے ہیں اور ہندوستان دارالاسلام نہیں ہے تو ضرور دار الحرب ہوگا ——— اور دار کی تیسری قسم فقہی ابواب میں معروف نہیں ہے ——— اس لیے کہ اولاً ہندوستان دار الحرب نہیں، دار الحرب کی جو تعریف فقہاء امت سے منقول ہے وہ ہندوستان جیسی حکومت پر صادق نہیں آتی۔ بالفرض ہندوستان کو دار الحرب کی فہرست میں داخل بھی کرلیا جائے تو وہ دار الحرب قطعاً نہیں ہے جو اصلی ہو، ان اراضی پر مسلمانوں کے استیلاء کا تصور نہ ہو، بلکہ مسلمانوں کے رہنے بسنے اور لین دین تک کا تصور نہ رہا ہو، یقیناً ایسا دار الحرب اصلی دار الحرب ہوگا، اور اس کی اراضی نہ عشری ہوں گی نہ خراجی ——— اراضی ہند اس سے بالکل مختلف ہیں۔ اس دیار پر عرصہ دراز تک تقریباً ۸ سو سال مسلمانوں کا ڈنکا بجا، یہاں کی اراضی پر عشر و خراج کے احکام لمبے عرصہ تک جاری کیے جاتے رہے، پس یہاں کی زمینیں اس حکم سے الگ ہوں گی

---

(۱) ردالمحتار ۲/۱۹

عشر و خراج کے وظائف یقیناً جاری کیے جائیں گے۔ شرح سیر میں امام سرخسی رح کی عبارت :

"لان العشر والخراج انما یجب فی ارض المسلمین" (۱)

اسی کی طرف مشیر ہے۔ اس لیے کہ ارض المسلمین سے مراد وہ اراضی ہیں جو اسلامی حکومت اور اقتدار میں داخل ہوں، خواہ ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو، اس لیے کہ حکم خراج ابتداءً کسی مسلمان کی ملکیت پر نہیں لگایا جا سکتا۔

دوسری بنیاد یہ ہے کہ وظیفۂ عشر و خراج مالک کے بدلنے سے متبدل نہ ہوگا الا بضرورۃ۔ خراجی زمین کافر سے یا مسلم سے مسلمان نے خرید تو وظیفۂ خراج بدستور باقی رہے گا۔ اس اصل کا تقاضا یہ تھا کہ اگر کافر نے عشری زمین مسلمان سے خرید تو وہ بھی عشری رہے۔ لیکن عشر میں عبادت کا معنیٰ ہے اور کفر اس کے منافی ہے۔

"ان الاصل انه مؤنة الارض لا تتغیر بتبدل المالك الا بضرورة وفی حق الذمی اذا اشتری من مسلم ارض عشر ضرورة" (۲) "لان فی العشر معنی العبادة والکفر ینافیها" (۳)

تیسری بنیاد یہ ہے کہ جس صورت میں حالات کے عدم علم کی وجہ سے نہ خراج کی کوئی دلیل مل سکے نہ عشری کی تو "حملا لحال المسلم علی الکمال و استصحابا للحال" وہ اراضی عشری سمجھی جائیں گی۔

"والاستصحاب عبارة عن الحکم ببقاء حکم ثابت بدلیل غیر متعرض لبقائه ولا لزواله محتمل للزوال بدلیله لکنه اشتبه علیك حاله" (۴)

اسلامی تسلط کے بعد اراضی کا عشری ہونا یقینی ہے جس سے عدول یا بقاء کی کوئی دلیل موجود نہیں تو وہ استصحاباً عشری ہی قرار پائیں گی۔

چوتھی بنیاد، مردہ اور ناقابل کاشت اراضی کو قابل کاشت بنانے کے بعد عشری اور خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسف رح کے نزدیک قرب و جوار کے اراضی کے عشری اور خراجی ہونے پر ہوگا۔ اور امام محمد رح کے نزدیک پانی کے عشری و خراجی ہونے پر۔

وما أحیاه مسلم یعتبر قربه عند أبی یوسف و عند محمد یعتبر الماء

---

(۱) شرح سیر ۲/۳۰۲ (۲) بدائع بحوالہ (۳) بحر (۴) اولۃ التشریع ۲۰۷

والمنسبة الأول." (۱)

مذکورہ بالا بنیادوں کی روشنی میں اراضی ہند کی شرعی حیثیت

(۱) پہلی صورت میں تمام اراضی عشری قرار پائیں گی۔

"لأنه أليق بالمسلم أن لما فيه معنى العبادة وهذا هو أخف حيث يتعلق بنفس الخارج." (۲)

(۲) دوسری صورت میں جو اراضی ایک مسلم کی ملکیت سے نکل کر دوسرے مسلم کی ملکیت میں گئیں خواہ تارکین وطن نے از خود حوالہ کر دیا یا مسلمانوں نے قبضہ کر لیا اور حکومت نے قبضہ کو تسلیم کر لیا تو مالک کے بدلنے سے وظیفہ عشر نہیں بدلے گا، اگر وہ اراضی اس وقت عشری رہی ہوں گی البتہ جن اراضی کو حکومت نے قبضہ میں لے لیا، حکومت کی شئی ہو جانے کے بعد حکومت کی جانب سے مسلمانوں میں تقسیم کی گئیں، تو اراضی کے کافر حکومت کے قبضہ میں حاکمانہ طور پر چلی جانے کی وجہ سے ان اراضی سے وظیفہ عشر ختم ہو جائے گا۔ اس لیے وہ اراضی خراجی قرار پائیں گی۔ اور وہ بھی جن کو حکومت نے ہندوؤں اور سکھوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔

(۳) تیسری قسم کے اراضی کافروں کے پاس رہی ہوں کہ خراجی تھیں تو وہ بدستور خراجی رہیں گی۔

"لأن مئونة الأرض لا تتغير بتبدل المالك اشترى مسلم من ذمي أرض خراج يجب الخراج." (۳)

(۴) چوتھی صورت میں جن اراضی کا حال معلوم نہیں، وہ اراضی تیسری بنیاد کی وجہ سے عشری رہیں گی۔

(۵) پانچویں صورت میں جن اراضی کو مسلمانوں نے قابل کاشت بنایا تو وہ اراضی عشری ہوں گی، امام ابو یوسف رحمہ کے نزدیک قرب وجوار کے اراضی کے عشری ہونے کی وجہ سے اور امام محمد رحمہ کے نزدیک پانی کے عشری ہونے کی وجہ سے، بصورت دیگر اراضی خراجی قرار پائیں گی۔ حل اختلاف

---

(۱) رد المحتار ج ۳ / ۲۳ باب العشر والخراج (۲) شامی ج ۳ / ۲۵۱ (۳) در مختار مع شامی رد المحتار ج ۳ / ۲۰۲

القولين والمعتمد الاول۔

سرکار کو بنام مال گذاری دی جانے والی زمین ٹیکس، خراجی زمین سے حکم خراج کو ساقط نہیں کرے گا اس لیے کہ حکومت مال گذاری نہ تو بنام خراج لیتی ہے اور نہ ہی وہ خراج کو مصارف خراج میں تقسیم کرنے کی پابند عہد ہے، نہ اس کے پاس اسلامی فوج ہے، بلکہ ان کی افواج مسلمانوں کے خلاف استعمال کی جاتی ہیں ــــ بلکہ حکومت اگر خراج کے نام سے بھی خراج وصول کرے تو بھی حکم خراج ساقط نہ ہوگا، مالکان اراضی از خود خراج نکال کر مصارف خراج میں صرف کریں۔

لأن الكافرين ليس لهم ولاية أخذ الخراج من المسلمين وأيضاً ليسوا بمصارف الخراج كما في جامع الفصولين ۔ ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا (الآية)

درمختار کی عبارت "اخذ البغاة والسلاطين الجائرة" کے ذیل میں علامہ شامی کا قول؛

"ويظهر لي ان اهل الحرب لو غلبوا على بلدة من بلادنا كذلك لتعليلهم اصل المسئلة بان الإمام لم يحمهم والجباية بالحماية" (١)

اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جس طرح کسی مسلم سے باغیوں کے خراج وصول کر لینے سے خراج کا اعادہ نہیں ہوگا، اسی طرح بلاد مسلمین میں سے کسی پر اہل حرب اور کافروں کا غلبہ ہو جائے اور حکومت ہمارے ہاتھ سے چلی جائے جیسے ہندوستان تو اگر اہل حکومت علی شرط الخراج بنام خراج وصول کرے تو خراج ادا ہو جائے گا لیکن علامہ شامی کا یہ قیاس، قیاس مع الفارق معلوم ہو رہا ہے اس لیے کہ باغیوں کے خراج وصول کر لینے کے بعد خراج کے ساقط ہونے کا مدار آخذ کا مسلم ہونا ہے جو مسلمین کی جانب سے جنگ کرتا اور اپنے سرحدوں کی حفاظت کرتا ہے، گویا وہ مصارف خراج ہیں۔ علامہ شامیؒ نے خود بیان فرمایا ہے کہ:

"لأنهم مصارفه وعلته تحذوف فلا يفتي باعادته لانهم مصارفه اذ اهل البغي يقاتلون اهل الحرب والخراج حق المقاتلة" (٢)

اور کفار اپنی افواج مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور وہ مصارف خراج نہیں۔ فكيف يقاس الكفار

---

(١) رد المحتار ٢/٢٢ باب زكوة الغنم (٢) ٢/٢٢ شامی باب زكوة الغنم

على المسلمين المقاتلين الدافعين عن الإسلام والمسلمين ۔ (۱)

جن اراضی کا جو خراج عہد اسلامی سے الیٰ یومنا ثابت رہا وہ بدستور باقی رہے گا۔ خراج کی جو قسم جس شرح کے ساتھ ادا کرنا معروف رہا اس قسم میں تبدیلی کیے بغیر حالات اور پوزیشن کو دیکھتے ہوئے شرح میں کمی یا زیادتی کی جا سکتی ہے۔

"وليس للإمام أن يحول الخراج الموظف إلى خراج المقاسمة اقول وكذالك عكسه فيما يظهر من تعليله لانه قال لان فيه نقض العهد وهو حرام" (۲)

وہ خراجی اراضی جن پر خراج کی کوئی قسم ثابت نہیں یا جن کا خراجی ہونا موجبات خراج میں سے کسی موجب کی وجہ سے فی الوقت ہوا۔ ان تمام خراجی اراضی پر خراج مقاسمت کا حکم جاری کرنا ناقص فہم میں مناسب معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ خراج مقاسمت تعلقاً، تکراراً، توافقاً و تخالفاً عشر کی طرح ہے۔

"قال الشامی: وقد تقرر ان خراج المقاسمة كالعشر لتعلقه بالخارج ولذا يتكرر بتكرر الخارج فى السنة وانما يفارقه فى المصرف إلى ان قال وتجرى الاحكام التى قررت فى العشر إلى ان قال ولاشك ان أراضى بلادنا خراجية وخراجها مقاسمة كما هو مشاهد"

ثابت ہوا کہ خراج مقاسمت کو بڑی حد تک عشر سے مناسبت ہے، مسلمانوں کی اراضی میں اصل عشر ہے ——— ان کی اراضی پر خراج کے احکام بعض ناگزیر سبب کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا خراج کی وہ قسم جو عشر سے زیادہ قریب ہو نافذ کرنا اقرب الی الفقہ والقیاس ہے ——— مقاسمت کی مقدار نصف خارج سے زیادہ نہیں ہوتی، اور عام حالات میں خمس سے کم نہیں ہونا چاہیے۔

"وطاقة أى غاية الطاقة نصف الخارج لأن التنصيف عين الانصاف فلا يزاد عليه فى خراج المقاسمة ولاينقص عن الخمس لان عدم التنقيص عن الخمس غير منقول" (۳)

---

(۱) رسالة الخراج (۲) رد المحتار ۳/۳۶۶

(۳) رد المحتار ۳۶/۳

علامہ شامیؒ نے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " لا ینقص عن الخمس" محمول ہے اس صورت پر جب زمین کی پیداوار میں وجوب خمس کی گنجائش ہو، بایں طور کہ آمدنی زیادہ اور خرچ کم ہو، اخراجات اور خمس کو پیداوار سے منہا کرنے کے بعد کچھ باقی رہتا ہو۔ اور اگر آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہو جاتا ہو اس طور پر کہ اخراجات اور خمس کو منہا کرنے کے بعد بہت کم بچتا ہو تو خمس سے کم واجب کیا جا سکتا ہے۔

لکن قال الخیر الرملی یجب ان یحمل علی ما اذا تطیق فلو کانت قلیلۃ الریع و کثیرۃ المؤنۃ ینقص اذ یجب ان یتفاوت الواجب لتفاوت المؤنۃ کما فی ارض العشر الی أن قال فمطالبتہ بالقسم ظلم علی ظلم و الظلم یجب اعدامہ فلا یجوز مساعدۃ اھل التیمار علی ظلمھم بل یجب ان ینظر الی ما تطیقہ الأرض۔[1]

ان عبارات سے یہ روشنی ملی کہ پیداوار کی پوزیشن دیکھتے ہوئے مقاسمت میں خمس سے کم کیا جا سکتا ہے۔

زمانہ کے حالات کے اعتبار سے جدید طریق زراعت پر ہونے والے اخراجات کا بارگراں اس امر کی طرف داعی ہے کہ خمس مقاسمت کو کم کیا جائے۔ یقیناً کھیتوں کی تیاری، مزدوروں کی مزدوری اور زمین کی زراعتی پوزیشن کی وجہ سے کھاد و ادویات کے لازماً استعمال میں ایک بڑی رقم صرف ہو رہی ہے اس کے بعد خمس کا وجوب ظلم کے مترادف ہوگا ــــــ اس لیے مقاسمت کی شرح کو خمس سے کم کر کے پیداوار کے ایک دوسرے وظیفہ شرعی عشر کو واجب قرار دیا جانا چاہیے۔ کلام خداوندی:

" ان اللّٰہ یرید بکم الیسر ولا یرید بکم العسر"

کا تقاضا بھی ہے اور مقاسمت کو عشر کے ساتھ مناسبت کا نتیجہ بھی ــــــ پس وظیفہ عشر اور عشر مقاسمت کے درمیان مصارف کے بنیادی فرق کو برقرار رکھتے ہوئے جو خراجی الارضی کے خراجی ہونے کو باقی رکھنے کی دلیل ہوگی، دیگر احکام مثلاً تعلق خارج، تکرر فی السنۃ، تساقط واجب بر بنائے عدم زراعت وغیرہ میں مناسبت کی وجہ سے دونوں کی مقدار کو اگر ایک قرار دے دیا جائے تو میرے ناقص فہم

---

[1] شامی ۲/ ۲۰۰

میں دونوں کی شرعی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ اراضی کے مسلمانوں کے تصرف میں آجانے کے باوجود اراضی کا محکوم بالخراج رہنا اصل شرعی "وصفۃ الارض لا تتغیر بتبدیل المالک" کی وجہ سے ہے۔ اور خراج میں عقوبت کا معنیٰ ہے جو منافی اسلام نہیں۔

"بخلاف الخراج لانہ عقوبۃ والاسلام لا ینافیہا کالرق" (۱)

یہ خراجی عقوبت اجباری نہیں، خود کردہ واختیاری ہے۔

"ان المسلم وضع الخراج علیہ ابتداءً وجبراً وانما باختیارہ فیجوز" کافروں کی اراضی خریدنے اور خراجی پانی سے زمین کو سیراب کرنے میں اختیار کو دخل ہے ــــــــــ

البتہ اس حق میں عبادت کہا جاسکتا ہے کہ اس نے حکم شرعی کے مطابق وظیفہ شرعی مستحقین تک پہنچا دیا پس امتثال حکم شرعی کا ثواب ضرور ملے گا۔

عشری اراضی میں عشر اور نصف عشر دو وظیفے ثابت بالسنۃ ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ما سقت السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب او

دالیۃ ففیہ نصف العشر (حدیث)

در مختار میں عشر سے نصف عشر کی جانب منتقل ہونے کی وجہ اخراجات کی کثرت بیان کیا ہے "و دالیۃ ای دولاب لکثرۃ المؤنۃ" (۲)

گویا آب پاشی پر آنے والے اخراجات کو پیداوار سے منہا کرنے کے بعد باقی پر عشر قرار نہ دے کر نفس واجب میں کمی کر دیا گیا ہے۔ اگر اخراجات کو منہا کرنے کے بعد باقی پر عشر قرار دیا جائے تو واجب کی تقسیم ختم ہو جائے گی جو ثابت بالسنۃ ہے اور وظیفہ ہمیشہ عشر کا ہی رہ جائے گا۔ "واللازم باطل فالملزوم مثلہ"۔ پس تمام پیداوار میں عشر یا نصف عشر کا حکم جاری ہوگا جس کی بنیاد قلت مؤنت اور کثرت مؤنت ہوگی۔ نفس پانی کو واجب کی کمی میں کوئی دخل نہیں بلکہ پانی پر خرچ ہونے والی اضافی رقم کو دخل ہے۔

لانہ علیہ السلام حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنۃ ولو رفعت المؤنۃ

---

(۱) بحر ۲/۲۳۳ (۲) در مختار مع حاشیہ رد المختار ۲/۴۹

كان الواجب واحدا وهو العشر، وانما قرر الباقي لأنه لم يبق إلا نصفه إلا المؤنة ولو رفعت المؤنة والباقي بعد رفع المؤنة لا مؤنة فيه فكان الواجب وانما العشر لكن الواجب قد تفاوت شرعا فعلمنا أنه لم يعتبر شرعا عدم عشر بعض الخارج وهو قدر المساوي للمؤنة أصلا (١)

کھاد، ادویات اور جدید طریق زراعت پر آنے والے دیگر اخراجات، اب پانی پر آنے والے اخراجات سے مختلف نہیں بلکہ ان اخراجات سے کئی گنا زائد ہوتے ہیں، پس آسمانی پانی سے سیراب کے باوجود مذکورہ اخراجات کی کثرت کی وجہ سے عشر کو نصف عشر کی طرف تبدیل کر دینا مناسب ہے۔

مزارعت یعنی وہ معاملہ جس کی وجہ سے زمین کی کاشت بٹائی کے طور پر ہو۔ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک یہ عقد فاسد ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک عقد مزارعت منعقد صحیح ہے اور اکثر علماء کی رائے صاحبین کے قول کے مطابق ہے۔ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک مزارعت کے عقد فاسد ہونے کے باوجود کسی نے اس طرح کا معاملہ کر کے پیداوار حاصل کیا تو ان کے نزدیک مسئلہ کی تفصیل اس طرح ہوگی کہ پوری پیداوار کا عشر رب الارض پر ہوگا اور کل پیداوار اسی کی ہوگی۔ مزارع کی حیثیت عامل کی ہوگی اور اس کو اس کے عمل کا اجر مثل دیا جائے گا بشرطیکہ بیج مالک زمین نے دی ہو اور اگر بیج بٹائی دار نے دی تو کل پیداوار بٹائی دار کی ہوگی اور رب الارض کو پیداوار کے بقدر زمین کا اجر مثل دیا جائے گا۔ "ما لخارج اما تحقیقا او تقدیرا" میں تقدیرا کا یہی مطلب ہے۔ اس صورت میں بھی مالک زمین ہی کل عشر دے گا۔ دونوں ہی صورتوں میں اپنے حصہ کا عشر زمین مالک پر ہوگا اور بٹائی دار کے حصہ کا عشر ذمہ میں واجب ہوگا۔ ذمہ میں واجب ہونے کا فائدہ یہ ہوگا کہ عین خارج کے ہلاک ہو جانے کے بعد مزارع کے حصہ کا عشر ساقط نہ ہوگا، واجب الادا رہے گا۔

"لأن المزارعة فاسدة عنده، فالخارج له اما تحقيقا أو تقديرا (٢) ——— وفي البحر أو عن قوله على رب الأرض لكن يجب في حصته في عينه وفي حصة المزارع يكون دينا في ذمته (٣)

---

(١) بدائع ٢/٥٩ (٢) الفتاوى الهندية مكتبہ زكريا ١/١٨٦ (٣) بحر ٢/٢٣٩

العشر فلا یجب الا فی الزروع "(۱)

اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک عشر حق الارض ہے پس زمین سے جو بھی حاصل ہوگا اس میں عشر واجب ہوگا، حقیقۃً عشر زکوٰۃ کی طرح نہیں، بلکہ ان دونوں کے مصارف کے ایک ہونے کی وجہ سے مجازاً عشر کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے امام جبراً عشر وصول کرے گا اور ترکہ سے بھی لیا جائے گا اور قرض کے باوجود واجب ہوگا اور اراضی مجنون، صغیر، مکاتب، ماذون، وقف تمام میں عشر واجب ہوگا۔

"وابوحنیفة یقول العشر حق الارض فلا یجتمع الحقان (۲) ــــــ لان فیه معنی المؤنة ولهذا کان للامام اخذه جبرا ویوخذ من الترکة ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون ومکاتب وماذون ووقف وتسمیة زکاة مجاز "(۳)

حضرات صاحبینؒ کے نزدیک عشر کا نصاب پانچ وسق ہے اگر پیداوار اس مقدار سے کم ہوگی عشر واجب نہ ہوگا، ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع کا وزن اسی کے حساب سے ساڑھے تین سیر اور گرام و کیلو کے حساب سے تقریباً تین کیلو ڈیڑھ سو گرام ہوتا ہے، اس طرح صاحبین کے نزدیک جب تک ۹۰۰ کو نٹل ۵۰ کیلو تک پیداوار نہ پہنچے عشر واجب نہ ہوگا۔ صاحبین کی دلیل ارشاد گرامی: لیس فی حب ولا تمر صدقة حتی یبلغ خمسة اوسق (رواہ مسلم) ہے۔(۳)

والوسق ستون صاعا بصاع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم (۵) ــــــ جو پیداوار وسق نہ ہو تو امام ابو یوسف رحمہ کے نزدیک اس کی قیمت کم تر درجہ کے وسقی چیز کے ۵ وسق کی قیمت کو پہونچ جائے۔

"وقال ابو یوسف فیما لا یوسق کالزعفران والقطن یجب فیه العشر اذا بلغت قیمته خمسة اوسق من ادنی ما یوسق کالذرة فی زماننا "(۶)

اور امام محمد کے نزدیک غیر وسقی میں اس نوع کی چیز جن وجہوں پر اندازہ ہوتی ہوں ان میں اعلیٰ درجہ کے اندازہ کے پانچ مثل ہوجائے تو عشر واجب ہوگا۔

وقال محمد اذا بلغ الخارج خمسة اعداد من اعلیٰ ما یقدر به نوعه فاعتبر فی القطن

---

(۱) فتاوی ابن تیمیه ۵۵/۲۵ (۲) ایضاً (۳) درمختار علی هامش رد المحتار ۶۹/۲
(۳) مسلم ۳۱۹/۱ (۵) هدایه ۱۸۱/۱ (۶) هدایه ۱۸۲/۱

ہیں ان سے کوئی معتد بہ فائدہ مقصود نہیں ہوتا ، سوتے کیڑوں کی پرورش اور پرداخت کے ، البتہ ریشم کی اس کاشت میں کافی فائدہ ہوتا ہے ، اور وہ پیدا ہوتا ہے ان کیڑوں سے جن کی پرورش شہتوت کے پتوں سے ہوتی ہے اور پتوں پر عشر واجب نہیں اس لیے ریشم کی اس کاشت پر عشر واجب نہیں ہوگا بلکہ زکوٰۃ المال واجب ہوگی ۔

برخلاف شہد کے کہ اس کی پیدائش بھی حیوان سے ہوتی ہے مگر اس حیوان (شہد کی مکھی) کی پرورش و پرداخت پھل پھول سے ہوتی ہے اور ان دونوں میں عشر ہے ـــــــ حاصل یہ کہ ریشم کا وجود بواسطہ حیوان پتوں سے ہے اور شہد کا وجود بواسطہ حیوان پھلوں اور پھولوں سے ہے :

"لأن النحل يتناول من الأنوار والثمار وفيهما العشر فكذا فيما يتولد منها بخلاف دود القز لأنه يتناول الأوراق ولا عشر فيها"

(۵) وہ درخت جن سے پھل مقصود نہیں جیسے شیشم ، سپیدا ، ساکھو وغیرہ جن کو یا تو جلاون کے کام میں استعمال کرتے ہیں یا عمارت اور فرنیچر کے استعمال میں لاتے ہیں تو ایسے درختوں میں عشر واجب ہوگا ـــــــ ۔ اس لیے کہ ان درختوں سے معتد بہ فائدہ مقصود ہے اور زمین کو ان سے مشغول رکھا گیا ہے :

لأنه يقصد بها استغلال الأرض ففيها العشر .

درمختار کی عبارت "حتى لو شغل أرضه بها يجب العشر" کے ذیل میں علامہ شامیؒ نے فرمایا :

"فلو استنمى أرضه بقوائم الخلاف وما أشبهه أو بالقصب أو الحشيش وكان يقطع ذلك ويبيعه كان فيه العشر والخلاف كالكتاب وتشديده عن صنف من الصفصاف" (۱)

اور اگر ان بطالن درختوں کو لگا کر ان سے تجارت مقصود ہو تو ان پر زکوٰۃ التجارت واجب ہوگا ۔

(۶) اسی طرح وہ سبزیاں جن کی پیداوار میں تسلسل رہتا ہے اور ان سے مقصود نقد فائدہ حاصل کرنا ہے

---

(۱) رد المحتار ۲/۹۶

خمسة احمال ـــــ اس لیے کہ روئی کے اوزان، اوقیہ، رطل، من، وقر، حمل میں حمل سب سے اعلیٰ وزن ہے۔" وفی الزعفران خمسة امناء" اس لیے کہ زعفران میں رطل اور من میں اعلیٰ وزن من ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ان تمام نصوص کا اطلاق ہے جو بغیر کسی تفصیل و تعیین کے آئی ہیں۔ "ومما اخرجنا لكم من الارض" (الآیۃ) ـــ "فی ما سقت السماء ففيه العشر" (الحدیث) ـــ حضرات صاحبینؒ نے اپنی اصل کی دلیل میں جو حدیث بیان فرمائی ہے اس کا جواب صاحب ہدایہ نے اس طرح دیا ہے:

"وتأويل ما روياه زكوة التجارة لانهم كانوا يتبايعون بالاوساق وقيمة الوسق اربعون درهما" (1)

فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر ہے، علامہ شامی نے فرمایا: هذا قول الامام وهو الصحيح۔
حاصل کلام یہ کہ مفتی بہ مذہب کے مطابق پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہوگا۔ وجوب کے لیے کوئی مقدار متعین نہیں۔

(۲) صاحبینؒ کے نزدیک عشر کے وجوب کے لیے نصاب کی طرح بقاء کی بھی شرط ہے یعنی سال کے اکثر حصہ تک بغیر کسی خارجی تدبیر کے اپنی اصلی حالت پر رہ سکے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ عشر حق الارض ہے اس لیے بقاء کی شرط نہیں ہے ـــ پس زمین سے اگنے والی تمام سبزیات پر عشر واجب ہوگا خواہ سال کے اکثر تک باقی نہ رہ سکے بشرطیکہ ان سبزیات سے غلہ حاصل کرنا یا کوئی اور فائدہ مقصود ہو۔

"والارض قد تستنمى بما لا يبقى والسبب هي الارض النامية ولهذا يجب فيها الخراج" (2)

گھاس، بانس، لکڑی جن سے کوئی فائدہ مقصود نہیں، یا جن کو ان سے صاف کیا جاتا ہے اس لیے ان میں عشر واجب نہ ہوگا۔

(3) اما الحطب والقصب والحشيش فلا تستنبت في الجنان عادة بل تنقى عنها

---

(1) ھدایہ ۱/۱۸۱ (2) ایضاً (3) ھدایہ

ہاں اگر بانس، گھاس اور درخت وغیرہ کے لیے زمین کو خاص کر دیا جائے جس سے مقصد بہ فائدہ مقصود ہو تو ان میں عشر واجب ہوگا۔ حاصل یہ کہ ان اشیاء میں وجوب عشر کے لیے مدار قصد ہے۔

حتی لو اتخذ ھا مقصبة او مشجرة او منبتا للحشیش یجب فیه العشر"(۱)

ولیس المراد ذاته بل لکونه من جنس ما لا یقصد به استغلال الارض غالبا

وان قدار علی القصد حتی لو قصد به ذلک وجب العشر۔(۲)

پانی میں پیدا کی جانے والی چیزوں مثلاً مکھانہ، سنگھاڑا وغیرہ میں عشر واجب نہیں، اس لیے کہ عشر و خراج زمینی پیداوار میں واجب ہوتے ہیں جس کا سبب "الارض النامیة" ہے۔ وما اخرجت الارض ففیه العشر سے مراد وہ پیداوار ہیں جو زمین سے حاصل ہوتی ہوں۔ مکھانہ، سنگھاڑا کی پرورش براہ راست پانی سے ہوتی ہے، زمین سے نہیں، زمین کی حیثیت ظرف کی ہے، یہ اشیاء مما اخرجنا لکم من الارض کے حکم میں نہیں ہوں گی بلکہ ان میں زکوٰۃ الاموال یا تجارۃ کے احکام اپنے شرائط و تفاصیل کے ساتھ جاری کیے جائیں گے۔

(۲) زرعی اراضی پر تالاب کھود کر زمین کو غلوں کی کاشت سے نکال کر مچھلیوں کی کاشت کے لیے خاص کر دیا، اب ان اراضی سے اراضی کا نام ختم ہو گیا، اب حوض اور تالاب کے نام سے موسوم ہو چکا ہے، حقیقت کے بدلنے سے احکام میں تبدیلی ہو جایا کرتی ہے۔ عشر متعلق بالخارج من الارض ہے، اور مچھلی متعلق بالخارج من الارض نہیں بلکہ من الماء ہے ـــــ پس مچھلی بھی مما اخرجنا لکم من الارض کے حکم میں نہ ہوگی۔ علامہ شامیؒ "ولا شیء فی عین قیر" کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"لانه لیس من انزال الارض انما ھی عین فوارة کعین الماء فلا عشر فیھا"

یہ علت فیما نحن فیہ کی بھی بن سکتی ہے۔ مقصد ان مچھلیوں کی کاشت سے دراصل تجارت ہے اس لیے ان مچھلیوں میں زکوٰۃ التجارۃ واجب ہوگی نہ کہ عشر۔

(۳) شہتوت کے درخت جن کو ریشم کے کیڑوں کی حفاظت اور پرورش کے لیے لگائے جاتے

---

(۱) ھدایہ (۲) رد المحتار ۲/۹۹

بلکہ غلہ حاصل کرکے ان سے تجارت مقصود ہے تو ان میں بھی زکوٰۃ التجارۃ واجب ہوگا اگر ان سبزیوں کی قیمت زکوٰۃ المال کے نصاب تک پہونچ جائے اور اس پر حول پر گذر جائے ــــــ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "لیس فیما دون خمسة اوسق" کی تاویل میں صاحب ہدایہ کا قول "ما رویاہ زکوٰۃ التجارۃ لانھم کانوا یتبایعون بالأوساق وقیمة الوسق اربعون درھما" فیما نحن فیہ کی تائید ہے ــــــ وہ سبزیاں جن سے مقصود تجارت نہیں بلکہ استعمال میں لانا مقصود ہوتا ہے ان میں عشر واجب ہوگا۔

(ہ) وقف نام ہے "حبس العین علی حکم ملک الواقف والتصدق بالمنفعة" کا۔ وقف سے اراضی موقوفہ پر واقف کی ملکیت باقی رہتی ہے، فقط منفعت کا تصدق ہوتا ہے اور وجوب عشر متعلق بالخارج (پیداوار) ہے۔ پس اراضی موقوفہ پر واقف کی ملکیت گو باقی رہتی ہے مگر منفعت اور پیداوار کے مالک چونکہ اہل وقف ہیں، اس لیے اہل وقف کو زمین سے جو پیداوار حاصل ہوگی اس پر عشر واجب ہوگا۔

"ولھذا کان للإمام أخذہ جبرا إلی أن قال ویجب فی أرض وقف ... أفاد ان ملک الأرض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملک الخارج لأنہ یجب فی الخارج لا فی الأرض فکان ملکہ لھا وعدمہ سواء (بدائع)" (۱)

یہ حکم اس صورت میں ہوگا جب کہ زراعت اہل وقف نے خود کی ہو اور اگر اہل وقف کے علاوہ کسی اور نے اجرت پر زراعت کی تو اس صورت میں امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک موجر (اجرت پر دینے والے) پر عشر واجب ہوگا۔ اور حضرات صاحبین رح کے نزدیک مستاجر (اجرت پر لینے والے) پر عشر واجب ہوگا۔ "قلت ھذا ظاھر فیما اذا زرعھا أھل الوقف اما اذا زرعھا غیرھم بالأجرة فیجری فیہ الخلاف" (۲) ــــــ قال فی فتح القدیر لھما ان العشر منوط بالخارج وھو للمستأجر ولہ انھا کما تستنمی بالاجارة فکانت الأجرة مقصودة کالثمرة فکان النماء لہ معنی مع ملکہ فکان أولی بالایجاب علیہ" (۳)

---

(۱) رد المحتار ۲/۷۲ (۲) رد المحتار ۲/۷۲ (۳) ایضاً ۲/۷۲

دارالاسلام میں زمین کی فقہی تقسیم

از: ——— مولانا نعمت اللہ صاحب، استاذ دارالعلوم دیوبند۔

۱ — **اراضی مملوکہ:** وہ زمین جو کسی کی ملکیت میں شرعی اسباب ملکیت کے تحت داخل ہو۔

۲ — **اراضی موقوفہ:** وہ زمین جس کو اس کے مالکین نے وقف کر دیا ہو جس کی وجہ سے کسی کا اس کا مالک بننا یا وہ زمین کو نام رکھنا ممنوع ہو گیا ہو۔

۳ — **اراضی متروکہ:** آبادی کے قریب کی وہ زمین جو آبادی کے لوگوں کی ضرورت کے لیے ہو۔

۴ — **سرکاری زمین:** وہ زمین جو غانمین میں تقسیم کرنے کے بعد باقی رہی ہو اور امام نے اس کو بیت المال کے لیے خاص کر دیا ہو، یا بلا تقسیم وہ زمین بیت المال کے لیے خاص کر دی گئی ہو۔ اسی طرح وہ زمین جو مالک کے مرنے کے بعد ورثاء کے نہ ہونے کی صورت میں بیت المال کی طرف لوٹ آئی ہو۔ شامی میں ہے:

"هو ما مات أربابه بلا وارث وآل لبيت المال، أو فتح عنوة وأبقي للمسلمين إلى يوم القيامة" (۱)

۵ — **بنجر زمین (موات):** وہ زمین جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور آبادی سے دور ہو کر وہاں تک انسان

---

(۱) شامی ۳/۲۵۵

کی بلند آواز نہ پہونچ سکتی ہو اس زمین پر سرکاری حق ہے، حکومت کی اجازت سے جو کوئی اس کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک ہوگا۔ شامی میں ہے:

"ارض لا ینتفع بہ من الاراضی ولیست مملوکۃ لمسلم ولا ذمی وھی بعیدۃ من القریۃ اذا صاح من باقصی العامر وھو جھوری الصوت لا یسمع صوتہ"[1]

۶۔ ضبط کی ہوئی زمین (ارض الحوز)

وہ زمین جس کی کاشت سے اور خراج کی ادائے گی سے اس کے مالکین عاجز ہوں اور عاجز ہو کر وہ حکومت کے حوالہ کر دیں تاکہ حکومت اپنا خراج وصول کرنے کا انتظام خود کرے۔ اس طرح یہ زمین مالکین کی ملکیت پر باقی رہتی ہے۔ حکومت کاشت کرا کے اپنا خراج وصول کر کے بقیہ آمدنی مالک کے حوالہ کرتی ہے۔ حکومت کے لیے ایسی زمین کو اس حالت میں فروخت کرنا یا وقف کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے۔

"ارض الحوز ھی المملوکۃ التی عجز اصحابھا عن زراعتھا واداء ضریبتھا۔۔۔۔۔۔ قال الامام الولوالجی فی فتاواہ ولو عجز رجل عن زراعۃ الارض وھی خراجیۃ دفعھا الامام الی من یقدر علی الزراعۃ ویاخذ منہ الخراج ویدفع الفضل الی رب الارض بعد حصۃ الزراع"[2]

ارضِ عشری

(الف) اراضی مملوکہ:

یعنی (۱) جس جگہ کے لوگ مسلمان ہو گئے ہوں ان کی زمین عشری ہوں گی۔

(۲) وہ زمین جس کو امام نے بذریعہ جنگ قبضہ کر کے بعد الخمس مجاہدین میں تقسیم کر دیا ہو وہ بھی عشری ہو گی۔

"کل ارض اسلم اھلھا او فتحت عنوۃ وقسمت بین الغانمین فھی ارض عشر لان الحاجۃ الی ابتداء التوظیف علی المسلم والعشر الیق بہ لما فیہ من معنی العبادۃ"[3]

---

(۱) شامی ۲۸۷/۵ (۲) التحفۃ المرضیۃ لابن نجیم، ص ۲۰ (۳) ھدایہ اولین ۵۹۲/۱

۳۰۔ وہ سرکاری زمین جس کو سرکار نے فروخت کر دیں ہو اور کسی مسلمان نے خرید لیا ہو تو ایسی زمین پر عشر ہوگا۔

"ان الخراج قد ارتفع عن اراضي مصر لعودها الى بيت المال بموت ملاكها فاذا اشتراها انسان من الامام بشرطه صحيح ملكها ولا خراج عليها فلا يجب عليه الخراج" (۱)

"ولان السلطان لا يجوز وضع الخراج عليه ابتداء وان جاز ابقاء ولان السبب فقط … هو كذا قال ابن نجيم" (۲)

البتہ ابن نجیم نے اس زمین کے متعلق کہا ہے کہ اس پر عشر بھی نہ ہوگا جس کی وجہ سے وہ زمین نہ عشری ہوگی نہ خراجی۔

"وقال ايضا انه لا يجب فيها العشر ايضا قال لانى لم ار نقلا في ذلك"

مگر علامہ شامی نے اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قلت فيه نظر لانك علمت ان الشرط ملك الخارج لانه يجب فيه لا في الارض حتى يجب في الخارج من ارض الصغير والمجنون والمكاتب والوقف ولان سببه الارض النامية بالخارج تحقيقا ولا يلزم من سقوط الخراج المتعلق بالارض سقوط العشر المتعلق بالخارج والشيء المأخوذ لبيت المال هو بدل الارض لا بدل الخارج على انه قد ينازع في سقوط الخراج حيث كانت من ارض الخراج وسقيت بمائه بدليل ان الغازي الذي اقطعه الامام ارضا لا شيء عليه فيها فاذا جعلناها ساقطا وسقاها بماء الخراج فعليه الخراج او بماء العشر فعليه العشر" (۳)

اس کے علاوہ باب العشر والخراج جلد ثالث صفحہ ۲۵۵ میں مفصل طور پر مزید اس کی تردید کی ہے۔

اس لیے اس کو بھی عشری زمین کہا جائے گا اور اس پر عشر واجب ہوگا یا جس پانی سے سیراب کرتا ہے اس کا اعتبار کرتے ہوئے عشری یا خراجی کہا جائے گا یا اس کے پاس کی زمین کو دیکھ کر حکم لگایا جائے گا کر

---

(۱) شامی ج۲ ص۵۵ (۲) شامی ج۲ ص۵ (۳) ایضاً ج۲ ص۵

عشری ہے یا خراجی، مگر راجح یہ ہے کہ اس کو عشری کہا جائے گا۔

(۴) وہ سرکاری زمین جسے سرکار نے کسی مسلمان کو بالکلیہ دے دیا ہو امام ابو یوسف کتاب الخراج میں تحریر فرماتے ہیں:

"والارض عندی بمنزلة المال فللامام ان یجیز من بیت المال من له عناء فی الاسلام ومن یقوی به علی العدو ویعمل فی ذلك بالذی یری انه خیر للمسلمین واصلح لامرهم وکذلك الارضون یقطع الامام منها من احب من الاصناف قال الشامی فهذا یدل علی ان للامام ان یعطی الارض من بیت المال علی وجه التملیك لرقبتها کما یعطی المال حیث رای المصلحة اذ لا فرق بین المال والارض فی الدفع للمستحق" (۱)

اسی طرح امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج سے عبارت نقل کرنے کے بعد کہا:

"قلت هذا صریح فی ان القطائع قد تکون من الموات وقد تکون من بیت المال لمن هو من مصارفه وانه تملیك رقبة الارض ولذا قال یوخذ منها العشر لانه بمنزلة الصدقة"

ان عبارتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ سرکاری زمین جس کو امام نے ملکیت کے طور پر دیا ہو وہ عشری ہے۔

(ب) ارض اموات کو عشری یا خراجی قرار دینے کے لیے امام محمدؒ کے یہاں چونکہ پانی کا اعتبار ہوگا اس لیے اگر عشری پانی کو استعمال کر دیا ہے تو عشری اور خراجی پانی کو استعمال کر دیا ہے تو وہ خراجی کہلائے گی۔

امام ابو یوسفؒ کے یہاں اس کے آس پاس کی زمین دیکھ کر فیصلہ ہوگا۔ اگر قریب کی زمین عشری ہے تو یہ بھی عشری ہوگی۔

"لو احیا مسلم اعتبر قربه الی قرب ما احیاه ان کان الی الارض الخراج اقرب

---

(۱) شامی ۲/۲۶۵

كانت خراجية وإن كانت إلى العشر أقرب فعشرية هذا عند أبي يوسف وأبي حنيفة وعند محمد الماء . (۱)

(ج) اراضی موقوفہ

موقوفہ زمین اگر وقف سے پہلے عشری تھی تو وہ وقف کے بعد بھی عشری باقی رہے گی۔

" والحاصل أن الأرض تبقى وظيفتها بعد الوقف كما كانت قبله " (۲)

ارض خراجی

(۱) مملوکہ زمین: جس زمین کو مسلمانوں نے فتح کرکے وہاں کے باشندوں کے قبضہ میں رہنے دیا ہو یا دوسری جگہ سے غیر مسلم لاکر آباد کرکے زمین ان کے حوالہ کردیا یا وہ زمین جو بطور صلح کے ہو۔

" ما فتح عنوة ولم يقسم بين جيش سولة أقر أهله عليه أو نقل إليه كفار آخر أو فتح صلحا خراجية لأنه أليق بالكافر " (۳)

مذکورہ زمین خراجی ہے خواہ اس کو کسی بھی پانی سے سینچا جاتا ہو۔

هي ولم يقيد كونها خراجية بأن تسقى بماء الخراج لأنه لا فرق بينه وبين ما إذا سقيت بماء العشر كما إذا قسمت بين المسلمين فإنها عشرية ولو سقيت بماء الخراج " (۴)

اور مکہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

ومكة مخصوصة من هذا فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم فتحها عنوة وتركها لأهلها ولم يوظف الخراج " (۵)

(۲) ارض اموات: مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اگر اس کی سیرابی خراجی پانی سے ہو یا خراجی زمین کے قریب ہو تو علی اختلاف الاقوال خراجی ہوگی۔

---

(۱) شامی جلد ۲ ص ۲۵۹ ۔ ھدایہ اولین ص ۵۱۱ (۲) شامی جلد ۳ ص ۲۷ (۳) ایضاً (۴) ایضاً (۵) ھدایہ اولین ص ۵۶۰

نوٹ: بصرہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ کما مرّ۔

(۳) اراضیٔ موقوفہ: وقف سے پہلے جیسی زمین تھی وقف کے بعد وہی وظیفہ باقی رہے گا۔ اگر عشری تو عشر اور خراجی تو خراج۔

والحاصل ان الارض تبقی وظیفتہا بعد الوقف کما کانت قبلہ۔" (۱)

غیر عشری و غیر خراجی زمین

(۱) اراضیٔ مملکت: جو زمین حکومت نے مزارعت کے طور پر یا اجارہ کے طور پر کسی کو کاشت کے لیے دیا ہے ایسی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔ اس لیے کہ امام صاحب نے عشر و خراج کے وجوب کے لیے زمین کا مالک ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

حکومت نے بٹائی کی صورت میں جو حصہ دیا ہے یا اجارہ کی صورت میں جو کرایہ لیا ہے وہ خراج ہی کی ایک صورت ہے۔ صاحبین کے یہاں پیداوار پر عشر ہوتا ہے اس لیے اس کو عشر نکالنا واجب ہے اگرچہ شامی نے حکومت کے حصہ کو کالخراج کہہ کر اسی کو ترجیح دیا ہے کہ مستاجر اور مزارع پر علیحدہ سے کچھ نکالنا واجب نہیں۔

"فی التتارخانیۃ السلطان اذا دفع اراضی لا مالک لہا وھی التی تسمی الاراضی المملکۃ الی قوم لیعطوا الخراج جاز وطریق الجواز احد شیئین اما اقامتہم مقام الملاک فی الزراعۃ واعطاء الخراج او الاجارۃ بقدر الخراج ویکون الماخوذ منہم خراجاً فی حق الامام اجرۃ فی حقہم۔اھ

ومن ھذا القبیل الاراضی المصریۃ والشامیۃ کما قدمناہ ویوخذ من ھذا انہ لا عشر علی المزارعین فی بلادنا اذا کانت اراضیہم غیر مملوکۃ لہم لان ما یاخذہ منہم نائب السلطان وھو المسمی بالزعیم او التیماری ان کان عشراً فلا شیء علیہم غیرہ وان کان خراجاً فکذلک لانہ لا یجتمع

---

(۱) شامی ۲۵۵/۲

مع العشر وان کان اجرۃ فکذلک علی قول الامام مع انہ لاعشر علی المستاجر واما علی قولھما فالظاھر انہ کذلک لما علمت من ان الماخوذ لیس اجرۃ من کل وجہ لانہ خراج فی حق الامام۔ فتامل“ (۱)

ممکن ہے علامہ شامی کے دور میں کاشت کاروں سے طرح طرح کے ٹیکس لیے جاتے ہوں اس لیے علامہ شامی نے اس کو کالخراج کہہ کر اس کے عشر کی نفی کی ہو۔

(۲) اراضی متروکہ : یہ زمین بھی نہ عشری ہے اور نہ خراجی اور یہ بالکل ظاہر ہے۔

دار الحرب کی زمین

(۱) دار الحرب میں جب کوئی حربی مسلمان ہو جاتا ہے پھر مسلمان اس کو فتح کرتے ہیں تو ایسی صورت میں خود وہ مسلمان ہونے والا شخص اور اس کی نابالغ اولاد اور اموال منقول جو اس کے قبضہ میں ہوں وہ سب اس کی ملکیت پر باقی رہتے ہوئے محفوظ ہوں گے اور مال غنیمت میں شمار نہ ہوں گے مگر اس کی زمین مال غنیمت میں شمار ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان اس زمین کا مالک نہیں ہے ہدایہ میں ہے:

”ومن اسلم منھم معناہ فی دار الحرب احرز باسلامہ نفسہ لان الاسلام ینافی ابتداء الاسترقاق واولادہ الصغار لانھم مسلمون باسلامہ تبعاً وکل مال ھو فی یدہ لقولہ علیہ السلام من اسلم علی مال ولانہ سبقت یدہ الحقیقۃ الیہ ید الظاھرین علیہ او ودیعۃ فی ید مسلم او ذمی لانہ فی ید صحیحہ محترمۃ وید کیدہ فان ظھرنا علی دار الحرب فعقارہ فئ“ (۲)

ائمہ ثلاثہ اور ابو یوسفؒ کے یہاں زمین مسلمانوں کی ملکیت میں باقی رہے گی اور مال غنیمت میں شمار نہ ہوگی۔

(۲) عشر صاحبینؒ کے یہاں پیداوار میں ہے، امام صاحبؒ کے یہاں مالک ارض پر مزارعت کی صورت میں

---

(۱) شامی ۲/۵۵ (۲) ھدایہ ۱/۵۶۷

یا اجارہ کی۔

"ان العشر علی رب الارض عندہ وعلیھا عندھما من غیر ذکر ھذا التفصیل ھو الظاھر کما فی البدائع من ان المزارعۃ جائزۃ عندھما والعشر یجب فی الخارج والخارج بینھما فیجب العشر علیھما" (۱)

جس طرح "العشر علی المؤجر وقالا علی المستاجر وفی الحاوی وبقولھما ناخذ"

اسی لیے امام صاحبؒ کے یہاں دار الحرب کی زمین جو مسلمان کی ملکیت میں ہے اس پر عشر نہیں ہوگا، و خراج بھی نہیں، اس لیے کہ یہ خالص اسلامی حکومت کا عمل ہے اور امام ابو یوسف رہ کے یہاں چوں کہ یہ شخص زمین کا مالک ہے اس لیے اس پر عشر واجب ہوگا۔

"قال ابو یوسفؒ فی کتاب الخراج سألت یا امیر المؤمنین عن قوم من اھل الحرب اسلموا علی انفسھم وارضیھم ما الحکم فی ذلک فان دماءھم حرام وما اسلموا علیہ من اموالھم فلھم وکذلک ارضھم ارض عشر ...... وکذلک کل بلاد اسلم اھلہ علیہ فھی لھم وما فیھا" (۲)

ہندوستان کی زمین

موجودہ دور کے ہندوستان میں مسلمانوں کی کاشت والی زمین میں اس کے پیداوار پر عشر واجب ہوگا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس وقت حکومت نے زمین پر حق ملکیت کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔ البتہ حکومت نے قابض کو ———— مالک کی طرح ہر طرح کے تصرفات کی اجازت بھی دے رکھی ہے اور اس کے بدلہ میں لگان وصول کرتی ہے، اس لیے یہ معاملہ مثل اجارہ کے ہے اور اجارہ میں امام ابو حنیفہ رہ کے یہاں مستاجر پر عشر نہیں ہوتا ہے اور صاحبین رہ کے یہاں پیداوار پر عشر ہے۔ اس لیے مستاجر پر عشر ہوگا۔ شامی میں ہے:

"العشر علی المؤجر کخراج موظف وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولھما ناخذ" (۳)

---

(۱) شامی ۲/۵۵ (۲) کتاب الخراج ص ۵۰-۵۱ (۳) شامی ۲/۵۵

اراضی مملوکہ کا حکم شامی نے جو بیان کیا ہے کہ نہ وہ عشری ہے نہ خراجی اور اگر اس کو امام، لوگوں کو کاشت کے لیے دے دے تو کاشت کاروں کو مالک کے درجہ میں فرض کیا جائے گا، حکومت جو کچھ وصول کرے گی اس کو خراج کا عنوان دیا جائے گا۔

یا یہ کہ اس میں اجارہ کی تاویل کی جائے مگر اس کو خالص اجارہ نہ کہا جائے گا بلکہ حکومت کے حق وہ خراج ہی ہوگا۔

"ان ما یاخذہ منھم نائب السلطان وھو المسمی بالزعیم او التیماری ان کان عشرا فلا شئ علیھم غیرہ وان کان خراجا فکذلک لانہ لا یجتمع مع العشر وان کان الاجرۃ فکذلک علی قول الامام من انہ لا عشر علی المستاجر واما علی قولھما فالظاھر انہ کذلک لما علمت من المأخوذ لیس اجرۃ من کل وجہ لانہ خراج فی حق الامام تامل" (۱)

شامی کا یہ بیان دارالاسلام کے لیے ہے دارالحرب میں حکومت غیر مسلم کی طرف سے وصول کردہ لگان کو نہ عشر کہا جا سکتا ہے نہ خراج، ادھر عشر کا وجوب قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے اور عشر پیداوار پر ہوتا ہے۔

"قد صرحوا بان فریضۃ العشر ثابتۃ بالکتاب والسنۃ والاجماع والمعقول وبانہ زکوۃ الثمار والزرع وبانہ یجب فی الارض الغیر الخراجیۃ وبانہ یجب فیما لیس بعشری ولا خراجی کالمفاوز والجبال وبان سبب وجوبہ الارض النامیۃ بالخارج حقیقۃ وبانہ یجب فی ارض الصبی والمجنون والمکاتب لانہ مؤنۃ الارض وبان الملک غیر شرط فیہ بل الشرط ملک الخارج فیجب فی الارض الموقوفۃ لعموم قولہ تعالیٰ انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض۔ الی آخرہ" (۲)

اس عبارت سے جو باتیں ثابت ہوتی ہیں اس کا تقاضہ یہی ہے کہ عشر کو واجب قرار دیا جائے گا۔

---

(۱) شامی ج۲ ص۵۵ (۲) شامی ج۲ ص۴۵

البتہ حکومت کو لگان کی ادائیگی اگر غلہ کی شکل میں ہو تو اس غلہ کی مقدار کا استثناء کرنے کے بعد عشر کا حکم جاری ہوگا، اگر روپیہ ادا کیا ہے تو بقدر اس روپیہ کے غلہ کی مقدار کا استثناء ہوگا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے دیگر اموال زکوٰۃ میں اس کی کوئی مقدار تلف ہو جائے تو بقدر تلف شدہ کے اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

مولانا ظفر احمد تھانوی اعلاء السنن میں ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی بنیاد پر عشر کے وجوب کے قائل ہیں، اسی طرح مولانا یوسف بنوری بھی اسی بنیاد پر عشر کے وجوب کے قائل ہیں اور بقدر لگان کے استثناء کی بات مفتی کفایت اللہ صاحب نے ذکر فرمائی ہے اور دلیل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ موجودہ ہندوستان میں مسلمانوں کی زرعی پیداوار پر عشر واجب کیا جائے اور بقدر لگان کے مستثنیٰ کیا جائے۔

واللہ اعلم بالصواب

زراعتی اخراجات کو عشر و نصف عشر سے وضع کرنا

پانی کے اخراجات اور اس کی مشقت کی بنیاد پر شریعت نے عشر و نصف عشر کی تفریق کی ہے، اگر زمین کی سیرابی آسمانی یا چشموں وغیرہ کے پانی سے ہے تو عشر کا ورنہ نصف عشر کا حکم لگایا گیا ہے۔

"عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء و العیون او کان عثریا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر" (۱)

اس لیے پانی کے سلسلہ کے اخراجات کو ادائیگی عشر و نصف عشر میں وضع نہیں کیا جاسکتا ہے ورنہ یہ تفریق بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔

پانی کے اخراجات کے علاوہ دوسرے زراعتی اخراجات کو عشر و نصف عشر کی ادائیگی میں وضع کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں کوئی نص موجود نہیں ہے بلکہ یہ قیاسی مسئلہ ہے۔ علمائے احناف کے یہاں بظاہر دوسرے اخراجات مثل کھاد اور دوا اور نگرانی کے کسی کو بھی وضع اور منہا نہیں کیا جائے گا اور پوری پیداوار سے عشر و نصف عشر لگایا جائے گا۔ احناف جس طرح زراعتی اخراجات کو عشر و نصف عشر

---

(۱) رواہ البخاری۔ مشکوٰۃ کتاب الزکاۃ۔

اس سے معلوم ہوا کہ مالک کے یہاں بھی زرعی اخراجات محسوب ہوں گے، اور سہل بن ابی حثمہ کی حدیث کو اسی پر محمول کیا ہے۔

ان سب باتوں کی وجہ سے قرین انصاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ زرعی اخراجات وضع کرکے بقیہ کا عشر ونصف عشر ادا کرے اس لیے کہ اگر کاشت کار روپیہ پیسہ اور دیگر اموال تجارت میں مالک نصاب ہے تو زرعی اخراجات اگر پیداوار میں محسوب نہ ہوں گے تو اموال نامیہ کی زکوٰۃ میں محسوب ہوں گے یعنی اخراجات کی یہ مقدار اصل اموال نامیہ سے کم ہو جائے گی، اگر یہ مقدار اخراجات کی پیداوار میں محسوب ہوگی تو اموال نامیہ کے راس المال کی مقدار بڑھ جائے گی اور اس کے ساتھ اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ اس اختلاف کا نتیجہ تو ایسے کاشت کار پر ظاہر ہوگا جس کے پاس مال زکوٰۃ صرف پیداوار ہے تو ایسی صورت میں وہ مقروض رہتے ہوئے اپنے پورے مال کی زکوٰۃ ادا کرے تو ایک طرح کی اس کے ساتھ زیادتی ہوگی۔

واللہ اعلم بالصواب

عشر اور خراج کی حقیقت

(جزو اول)

تحریر: مولانا محفوظ الرحمن، مفتاح العلوم، مئو

کتب فقہ میں زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے کی جو صورتیں مذکور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عشری و خراجی وہ زمینیں ہوتی ہیں جن پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا ہو، جن کی تفصیل کتب فقہ میں اس طرح مذکور ہے:

"أرض العرب كلها أرض عشر .... وكل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوة وقسمت بين الغانمين فهي أرض عشر، وكل أرض فتحت عنوة فأقر أهلها عليها فهي أرض خراج. وفي الجامع الصغير كل أرض فتحت عنوة فوصل إليها ماء الأنهار فهي أرض خراج وما لم يصل إليها ماء الأنهار واستخرج منها عين فهي أرض عشر، ومن أحيا أرضا مواتا فهي معتبرة بحيزها فإن كانت من حيز أرض الخراج فهي خراجية وإن كانت من حيز أرض العشر فهي عشرية، وقال محمد إن أحياها ببئر حفرها أو بعين استخرجها أو ماء دجلة والفرات والأنهار العظام التي لا يملكها أحد فهي عشرية وكذا إن أحياها بماء السماء وإن أحياها بماء الأنهار التي احتفرها الأعاجم مثل نهر الملك ونهر يزدجرد فهي خراجية" (۱)

(۱) ہدایہ ۲/۵۹، باب العشر والخراج

عشری زمین

جس زمین کے باشندے خود بخود مسلمان ہو گئے ہوں جیسے مدینہ کی سرزمین، یا وہ زمین جس کے باشندوں پر اسلام لانے کے سوا کوئی رعایت نہ ہو جیسے عرب کی سرزمین۔ یا وہ ملک جس کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو اور اس کی زمین مجاہدین میں تقسیم کردی گئی ہو یا وہ زمین جو دار الاسلام ہونے کے بعد کسی کی ملک میں رہی اور نہ ہی قابل زراعت تھی امیر المؤمنین کی اجازت سے کسی مسلمان نے قابل کاشت بنایا بقول امام محمدؒ عشری پانی سے اور بقول امام ابو یوسفؒ وہ زمین عشری زمین سے متصل ہے تو وہ عشری ہوگی۔

خراجی زمین

جو ملک از روئے صلح فتح ہوا ہو اور اس کی زمینوں کے تمام معاملات صلح کے ذریعے ہوئے ہوں کہ وہاں کے باشندے اپنے مذہب پر باقی رہتے ہوئے اپنی زمینوں پر مالک رہیں گے یا وہ ملک جو بزور طاقت فتح ہوا ہو مگر وہ زمین مجاہدین میں تقسیم نہیں کی گئی بلکہ بدستور حسب سابق اہل ملک کی ملکیت پر برقرار رکھی گئی ہو یا بنجر اور غیر مملوک زمین امیر المؤمنین کی اجازت سے خراجی پانی سے قابل زراعت بنائی گئی یا خراجی زمین کے قریب تھی تو خراجی زمین کہلاتی ہے۔

بنیادی فرق

عشری اور خراجی زمین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ دار الاسلام ہونے کے بعد زمین پر کفار کا قبضہ حسب دستور سابق باقی رہے تو وہ زمین خراجی ہوتی ہے اور اگر ملک کفار کی نذر نہ ہو اور خراجی پانی سے سیراب نہ کی جائے تو وہ عشری ہے۔

تعامل سنت و تعامل فقہاء و صحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمین پر اسلامی حکومت قائم ہو چکی اور اس وقت میں زمین کی جو تقسیم کردی گئی وہی اس کے عشری اور خراجی ہونے کا دارومدار ہے۔

محور چہارم:

آراضی ہند کی شرعی حیثیت

۲۰۰ آراضی ہند کے عشری یا خراجی ہونے کے بارے میں کتب فتاویٰ سے صحیح معلومات نہیں ہوتی اور نہ اس سلسلہ میں کوئی ایسا جامع رسالہ ہی دستیاب ہوسکا جس سے کوئی صحیح فیصلہ کیا جاسکے بلکہ کتب فتاویٰ وغیرہ میں صرف ذاتی چند رسالوں کا تذکرہ ملتا ہے جن کا ذکر کرنے والوں نے بھی دائرہ محدود ہی ذکر کیا ہے۔ ان رسالوں میں کسی کسی خطے کا تذکرہ ملتا ہے۔ پورے ہندوستان کی زمین کے بارے میں کوئی جامع رسالہ نہیں ہے۔ اور اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد سے ۱۹۴۷ء تک بعض احکامات میں متفقہ طور پر علماء محققین نے دارالحرب قرار دیا ہے اس کے باوجود اس درمیانی زمانے میں ہندوستان کی سرزمین کے عشری یا خراجی ہونے میں اختلاف رہا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
چنانچہ حضرت تھانویؒ اور گنگوہیؒ کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو زمین سلطنت اسلامیہ کے زمانہ سے مسلمانوں کی ملک میں چلی آرہی ہو وہ عشری ہے۔ اور محمد علی تھانوی کے رسالے میں ہے کہ ہندوستان کی زمین پر عشر و خراج واجب نہیں۔ [۱]
انور شاہ کشمیریؒ نے آراضی ہند کے بارے میں فرمایا کہ وہ عشری نہیں اس لیے کہ یہ دارالحرب ہے معارف السنن میں ہے[۲]:

"فائدة: قال الشيخ: أعلم أن أراضي بلاد الهند ليست بعشرية لأنها اصبحت من دار الحرب، هكذا تحقق عندي من كتب الفقه:"

۱۹۴۷ء کے بعد قانون تنسیخ زمینداری جو حکومت کی طرف سے جاری ہوا اس میں یہ واضح کیا گیا تھا کہ زمین دار مالک نہیں ہوگا بلکہ حکومت ہوگی، حکومت اس کا معاوضہ دے گی لیکن اب تک اس کا جو رویہ ہے اس میں اور اس قانون کے بننے سے پہلے کے رویہ میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے جو احکامات ۱۹۴۷ء سے پہلے کے رہے وہی احکامات آج بھی برقرار رہیں گے۔ اور رفقاء دوں کی تحقیق سے

---

(۱) فتاوی محمودیہ ۳۴۷ (۲) معارف السنن ج ۵، ۲۰۴

واجب ہوگا، مثلاً گھاس وغیرہ اور خودرو چیزیں اسی طرح پانی میں پیدا ہونے والی چیزیں کہ اگر ان کی کاشت کی جائے تو ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔

۳ —— موجودہ مچھلی پالن اسکیم میں پالی ہوئی مچھلیوں پر اموال زکوٰۃ کا حکم ہوگا۔

۴ —— ریشم کے کیڑوں سے ریشم کی پیداوار پر زکوٰۃ اموال کا حکم ہوگا۔

۵ —— جو درخت کہ جلانے کی لکڑی حاصل کرنے کے لیے یا عمارت اور فرنیچر وغیرہ کے لیے لگائے جاتے ہیں ان میں عشر واجب ہوگا۔

۶ —— سبزیاں جس قسم کی بھی ہوں ان میں عشر واجب ہوگا۔ بدائع الصنائع میں ہے:

"بل يجب سواء كان خضر له ثمرة باقية أو ليس بثمرة باقية وهي الخضراوات كالبقول والرطاب والخيار والقثاء والبصل والثوم ونحوها في قول أبي حنيفة"[1]

۷ —— اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔

"وكذا ملك الأرض ليس بشرط لوجوب العشر إنما الشرط ملك الخارج فيجب في الأراضي التي لا مالك لها وهي الأراضي الموقوفة"

اراضی موقوفہ علی الاولاد میں بھی عشر واجب ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۵۹

اجازت سے قابل زراعت بنا لیا گیا یا آبادی میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا مزروعہ زمین بنا لیا گیا تو اگر وہ ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی اور مسلمانوں نے اس زمین کو قابل کاشت بنایا ہے تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرب و جوار کی زمینوں پر ہوگا وہ عشری ہے تو اس کو بھی عشری قرار دیا جائے گا اور اگر قرب و جوار کی زمینیں خراجی ہیں تو اس کو بھی خراجی سمجھا جائے گا اگر قرب و جوار میں دونوں قسم کی اراضی ہیں تو یہ اراضی عشری ہوں گی۔

امام محمدؒ کے نزدیک مدار اس پانی پر ہوگا جس پانی سے ان زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے وہ پانی عشری ہے تو زمینیں عشری کہلائیں گی اور وہ پانی خراجی ہے تو زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں گی۔ علامہ شامی نے قول ابو یوسفؒ کو معتمد قرار دیا ہے۔ (۱)

عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ عشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور اسی لیے اس کو زکوٰۃ الارض کہا جاتا ہے۔ اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں ہے یہ عشر مسلمانوں کی زمین کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ عشر تو زمین کی پیداوار پر ہے اگر پیداوار نہ ہو خواہ اس کا سبب مالک زمین کی غفلت ہی ہو کہ اس نے قابل کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا کاشت نہیں کی اس صورت میں بھی اس پر عشر لازم نہیں ہوگا کیوں کہ عشر پیداوار ہی کے حصہ کا نام ہے۔

بخلاف خراج کے کہ وہ قابل کاشت زمین پر لازم ہوتا ہے اگر مالک نے غفلت برتی اور قابل کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کی تو اس حالت میں بھی اس پر لازم ہوگا۔

عملی طور پر عشر اور خراج میں یہ فرق بھی ہے کہ اموال تجارت اور سونا چاندی وغیرہ اگر سال بھر کے رہیں ان میں کسی وجہ سے کوئی نفع نہ ہو بلکہ کوئی نقصان بھی ہو جائے مگر نقصان ہو کر مقدار نصاب سے کم نہ ہوں تو بھی زکوٰۃ ان اموال کی ادا کرنا فرض ہے۔

بخلاف عشر کے کہ زمین میں پیداوار ہوگی تو عشر لازم ہوگا پیداوار نہ ہوئی تو کچھ واجب نہیں۔ (۲) واللہ اعلم۔

(۱) شامی کتاب السیر باب العشر والخراج ۔ ماخوذ از جواہر الفقہ۔

(۲) یہ مسائل بدائع الصنائع اور کتاب الخراج یحییٰ ابن آدم سے لیے گئے ہیں۔ ماخوذ از جواہر الفقہ۔

اراضی ہند کی شرعی حیثیت کے بارے میں تحقیق

(تحریر چہارم)

ھو الموفق للصواب والعــذر

۱ — ۱۹۴۷ء کی آزادی اور اس کے ساتھ تقسیم ملک کے بعد جو خطہ ہندوستان کے نام سے مخصوص ہو کر ہندو اکثریت کے اقتدار میں آیا اس میں وہ زمینیں جو قدیم سے مسلمانوں کے مالکانہ قبضہ میں چلی آتی ہیں اور کسی دور تک میں کسی کافر کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے وہ تو جس طرح عہد برطانیہ میں عشری تھیں آج بھی عشری رہیں گی۔

البتہ جو اراضی مسلمان ہندوستان چھوڑ کر پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے ان کی متروکہ اراضی کو حکومت ہند نے شرنارتھیوں ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ غیر مسلم میں تقسیم کیا ہے، اگر ان سے یا کسی دوسرے ذریعہ سے وہ کسی مسلمان کی ملک میں آجائیں تو وہ زمینیں اگر پہلے عشری بھی ہوں تو اب غیر مسلم کے استیلاء سے خراجی ہو جائیں گی۔ اسی طرح اگر کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومت ہند نے کسی مسلمان ہی کو اجتماعاً دے دی تو وہ بھی بوجہ استیلاء کے عشری نہ رہے گی بلکہ خراجی ہو جائے گی۔

ہندوستان کی باقی سب زمینوں کے احکام وہی رہیں گے جو عہد برطانیہ میں یا اس سے پہلے اسلامی عہد میں تھے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جو زمینیں نسلاً بعد نسل مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آتی ہیں اور کسی دور میں ان پر کسی کافر کی ملکیت ثابت نہیں وہ بطور استصحاب حال کے ابتداء ہی سے مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی۔ ورنہ جن پر کسی وقت غیر مسلموں کا مالکانہ قبضہ تھا پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے ذریعہ سے مسلمانوں کی ملکیت میں آگئیں تو وہ خراجی قرار پائیں گی۔

۲ — جن اراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے یہی سمجھا جائے گا کہ مسلمانوں ہی سے حاصل ہوئی ہے استصحاب حال کی دلیل سے لہٰذا وہ بھی عشری ہوں گی۔

۳ — خراج چونکہ عبادت نہیں بلکہ محض ایک ٹیکس ہے اس لیے خراجی زمینوں کا خراج موجودہ حکومت کی سرکاری مالگزاری ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے گویا سرکار کو دی جانے والی مالگزاری خراج کے حکم میں ہے۔

۴ــــ ہندوستان کی جو زمینیں خراجی ہیں تو موجودہ ہندوستان میں خراج کی ادائے گی مسلمان اسی شرح اور نہج سے کرے گا جو غیر مسلم کرتا ہے یعنی مسلمان کی خراج کی ادائے گی سے وہ عبادت نہ ہوگا بلکہ وہ محض ٹیکس ہی کی حیثیت ہوگی۔

۵ــــ جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات (کھاد، دوا وغیرہ) کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کرنا محل نظر ہے کیوں کہ عشر جو نکالا جاتا ہے تو وہ پوری پیداوار میں سے نکالا جاتا ہے۔ بونے، کاٹنے اور حفاظت کرنے کے اور بیلوں اور مزدوروں وغیرہ کے جو اخراجات ہیں وہ ادائے عشر کے بعد نکالے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان غیر معمولی اخراجات کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی نہیں کی جاسکتی۔

ولا يحتسب لصاحب الأرض ما انفق على الغلة من سقي او عمارة أو أجر الحافظ أو أجر العمال أو نفقة البقر لقوله عليه السلام ما سقته السماء ففيه العشر الخ۔ (بدائع۔ ماخوذ از جواہر الفقہ)

۶ــــ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصۂ پیداوار کے مطابق لازم ہوگا۔ مثلاً دونوں نصفا نصف یا ایک تہائی اور دو تہائی ہو تو اسی اعتبار سے عشر لازم ہوگا۔

مالک اور بٹائی دار میں سے ایک مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہو تو غیر مسلم ماخوذ نہ ہوگا، البتہ مسلم اپنے حصہ سے ادا کرے گا۔[1] کیوں کہ عشر میں عبادت کا پہلو بھی ہوگا اور کافر عبادت کا اہل نہیں، البتہ دونوں (مالک اور بٹائی دار) مسلمان ہوں تو دونوں پر حصہ دار ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ / ۴۳۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا نظامِ عشر و خراج

از:- مولانا محمد صدر الحسن ندوی مدنی استاذ جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم
اورنگ آباد - مہاراشٹر

محور اول

عشر و خراج کی حقیقت

اسلام نے کن اراضی کو عشری قرار دیا ہے اور کن کو خراجی، عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق کیا ہے اور اس سلسلہ میں کتاب و سنت، تعامل عہد صحابہ و تابعین اور فقہاء امت کے اجتہادات سے ہمیں کیا روشنی ملتی ہے؟

جواب ——— عشری اور خراجی زمین کی تعریف کرتے ہوئے صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

"کل ارض اسلم اھلھا او فتحت عنوۃ وقسمت بین الغانمین فھی ارض عشر

لان الحاجۃ الی ابتداء التوظیف علی المسلم والعشر الیق بہ لما فیہ من معنی العبادۃ

وکذا ھو اخف حیث یتعلق بنفس الخارج"[1]

"وکل ارض فتحت عنوۃ فاقر اھلھا علیھا فھی ارض خراج وکذا اذا صالحھم

لان الحاجۃ الی ابتداء التوظیف علی الکافر والخراج الیق بہ ومکۃ مخصوصۃ

---

[1] ہدایہ باب العشر والخراج ص۵۶۰۔

من هذا فان رسول الله صلى الله عليه وسلم فتحها عنوة وتركها لأهلها ولم يوظف الخراج۔[1]

یعنی ہر وہ زمین جس کے مالکان نے اسلام قبول کیا ہو یا جنگ کے ذریعہ حاصل کی گئی ہو اور فاتحین میں تقسیم کردی گئی ہو تو وہ عشری زمین ہے اس لئے کہ اس میں ابتداءً مسلمان پر ٹیکس عائد کرنے کی ضرورت ہے اور عشر اس کے زیادہ مناسب ہے اس لیے کہ عشر میں عبادت کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اسی طرح وہ نسبتاً اخف ہے کیونکہ اس کا تعلق پیداوار سے ہے۔

اور ہر وہ زمین جو جنگ کے ذریعہ حاصل کی گئی ہو اور مالکان کے پاس ہی چھوڑ دی گئی ہو خراجی زمین ہے۔ اور اسی طرح وہ زمین جو صلح کے ذریعہ حاصل کی گئی ہو۔ اس لیے کہ ابتداءً کافروں پر ٹیکس لگانے کی ضرورت ہے اور خراج ان کے زیادہ مناسب ہے اور مکہ مکرمہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عنوۃً فتح کیا اور اس کو اس کے مالکان کے پاس ہی چھوڑ دیا اور اس پر خراج عائد نہیں کیا۔

ابو عبید نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ درج ذیل صورتوں میں زمین عشری ہوتی ہے

(الف) عشری زمین

۱۔۔۔۔ ہر وہ زمین جس کے مالکان نے اسلام قبول کیا ہو اور وہ اس زمین کے قطعات کے مالک ہوں جیسے مدینہ، طائف، یمن اور بحرین کی زمین۔ اسی طرح مکہ کی زمین جو اگرچہ جنگ کے نتیجہ میں فتح ہوئی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر احسان فرمایا اور ان کے جان و مال سے تعرض نہیں کیا، اس لیے ان کی زمین عشری قرار پائی۔

۲۔۔۔۔ دوسری قسم میں وہ زمینیں داخل ہیں جو عنوۃً (جنگ کے ذریعہ) حاصل کی گئی ہوں اور بعد میں امام نے اس کو وقف شدہ فئی کی حیثیت نہ دی ہو بلکہ مال غنیمت قرار دے کر ان کا خمس نکالا ہو۔ اور بقیہ حصہ فاتحین میں تقسیم کیا ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے معاملہ میں

---

[1] ھدایہ باب العشر والخراج ص۵۹۰۔

اس طریقہ کو حضرت عمرؓ نے عراق و شام کے فتح ہو جانے پر اختیار کیا اور اس مسئلہ میں سورۃ حشر کی اس آیت سے استدلال کیا۔

"ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل كي لا يكون دولة بين الأغنياء منكم وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا واتقوا الله إن الله شديد العقاب ۝ للفقراء المهاجرين الذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله أولئك هم الصادقون ۝ والذين تبوءوا الدار والإيمان من قبلهم يحبون من هاجر إليهم ولا يجدون في صدورهم حاجة مما أوتوا ويؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فأولئك هم المفلحون ۝ والذين جاءوا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا إنك رءوف الرحيم"[1]

اور جو مال بھی اللہ تعالیٰ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔ جو کچھ رسول تمہیں دے دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں روک دے اس سے رک جاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ نیز وہ مال ان غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائدادوں سے نکال باہر کیے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی حمایت پر کمربستہ رہتے ہیں یہی لوگ راستباز ہیں، اور وہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے، جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لاکر دارالہجرت میں مقیم تھے یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کرکے ان کے پاس آتے ہیں۔ اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح

---

[1] سورۃ الحشر آیت ۔ ۷تا۱۰

پڑے والے ہیں۔ اور وہ مال ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ان اگلوں کے بعد آئے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے
ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے
دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ اے ہمارے رب تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مال میں
بعد میں آنے والوں کو بھی شریک کیا ہے لہٰذا اگر میں زمین تقسیم کر دوں تو بعد میں آنے والوں کے لیے کچھ نہیں بچے گا
اور اگر میں اسے باقی رکھتا ہوں تو اس میں سے مستحقین کے حصے پورے ہو جائیں گے اور اس کی عزت محفوظ رہے گی۔

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں عراق و شام فتح ہونے کے بعد ان کی تنظیم و تقسیم کے بارے میں مشورہ ہوا
حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت بلالؓ وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ مفتوحہ زمین فوجیوں میں تقسیم کر دی جائے اور حضرت
علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ وغیرہم کی رائے یہ تھی کہ فوجیوں میں تقسیم نہ کی جائے۔ اس مسئلہ پر
روشنی ڈالتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کیا آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں سنیں جو مجھے اس معاملہ میں شک کی نظر سے دیکھتے ہیں شاید
ان کا خیال ہو کہ میں ان کی حق تلفی کرنا چاہتا ہوں۔ حالانکہ کسی فرد کی بھی حق تلفی کرنا میرے نزدیک
صریح ظلم ہے۔ معاذ اللہ خدا شاہد ہے کہ میں نے کبھی کسی معاملہ میں ان پر ظلم کیا ہو یا اب ظلم
کرنے کا ارادہ ہو لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ عراق و شام فتح ہونے کے بعد اور کون سی زمین
رہ گئی ہے جس کی آمدنی سے حکومت کا انتظام چلایا جا سکے گا۔ یہ تو حق تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ
اس نے کسریٰ کے اموال، زمین اور جفاکش کام کرنے والوں پر ہمیں غلبہ عطا فرمایا ہے۔
آپ لوگ غور کریں کہ مجاہدین کو اموال منقولہ میں سے تو حصے تقسیم کر دیئے ہیں۔ خمس
(مال غنیمت کا پانچواں حصہ) بھی مناسب محل پر صرف کر دیا گیا ہے۔ اب صرف زمین رہ گئی ہے (غیر منقولہ)
باقی رہی ہے۔ اس کے متعلق خیال ہے کہ اس کو اس کے آباد کرنے والوں کے پاس رہنے
دیا جائے اور زمین پر خراج و ٹیکس، اور مالگزاری ان کی جان و مال کی حفاظت کا معاوضہ بھی ہو
مقرر کر دیا جائے۔ تاکہ یہ سب آمدنی جماعتی مفاد کے کاموں میں خرچ کی جائے اور اس کے ذریعہ
فوجوں کی تنخواہوں اور موجودہ و بعد کے آنے والے لوگوں کا بندوبست کیا جائے۔
آپ ہی بتائیے کہ کیا یہ ممالک سرحدوں کی حفاظت کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ رہ سکیں گے

کیا جزیرہ، کوفہ، بصرہ، عراق وشام اور مصر وغیرہ کے بڑے شہروں میں ان کی حفاظت کے لیے فوجی چھاؤنیوں کی ضرورت نہ ہوگی؟ اگر زمین تقسیم کردی جائے تو فوجیوں کی تنخواہیں اور دوسرے لوگوں کے وظیفوں کی رقم کہاں سے آئے گی؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس توضیح کے بعد پوری مجلس نے آپ کی تائید ان الفاظ میں کی۔

"الرأی رأیك فنعم ما قلت ونعم ما رأیت۔ آپ کی رائے صائب ہے جو کچھ آپ نے فرمایا بجا فرمایا اور جو رائے آپ کی ہے وہ نہایت بہتر رائے ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اور فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں۔

"حضرت عمرؓ کی یہ رائے کہ آپ نے مجاہدین اور فاتحین کے درمیان زمین تقسیم کرنے سے انکار کردیا اور اس کی تائید میں قرآن کریم سے دلائل پیش کیے یہ سب محض توفیق الٰہی کا نتیجہ تھا اور کتاب اللہ پر بصیرت حاصل ہونے کی بنا پر تھا۔ جس حقیقت کو حضرت عمرؓ نے پالیا تھا۔ اس میں جماعتی لحاظ سے تمام مسلمانوں کی بھلائی تھی۔ اراضی کی آمدنی کو ایک جگہ جمع کرکے عام ضروریات پر خرچ کرنا یا اس سے کہیں زیادہ بہتر تھا کہ زمین کو چند لوگوں میں تقسیم کردیا جائے اور وہی لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ اگر ان کی آمدنی لوگوں کی تنخواہوں اور وظیفوں کے لیے وقف نہ ہوتی تو سرحدوں کی حفاظت اور فوجیوں کی کفالت کس مال سے کی جاتی اور ظاہر ہے کہ کوئی ملک اس قسم کے انتظامات کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔[1]

جامع صغیر میں عشری اور خراجی زمین کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"کل أرض فتحت عنوۃ فوصل إلیہا ماء الأنہار فہی أرض خراج وما لم یصل إلیہا ماء الأنہار واستخرج منہا عین فہی أرض عشر لأن العشر یتعلق بالأرض النامیۃ ونماؤہا بمائہا فیعتبر السقی بماء العشر أو بماء الخراج۔"[2]

ہر وہ زمین جو جنگ کے ذریعہ فتح کی گئی ہو اور وہاں دریاؤں کا پانی پہنچ سکے ہو وہ زمین خراجی کہلائے گی۔ اور جہاں دریا کا پانی نہ پہنچا ہو بلکہ وہاں نہر نکالی گئی ہو وہ زمین عشری زمین ہوگی۔ اس لیے کہ عشر کا تعلق نامی زمین

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف ص۳۷۔ [2] ھدایہ باب العشر والخراج ص۵۹۰۔

قرن اول کے فیصلے کے مطابق زمین کی قسمیں

قرن اول کے فیصلے کے مطابق زمین کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ عشری

۲۔ خراجی

۳۔ تغلبی

عشری اور خراجی زمین کی تعریف گزر چکی۔

تغلبی

تغلبی وہ عشری زمین ہے جو کسی بنی تغلب کے نصرانی کے قبضہ میں ہو۔ تغلبی اس لیے کہتے ہیں کہ بنی تغلب کے نصرانیوں کو عشری زمین کی پیداوار میں عشر کا ضعف (دوگنا) یعنی کل پیداوار کا پانچواں حصہ دینا ہوتا تھا۔ بنی تغلب عرب کا ایک قبیلہ ہے۔ **اس قبیلے** کے نصرانیوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ جس قدر مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اس کا دوگنا تم سے لیا جائے گا۔[1]

صاحب بدائع نے لکھا ہے کہ یہ دوگنا عشر بھی بحکم خراج تھا اور خراج ہی کے مصارف میں صرف ہوتا تھا۔[2]

ایسی زمین جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی کی ملک تھی اور نہ قابل زراعت۔ بعد میں اس کو اسلامی اجازت سے قابل زراعت بنایا گیا یا آبادی میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا مزروعہ زمین بنایا گیا تو اگر ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں خراجی ہوں گی۔ اور اگر مسلمانوں نے اس زمین کو قابل کاشت بنایا ہے تو اس زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا دارومدار امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرب و جوار کی زمینوں پر ہوگا۔ اگر وہ عشری ہیں تو اس کو بھی عشری قرار دیا جائے گا۔ اور اگر قرب و جوار کی زمینیں خراجی ہیں تو اس کو بھی خراجی سمجھا جائے گا۔ اور اگر قرب و جوار کی زمینیں دونوں قسم کی ہوں تو یہ نو آباد اراضی عشری ہوں گی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مدار اس پانی پر ہوگا جس پانی سے ان زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ وہ پانی عشری ہے تو زمین عشری کہلائے گی اور وہ پانی خراجی ہے تو زمین خراجی ہوگی۔ علامہ ابن عابدینؒ کے نزدیک امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے۔[3]

---

[1] علم الفقہ مولانا عبد الشکور لکھنوی ج ۴ / ۲۰ [2] بدائع الصنائع ۲ / ۵۷ [3] رد المحتار باب العشر والخراج

خراجی پانی

خراجی وہ پانی ہے جس پر پہلے کفار کا قبضہ ہو اور پھر اہل اسلام نے بزور اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہو۔

عشری پانی

اور جس پانی پر خراجی پانی کی تعریف صادق نہ آتی ہو وہ عشری پانی ہے جیسے بارش کا پانی اور ان کنوؤں اور چشموں کا پانی جو کسی کے قبضہ میں نہ ہو۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

ومن أحيا أرضا مواتا فهي عند أبي يوسف معتبرة بحيزها فإن كانت من حيز أرض الخراج فهي خراجية وإن كانت من حيز أرض العشر فهي عشرية۔[1]

وقال محمد إن أحياها ببئر حفرها أو بعين استخرجها أو بماء دجلة والفرات والأنهار العظام التي لا يملكها أحد فهي عشرية وكذا إن أحياها بماء السماء وإن أحياها بماء الأنهار التي احتفرها الأعاجم مثل نهر الملك الكسرى ونهر شيروان ونهر يزدجرد فهي خراجية۔[2]

اگر کسی شخص نے بنجر زمین کو قابل کاشت بنایا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرب و جوار کی زمین کے لحاظ سے اس پر حکم لگایا جائے گا۔ اگر قرب و جوار میں خراجی زمین ہے تو وہ خراجی ہوگی اور اگر عشری زمین ہے تو یہ عشری ہوگی۔

امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر اس نے بنجر زمین کو آباد کیا ایسے کنوئیں سے جس کو اس نے کھودا تھا یا چشمہ سے جس کو اس نے نکالا تھا یا دجلہ و فرات کے پانی سے یا ایسے بڑے دریاؤں سے جن پر کسی کی ملکیت نہ ہو تو یہ عشری ہوگی۔

---

[1] ھدایہ، باب العشر والخراج ص ۱۹۱۔

عشر وخراج میں بنیادی فرق

عشر وخراج کی حقیقت اور اس کی تعریف پر غور کرنے سے عشر وخراج میں درج ذیل بنیادی فرق معلوم ہوتا ہے:

۱۔ خراج قابل کاشت زمین پر عائد ہوتا ہے۔ اگر کاشت نہ کی گئی جب بھی خراج دینا ہوگا بخلاف اس کے عشر زمین کی پیداوار پر واجب ہے اور پیداوار نہ ہو تو عشر واجب نہ ہوگا۔

۲۔ خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کا سرے سے کوئی مفہوم نہیں پایا جاتا ہے بخلاف اس کے عشر میں ٹیکس کا مفہوم پائے جانے کے ساتھ ساتھ عبادت کی حقیقت بھی ہے لأن فیه معنی العبادة۔[1]

۳۔ خراج ابتداءً کافروں کے ساتھ مخصوص ہے اور عشر صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔

۴۔ خراجی زمین ہمیشہ خراجی ہی رہے گی اسی لیے اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کوئی مسلمان خریدے تو وہ خراج ادا کرے گا لیکن عشری زمین ہمیشہ عشری نہیں رہے گی۔ اگر کوئی غیر مسلم خریدے تو وہ خراجی ہو جائے گی کیوں کہ عشر میں عبادت کی حیثیت پائی جاتی ہے اور غیر مسلم عبادت شرعیہ کا اہل نہیں ہو سکتا۔

لو اشترى مسلم من ذمي أرضا خراجية تعليه الخراج ولا تنقلب عشرية لأن الأصل أنه مؤنة الأرض لا تتغير بتبدل المالك إلا لضرورة وفي حق الذمي إذا اشترى من مسلم أرض عشر ضرورة لأن الكافر ليس من أهل وجوب العشر أما المسلم فمن أهل وجوب الخراج في الجملة فلا ضرورة إلى التغيير بتبدل المالك۔[2]

اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی سے خراجی زمین خریدی تو اس پر خراج واجب ہوگا، اور وہ زمین عشری نہیں بن سکے گی اس لیے کہ عشر کی اصل یہ ہے کہ وہ زمین کی پیداوار ہے جسمیں مالک کے بدلنے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے مگر ضرورۃً۔ اور ذمی کے حق میں اگر وہ کسی مسلمان سے عشری زمین خریدے ضرورۃً۔ اس لیے کہ کافر وجوب عشر کا اہل نہیں ہے اور مسلمان تو وہ وجوب خراج کا اہل ہے

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۳ [2] بدائع الصنائع ۲/۵۵

عشر کو اپنے اوپر خرچ کرنا جائز ہے بلکہ اس کے لیے ضروری ہوگا کہ عشر زکاۃ کے علاوہ مصرف عشر پر صرف کرے[1]

۵۔ خراج سالانہ متعین ہوتا ہے یعنی سال میں صرف ایک بار خراج لازم ہوتا ہے بخلاف عشر کے کہ وہ ایک سے زائد بار بھی لازم ہو سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ زمین میں پیداوار سال میں ایک سے زائد بار ہو۔

۶۔ خراجی زمینوں پر ایک متعین ٹیکس ہوتا ہے۔ اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی ہے بخلاف عشر کے کہ اس میں بارش اور آبپاشی کے فرق سے فرق ہو جاتا ہے۔ بارش کی صورت میں عشر واجب ہوتا ہے اور آبپاشی کی شکل میں نصف عشر واجب ہوتا ہے۔

۷۔ خراج بطور زمین کے کرایہ کے ہے بخلاف عشر کے کہ وہ زکوٰۃ ہے۔ اس میں کرایہ کا مفہوم نہیں پایا جاتا ہے۔ اس لیے عشر کو زکوٰۃ الارض سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

مقدار عشر و خراج

مقدار عشر —— عشر کا لفظی مفہوم اگرچہ دسواں حصہ ہے۔ لیکن فقہی اصطلاح میں اس کا اطلاق عشر (دسواں) اور نصف عشر (بیسواں حصہ) دونوں پر ہوتا ہے۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فیما سقت السماء العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر[2]

جو کھیتی بارش سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جسے آبپاشی کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر۔

وجوب عشر کے لیے عقل و بلوغ شرط نہیں ہے۔ اسی طرح ملکیت زمین بھی شرط نہیں ہے بلکہ زمین کا عشری ہونا، زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا اور عادۃً کاشت کے ذریعہ نفع اٹھایا جانا شرط ہے۔

مقدار خراج

خراج کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) خراج مقاسمہ (۲) خراج موظف۔

---

[1] رد المحتار ۳/۲۹۹ — [2] بخاری، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ

خراج مقاسمہ

خراج مقاسمہ کے معنی بٹائی کے ہیں۔ کہ پیداوار کا کوئی حصہ نصف یا ثلث مقرر کر لیا جائے۔ خراج مقاسمہ کو خراج موظف یا موظف کو مقاسمہ سے بدلنا بغیر زمینداروں کی رضامندی کے جائز نہیں ہے۔ ولا یغیرہ لانہ نقض العہد وھو حرام[1]۔ یہ ضروری ہے کہ خراج مقاسمہ کی مقدار خمس سے کم نہ ہو اور نصف سے زیادہ نہ ہو۔

خراج موظف

اس کا مفہوم یہ ہے کہ زمین پر نقد رقم متعین کی جائے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب عراق فتح ہوا تو آپ نے حضرت عثمانؓ کے ذریعہ وہاں کی زمین کی پیمائش کرائی۔ اور قابل کاشت زمین پر جہاں پانی پہنچتا تھا خراج موظف کی تفصیل یہ مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب (رقبہ دو مربع گز) ایک درہم نقد اور ایک صاع گندم یا جو یا جو چیز بوئی جائے اور ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو فی جریب دس درہم[2]

مصارف عشر و خراج

۱۔ مصرف عشر۔ عشر کا مصرف ۔ مصرف زکوٰۃ ہے

۲۔ مصرف خراج ۔ خراج مقاسمہ اور خراج موظف سے جو آمدنی ہو گی اسے فوج کے اخراجات، حکومت کے کارندوں، سرحدوں کی حفاظت، علماء، طلباء، قضاۃ، مفتیوں، پلوں کی تعمیر، مرمت اور عام مصالح ملک اور اہل اسلام میں خرچ کیا جائے گا۔ اسی طرح کفار سے جو جزیہ وصول کیا جائے گا اور ان کے مال تجارت پر ٹیکس سے جو آمدنی ہو گی وہ سب بھی مصالح عامہ میں صرف کی جائے گی۔

"وما جباہ الامام من الخراج ومن اموال بنی تغلب وما اھداہ اھل الحرب الی الامام والجزیۃ یصرف فی مصالح المسلمین کسد الثغور وبناء القناطر[3]

---

[1] ھدایہ باب العشر والخراج [2] ھدایہ ۱/۵۶۲ [3] کتاب الاموال ۹۱/

إلا الجسور ويعطى قضاة المسلمين وعمالهم وعلماءهم منه ما يكفيهم ويدفع عنه أرزاق المقاتلة وذراريهم[1]

ويعطى أيضاً للمعلمين والمتعلمين وبهذا تدخل طلبة العلم۔[2]

اور امیر المؤمنین کو جو خراج زمین سے یا بنی تغلب کے عشر مضاعف سے حاصل ہو یا اہل حرب کی طرف سے اس کو کوئی ہدیہ ملے اور جو کچھ رقم جزیہ سے حاصل ہو، وہ سب مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کی جائے گی جیسے سرحدوں کی اصلاح اور مستقل پلوں کی تعمیر، عارضی پل اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور اس سے قاضیوں کو اور عمال حکومت اور علماء کو ان کی ضروریات کی حد تک عطایا دی جائیں گی۔ اور اسی میں سے مجاہدین اور فوج کا اور ان کے عیال کا گذارہ دیا جائیگا، معلمین اور طلبۂ دین کو بھی اس میں سے دیا جائے گا۔

محور چہارم

سوال نمبر (۱) ـــــ ۱۹۴۷ء کی آزادی اور قانون تنسیخ زمینداری کے بعد ہندوستان کی زمینوں کا کیا حکم ہے۔ یہاں کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی۔ اگر کچھ زمینیں عشری ہیں اور کچھ خراجی تو ان کی تفصیل کیا ہے۔ کس بنیاد پر کس زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا ؟

جواب

۱۹۴۷ء کی آزادی اور قانون تنسیخ زمینداری کے بعد ہندوستان کی زمین کے عشری اور خراجی ہونے کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے فاتحانہ دخول کے وقت اگر یہ زمین کسی مسلمان کو مالکانہ طور پر دی گئی تھی تو یہ زمین عشری ہوگی۔ اور اگر فتح کے وقت زمین کے مالک قدیم غیر مسلم کو ہی اس کا مالک برقرار رکھا گیا اور اس کے بعد اس پر خراج عاید کر دیا گیا، پھر وہ زمین مسلمان کی ملکیت میں بیع کے ذریعہ یا کسی دوسری جائز صورت کے ذریعہ آگئی تو یہ زمین خراجی ہی

---

[1] ھدایہ۔ باب العشر والخراج [2] فتح القدیر ۲/۳۸۴۔

رہے گی۔ اگرچہ اس پر اس وقت مسلمان کی ملکیت نہ ہو۔ اور اگر فتح اسلامی کے وقت یہ زمین غیر آباد اور ناقابل کاشت تھی اور مسلمانوں نے امام کی اجازت سے قابل کاشت بنا لیا تو یہ زمین عشری ہوگی۔ یا اس کو غیر مسلموں نے آباد اور قابل کاشت بنایا اور اس کے مالک ہونے کے بعد اس پر خراج عائد کر دیا گیا۔ اور کسی مسلمان نے اس سے بطریق بیع یا کسی دوسرے جائز طریقہ سے لے لیا تو اس پر خراج ہی عائد رہے گا۔

وہ مالکانہ زمینیں جو زمانہ قدیم سے مسلمانوں ہی کے پاس ہیں اور اس پر کسی غیر مسلم کے مالکانہ تصرف کا کوئی تاریخی ثبوت نہ ملے تو وہ زمین جس طرح عہد برطانیہ میں عشری تھی ۱۹۴۷ء کے بعد بھی عشری رہے گی ——— پاکستان ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی وہ زمینیں جو حکومت ہند کے ذریعہ غیر مسلموں میں تقسیم کر دی گئیں۔ اگر بذریعہ بیع یا کسی دوسرے جائز طریقہ سے وہ زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں آجائیں۔ جب بھی استیلاء کفار کی وجہ سے خراجی ہو جائیں گی۔ اور اگر مسلمانوں کی متروکہ زمین کسی مسلمان ہی کو حکومت نے دی تب بھی استیلاء کی وجہ سے وہ زمین عشری باقی نہ رہیں گی بلکہ خراجی ہو جائیں گی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ:

> جو زمینیں ہمیشہ ہمیشہ سے نسلاً بعد نسل مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آ رہی ہیں اور کسی بھی دور میں اس پر کسی غیر مسلم کی ملکیت کا ثبوت نہیں ہے۔ اس اصول کے مطابق استصحاب حال کی بناء پر مسلمانوں کی ملکیت سمجھی جائے گی اور اس پر عشری ہونے کی بناء پر عشر واجب ہوگا۔ اور اگر کسی دور میں اس پر کافروں کی ملکیت کا ثبوت مل گیا یا کسی زمین پر غیر مسلموں کا قبضہ ہو گیا تھا پھر بیع یا کسی دوسرے جائز طریقے سے وہ مسلمان کی ملکیت میں آگئی تو وہ زمین خراجی ہوگی اور اس پر خراج عائد کیا جائے گا۔

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی نے ہندوستان کی زمین کی جو قسمیں لکھی ہیں اور ان کے احکام بتائے ہیں، وہ درج ذیل ہیں۔

ہندوستان کی زمین جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہے ان کی نو قسمیں ہیں۔

(الف)

۱ بادشاہان اسلام کے وقت سے موروثی ہیں۔

۲ـــــ موروثی ہیں مگر بادشاہی وقت سے نہیں اور معلوم نہیں کہ کس طرح قبضہ میں آئیں۔

۳ـــــ مسلمانوں نے مسلمانوں سے خریدا ہے اور ان بیچنے والے مسلمانوں نے مسلمانوں سے خریدا تھا۔

۴ـــــ مسلمانوں سے مسلمانوں نے خریدا مگر یہ معلوم نہیں کہ ان بیچنے والے مسلمانوں نے کس سے خریدا تھا۔

۵ـــــ انگریزی حکومت نے بطور معافی کے عنایت کی ہیں اور وہ اس سے پہلے مسلمانوں کی ملک میں تھیں۔

(ب)

۱ـــــ انگریزی حکومت نے بطور معافی عنایت کی ہیں اور معلوم نہیں کہ وہ اس سے پہلے کس کی ملک میں تھیں۔

۲ـــــ مسلمانوں نے مسلمانوں سے خریدا تھا۔ لیکن ان بیچنے والے مسلمانوں نے غیر مسلم سے خریدا تھا۔

۳ـــــ مسلمانوں نے غیر مسلم سے زمین خریدی۔

۴ـــــ انگریزی حکومت نے بطور معافی عنایت کیں اور وہ اس سے پہلے غیر مسلم کی ملک تھیں۔

"الف" کی پانچوں صورتوں میں ان زمینوں کی پیداوار پر اگر وہ بارش یا دریا کے پانی سے سینچی جائے تو عشر فرض ہوگا اور کنوئیں سے یا خریدے ہوئے پانی سے سینچی جائے تو نصف عشر فرض ہوگا۔ کیوں کہ ان سب صورتوں میں یہ زمین یا تو مملوکہ اہل اسلام ہے یا کچھ معلوم نہیں ہے۔ نہ معلوم ہونے کی صورت میں بھی انہیں کی مملوکہ سمجھی جائے گی کیونکہ انھیں کی سلطنت تھی۔ اور مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں پر عشر یا نصف عشر ہی فرض ہوتا ہے۔

"ب" کی چاروں صورتوں میں ان زمینوں کی پیداوار پر عشر واجب نہ ہوگا بلکہ وہ زمینیں خراجی ہوں گی یعنی اگر بادشاہ اسلام ہوتا تو ان پر خراج ہوتا۔[1]

سوال ـــــ جن اراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہوسکے ان کا کیا حکم ہے؟

جواب ـــــ اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا تھانوی رح فرماتے ہیں:

"جس زمین کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے۔ یہی سمجھا جائیگا کہ مسلمانوں سے ہی حاصل ہوئی ہے بدلیل استصحاب حال۔ پس وہ بھی عشری ہوگی۔"[2]

---

[1] علم الفقہ ۴/۳۹۔ [2] امداد الفتاویٰ ۲/۵۰۔

سوال نمبر ۳: ـــــ کیا سرکار کو دی جانے والی مال گذاری خراج کے حکم میں داخل ہے؟

جواب: ـــــ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس مسئلہ پر اچھی روشنی ڈالی ہے، فرماتے ہیں:

"خراج کے معاملہ میں ان دونوں ملکوں (ہندوستان و پاکستان) میں فرق ہے اور وہ یہ کہ پاکستان میں خراجی زمینوں کا ٹیکس دیتے وقت اگر خراج کی نیت سے دے دیں تو ان کا خراج ادا ہو جائے گا کیونکہ حکومت پاکستان اگرچہ اس ٹیکس کو بحیثیت شرعی خراج کے وصول نہیں کرتی اور نہ اس کا نام خراج رکھتی ہے۔ مگر بہت بھاری رقم سرحدوں کی حفاظت اور فوجی ضروریات میں خرچ کرتی ہے جو شرعاً مصرف خراج ہے۔ اس لیے اگر خراجی زمینوں کا ٹیکس حکومت پاکستان کو ادا کرنے کے وقت دیتے وقت خراج کی نیت سے دے دیں تو ان کا خراج ادا ہو جائے گا۔

لیکن ہندوستان میں یہ صورت نہیں۔ نہ وہاں مسلمانوں کی حکومت ہے نہ اسلامی نظام ہے جس کی صورت کا معاوضہ خراج کی مد سے دیا جائے، اور نہ حکومت خراج کے اصول پر اس کو وصول کرتی ہے بلکہ وہ ایک خاص ٹیکس ہے جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔ اس لیے وہاں کے مسلمانوں پر واجب رہتا ہے کہ خراجی زمینوں کا خراج نکال کر ان مصارف میں خرچ کر دیں جو ہندوستان میں موجود ہیں۔ مثلاً مدارس دینیہ کے مدرسین و طلبہ اور تبلیغ کا کام کرنے والے علماء، ان پر یہ رقم خرچ کی جائیں۔"[1]

اگر کوئی غیر مسلم حاکم مسلمانوں کی خراجی زمینوں کا خراج، خراج کہہ کر بھی وصول کرے تو اس سے خراج ادا نہ ہوگا۔

لأن الكافرين ليس لهم ولاية أخذ الخراج من المسلمين ولأنهم ليسوا بمصارف الخراج حتى إذا أدى المسلمون إليهم الأخذية الخراج لا يخرجون من عهدته لأنهم ليسوا بمستحقين لأهل الحرب ولا دافعين عدو الإسلام عنهم وعن دارهم۔[2]

اس لیے کہ کافروں کو مسلمانوں سے خراج وصول کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اور اس لیے بھی

---

[1] جواہر الفقہ ۲/۲۸۳۔ [2] جامع الفصولین۔

کہ وہ مصارف خراج نہیں ہیں، یہاں تک کہ اگر مسلمان خراج نکال کر کافروں کو ادا کردیں خراج کی نیت سے، پھر بھی اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ وہ کافر، اہل حرب سے جنگ نہیں کرتے ہیں اور نہ وہ اسلام دشمنوں سے مسلمانوں کا اور ان کے ملک کا دفاع کرتے ہیں"

سوال ۸: —— اگر ہندوستان کی کچھ زمینیں خراجی ہیں تو موجودہ ہندوستان میں مسلمان خراج کی ادائیگی کس طرح اور کس شرح سے کریں۔ کیا جس طرح عشر کی ادائیگی عبادت ہے اسی طرح سے مسلمانوں پر عائد ہونے کی صورت میں خراج کی ادائیگی بھی عبادت ہے؟

جواب: —— خراج خالص ٹیکس ہے۔ جس میں عبادت کا مفہوم نہیں پایا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف عشر میں عبادت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے لأن فيه معنى العبادة۔[1]

اس سلسلہ میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی وقیع تحریر کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

ہندوستان میں خراجی زمینوں پر کس قسم کا خراج عائد کیا جائے۔ مقاسمہ یا موظف؟ اس کا انحصار ان کے احکام کے معلوم ہونے پر ہے۔ جو مسلم فاتحین نے فتح کے وقت نافذ کیے تھے۔ محمد ابن قاسم نے علاقہ سندھ میں خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کا نصف نافذ کیا تھا اور صوبہ گجرات وراجستھان کو بھی داخل سندھ اور اسی کا جزء قرار دیا تھا۔ اس لیے ان علاقوں میں خراج موظف کے بارے میں اگر کوئی یقینی اور تحقیقی بات معلوم ہوجائے تو خراج موظف پر عمل کیا جائے گا۔

ہندوستان کے دوسرے علاقے جن کی فتوحات محمد ابن قاسم کے بعد غزنوی، غوری اور علاء الدین خلجی کے عہد میں ہوئیں۔ ان تمام علاقوں کی زمین ان کے ہندو مالکان ہی کے قبضہ میں باقی رکھی گئیں۔ اور ان پر خراج عائد کیا گیا۔ لیکن خراج کی کون سی قسم عائد کی گئی اس کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ لیکن علاء الدین خلجی کے دور کی اصلاحات کے سلسلہ میں کتب تاریخ میں یہ درج ہے کہ اس نے فوج کو نقد تنخواہ دینے کا قانون جاری کیا جب کہ اس وقت تک تنخواہ بصورت جاگیر دینے کا دستور چلا آرہا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ زرعی اراضی پر نقد خراج (خراج موظف) مقرر تھا اس کے بجائے خراج مقاسمہ کا طریقہ رائج کیا، اور خلجی کے بعد محمد تغلق کے زمانہ میں بھی یہی دستور جاری رہا۔

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۷۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علاء الدین کے دور تک ہندوستان میں خراج موظف کا قانون تھا اور شیخ علاء الدین خلجی کو خراج موظف کو خراج مقاسمہ میں بدلنے کا حق حاصل نہ تھا۔ الا یہ کہ مسلمان اراضی اس سے راضی ہوں ——— اس لیے یہ حقیقت اس بات کی طرف نشاندہی کرتی ہے کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں خراج موظف پر عمل کیا جائے گا۔ جب تک کسی خاص خطہ کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ وہاں شروعاً خراج مقاسمہ عائد کیا گیا تھا۔[1]

خراج موظف کی مقدار

عام قابل کاشت زمینوں پر ایک جریب (ساٹھ مربع گز) پر ایک درہم اور ایک صاع گندم یا جو یا جس چیز کی بھی کاشت کی جائے، ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم، انگور اور کھجور کے گنجان باغات پر دس درہم، وہ انگور اور کھجور کے وہ باغ جو گنجان نہ ہوں اور دوسرے ہر قسم کے باغ جو گنجان ہوں ان پر خراج اس اندازے سے لگایا جائے گا کہ خراج خمس سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔

سوال ۵: ——— احکام عشر میں آبپاشی کی وجہ سے عشر، نصف عشر ہو جاتا ہے۔ کیا جدید طریقۂ زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات (کھاد، دوا وغیرہ) کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کی جا سکتی ہے۔ یا اصل پیداوار میں سے ان اخراجات کو منہا کرنے کے بعد عشر عائد کیا جا سکتا ہے؟

جواب: ——— عشر کا ثبوت قرآن کریم سے:

یا ایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم بآخذیہ الا ان تغمضوا فیہ[2]

اے ایمان والو: خرچ کرو ستھری چیزوں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے، اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو حالانکہ تم اس کو کبھی نہ لوگے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

---

[1] جواہر الفقہ ۲/۲۶۰-۲۶۲ [2] سورۃ البقرہ ۲۶۷۔

مالکیہ میں ابن عربی کی رائے یہ ہے کہ اخراجات وضع کرنے کے بعد بقیہ پیداوار سے عشر وصول کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے "دعوا الثلث اوالربع" سے استدلال کیا ہے۔ ان کے نزدیک پیداوار کا ایک تہائی یا ایک چوتھائی حصہ اخراجات کے تقریباً برابر ہوتا ہے[1]

عشر کل پیداوار میں واجب ہوتا ہے نہ اس میں کوئی نصاب شرط ہے اور نہ قرض وغیرہ مانع ہے نہ اخراجات زراعت کے ان میں سے منہا کیے جائیں گے[2]

علامہ ابن ہمام کی رائے یہ ہے کہ:

شارع نے مصارف کے فرق کی بنا پر مقدار واجب میں فرق کیا ہے۔ اگر مصارف کا لحاظ نہ کیا جاتا تو مقدار واجب ایک ہی رہتی یعنی ہمیشہ عشر ہی واجب ہوتا۔ نصف عشر کی رعایت تو مصارف کے بقدر پیداوار کو اصل عشر سے مستثنیٰ نہیں قرار دیتی ہو[3]

اس لیے میری رائے میں یہی بات قوی معلوم ہوتی ہے کہ کھاد، دوا اور دوسرے اخراجات کو اصل پیداوار سے مستثنیٰ کر کے عشر نہیں نکالا جائے گا۔ بلکہ مجموعی پیداوار سے عشر نکالا جائے گا۔ اس لیے کہ اگر کھاد، دوا اور دوسری چیزوں پر غیر معمولی اخراجات ہوتے ہیں تو یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ اس سے پیداوار میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوتا ہے۔ جو معاینہ و مشاہدہ ہے۔ اس لیے مجموعی پیداوار سے ہی عشر نکالنا راجح معلوم ہوتا ہے۔

سوال ۵ ـــــ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر کس پر واجب ہے مالک پر یا بٹائی دار پر یا دونوں پر؟ مالک اور بٹائی دار میں سے ایک مسلم اور ایک غیر مسلم ہو یا دونوں مسلم ہوں ان دونوں صورتوں میں عشر کا وجوب کس پر ہوگا؟

جواب ـــــ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے کہ پیداوار میں ایک معین حصہ مالک زمین کا اور دوسرا معین حصہ کاشتکار کا مثلاً نصف نصف ہو اور دونوں مسلم ہوں تو مالک اور بٹائی دار اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق عشر دیں گے[4]

---

[1] شرح ترمذی لابن العربی ۳/۱۳۳ [2] امداد الفتاوی ۲/۹۹
[3] فتح القدیر ۲/۲ [4] بدائع الصنائع ۲/۵۸۔

دونوں کے ذمہ ہوگا اپنے اپنے حصے کے بقدر[1]

اور اگر کوئی ایک مسلمان ہو اور ایک کافر تو اس سلسلہ میں فتاویٰ رشیدیہ میں اس کی صراحت ہے کہ مسلمان اپنے حصے سے دے گا اور کافر ماخوذ نہ ہوگا۔ عبارت یہ ہے:

"عشر بعد وارث زمین کا ہے مالک اور مزارع پر اور کوئی کافر ہوگا تو وہ ماخوذ نہ ہوگا مسلمان اپنے حصہ کا دیوے گا"[2]

اسی طرح اگر زمین کے مالک کفار ہوں تو اس کے مسلمان کاشتکاروں پر عشر واجب ہے

ولو استأجرها من كافر فكذلك الجواب عندهما لأن العشر عندهما في الخارج على كل حال[3]

اور اگر کسی کافر سے مسلمان نے عاریۃً زمین لی تو صاحبین کے نزدیک وہی جواب ہوگا اس لیے کہ ان کے نزدیک ہر حال میں عشر زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے۔

محور پنجم

سوال ۱ ــــ کیا عشر کا وجوب پیداوار کی ہر مقدار پر ہے یا اس کے لیے کسی نصاب کا اعتبار ہوگا؟ اگر نصاب کا اعتبار ہوگا تو وہ نصاب کیا ہوگا؟

جواب ۱ ــــ وجوب عشر کے لیے نصاب کے بارے میں فقہاء امت کے دو مسلک ہیں۔

۱ ــــ امام ابو حنیفہ، ابراہیم نخعی، عطاء، مجاہد، حماد اور عمر بن عبد العزیز کا مسلک یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کی ہر مقدار میں زکوٰۃ ہے چاہے وہ کم ہو یا زیادہ۔ ان کی دلیل بخاری کی درج ذیل روایت ہے: حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فیما سقت السماء العشر (جسے بارش کے پانی سے سیراب کیا ہو اس میں عشر ہے)۔

۲ ــــ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، صاحبین اور جمہور علماء امت کا مسلک یہ ہے کہ زرعی پیداوار اور پھلوں میں زکوٰۃ ہے۔ نصاب پانچ وسق ہے۔ اس سے کم ہونے پر [illegible] واجب

---

[1] امداد الفتاوی ۲/۹۰ [2] فتاویٰ رشیدیہ [illegible] [3] بدائع الصنائع ۲/[illegible]

نہیں ہوگی۔ ان حضرات کی دلیل درج ذیل متفق علیہ حدیث ہے۔

لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ[1] پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہ دونوں حدیثوں میں تطبیق کی شکل پیدا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"دونوں حدیثوں پر عمل واجب ہے۔ دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ حدیث "بارش کے پانی کی پیداوار میں عشر ہے" سے مقصود درحقیقت یہ واضح کرنا ہے کہ عشر کس قسم کی پیداوار میں واجب ہے اور نصف عشر کس قسم کی پیداوار میں۔ رہا نصاب کا مسئلہ تو اس حدیث میں اس سے سکوت اختیار کیا گیا ہے اور دوسری حدیث میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے[2]

رہی یہ بات کہ اس میں سال کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تو فصل کٹنے کے وقت ہی تعین ہو جاتا ہے نہ کہ سال بھر تک باقی رکھنے کی صورت میں[3] ـــــ اس سلسلہ میں صاحبین کا مسلک راجح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے اور متفق علیہ حدیث کی مخالفت بھی لازم نہیں ہوتی ـــــ دوسری بات یہ کہ زکوٰۃ کا شرعی اصول تؤخذ من اغنیاءہم وترد الی فقراءہم ہے۔ زکوٰۃ صرف مالداروں پر واجب ہوتی ہے اور زکوٰۃ کا نصاب غنا کی کم سے کم حد ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق غریب پر بھی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی جو شریعت کے مزاج ومنشا کے مطابق نہیں ہے۔ موجودہ وزن کے حساب سے پانچ وسق کا وزن تقریباً (۶۵۳) کلوگرام کے برابر ہوگا۔

سوال ۲: کیا زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر واجب ہے۔ جیسے گھاس، بانس، درخت، جانوروں کے لیے اگایا جانے والا چارہ وغیرہ۔ یا زمین سے پیدا ہونے والی کچھ چیزیں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں؟ پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً سنگھاڑا وغیرہ میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

جواب: (۱) امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہر اس چیز میں زکوٰۃ واجب ہے جسے انسان نے زمین سے پیدا کیا ہے اور جس کی کاشت سے مقصود زمین سے فائدہ حاصل کرنا ہو[4]

---

[1] متفق علیہ [2] اعلام الموقعین ۳/۲۲۹ [3] المغنی ۲/۶۵۹ [4] ہدایہ ۱/۱۹۰۔

امام ابو حنیفہ کا استدلال قرآن پاک کی آیت "ومما اخرجنا لکم من الارض" کے عموم سے ہے اسی طرح "وآتوا حقہ یوم حصادہ" سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ اسی طرح حدیث نبوی "فیما سقت السماء العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر" سے بھی عام ہے۔ اس میں غذائی اجناس یا غیر غذائی اجناس، قابل اکل وادخار ہونے یا نہ ہونے کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے۔ اسی طرح حدیث میں کیل وموزون اور خشک کیے جانے کے لائق ہونے کی بھی شرط نہیں ہے۔

۲ــــ امام احمدؒ کے نزدیک زکوٰۃ ہر اس پیداوار میں واجب ہے جسے ناپا جاسکتا ہو خشک کیا جاسکتا ہو اور اناج کی قبیل سے ہوں۔ اس سے صرف وہ چیزیں مستثنیٰ ہوں گی جن کو ناپا نہ جاسکتا ہو اور نہ اناج کی قبیل سے ہوں۔[1] اس لیے کہ ارشاد نبوی ہے:

"لیس فی حب ولا تمر صدقۃ حتی یبلغ خمسۃ اوسق"[2]

غلہ اور کھجور میں زکوٰۃ نہیں ہے جب تک وہ پانچ وسق نہ ہو جائیں۔

امام احمدؒ کے نزدیک غلہ کا اگانا بھی شرط نہیں ہے۔ بلکہ زمین میں پیدا ہو جانا وجوب زکوٰۃ کے لیے کافی ہے اور استدلال "فیما سقت السماء العشر" اور حدیث معاذ "خذ الحب من الحب" سے ہے۔[3]

۳ــــ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ ہر قسم کی غذائی اجناس پر اور ایسی تمام پیداوار پر واجب ہوگی جو قابل ذخیرہ ہوں۔ نیز جو اناج اور پھل خشک ہو جائے جملہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اخروٹ بادام، پستہ اور اس قسم کی دوسری چیزوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اگرچہ ان کو ذخیرہ کرکے رکھا جاسکتا ہے کیونکہ غذائی اجناس نہیں ہیں۔ اسی طرح سیب، انار، شفتالو وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ ان کو خشک کیا جاسکتا ہے اور نہ یہ چیزیں قابل ادخار ہیں۔[4]

ان حضرات نے السنن الکبریٰ للبیہقی میں مرسل حدیث معاذؓ سے استدلال کیا ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خربوزہ، ککڑی، قضب اور سبزیوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

---

۱ المغنی ۲/۶۹۰ ۲ مسلم شریف، ابوداؤد شریف
۳ ابوداؤد، ابن ماجہ ۴ المؤطا ص۲۰۲

۴ ـــــــ حضرت عبداللہ بن عمر، موسیٰ بن طلحہ، حسن، ابن سیرین، شعبی، حسن بن صالح، ابن ابی لیلیٰ، ابن مبارک اور ابو عبید کا مسلک یہ ہے کہ زکوٰۃ چار غذائی اشیاء ہی میں واجب ہے اور وہ ہیں گیہوں، جو، کھجور اور کشمش۔[1]

ان حضرات نے ابن ماجہ اور دارقطنی کی درج ذیل روایت سے استدلال کیا ہے۔

"انما سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الزکوٰۃ فی الحنطۃ والشعیر والتمر والزبیب"[2] ـــــــ رسول اللہ نے زکوٰۃ صرف گیہوں، جو، کھجور اور کشمش میں لازم فرمایا۔

ابن ماجہ کی روایت میں اگرچہ مکئی کا ذکر ہے۔ لیکن امام شوکانی کی تحقیق کے مطابق محمد بن عبداللہ عرزمی راویوں میں سے ہے، متروک ہے۔[3]

دوسری دلیل طبرانی اور حاکم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابو موسیٰ اور معاذ کو یمن بھیجا تو فرمایا کہ سوائے چار چیزوں گیہوں، جو، کھجور اور کشمش کے کسی چیز کی زکوٰۃ وصول نہ کریں۔[4]

ان چند اقوال میں ابو حنیفہؒ کا مسلک راجح معلوم ہوتا ہے اور یہی قول عمر بن عبدالعزیز، مجاہد، حماد، داؤد اور ابراہیم نخعی کا ہے۔ ابن عربی مالکی نے بھی اسی مسلک کی تائید کی ہے۔[5] فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں دلیل کے لحاظ سے قوی مسلک امام ابو حنیفہ کا ہے۔ جو مساکین کے مفاد کے لئے زیادہ احوط ہے۔ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرنے کے پہلو سے بھی انسب ہے۔ آیت و احادیث اپنے عموم کی بنا پر اسی پر دلالت کرتی ہیں۔[6]

جن احادیث سے دوسرے حضرات نے استدلال کیا ہے ان میں سے کوئی حدیث بھی نقص سے پاک نہیں ہے یا تو اس کی سند میں انقطاع پایا جاتا ہے یا ضعیف ہے یا موقوف ہے۔ اور اگر اسے صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو ابن الملک وغیرہ علماء نے یہ تاویل کی ہے کہ اس موقع پر ان چار اجناس کے علاوہ دوسری اجناس موجود نہیں تھیں یا یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے۔

حدیث "لیس فی الخضراوات صدقۃ" کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہے اور اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں۔[7]

---

[1] المحلی ۵/۲۲۱ [2] ابن ماجہ۔ دارقطنی [3] نیل الاوطار ۴/۱۴۲ [4] طبرانی۔ حاکم۔
[5] احکام القرآن ۲/۷۵۷ [6] شرح الترمذی ۳/۱۳۵ [7] ترمذی کتاب الزکوٰۃ۔

"یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہے اور حجت کے قابل نہیں ہے۔"[1]

اس لیے راجح یہ ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر ہے جبکہ اس کی کاشت سے مقصود فائدہ حاصل کرنا ہو اس لیے مکھانا اور سنگھاڑا وغیرہ میں عشر واجب ہوگا۔ اسی طرح گھاس بانس، درخت، جانوروں کے لیے اگائے جانے والے چارہ پر بھی عشر واجب ہوگا۔ اس لیے کہ اس کی کاشت سے مقصود فائدہ حاصل کرنا ہے۔

سوال ۳ ــــ آج کل عام طور پر زراعتی اراضی پر تالاب کھودے جاتے ہیں اور اس میں مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے اور اس کی کاشت کو بہت نفع بخش تصور کیا جاتا ہے۔ کسان یہ سوچتا ہے کہ اگر ان اراضی پر گیہوں، دھان وغیرہ کی کاشت کرے تو اخراجات اور محنت زیادہ ہے اور منفعت کم اس لیے اراضی کو مچھلی کی کاشت کے لیے تالاب بنا کر استعمال کرتا ہے۔ کبھی اس تالاب میں قدرتی پانی جمع ہوتا ہے اور کبھی بورنگ یا دوسرے ذرائع سے اس میں پانی پہونچایا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مچھلی کی اس کاشت کو زراعت میں داخل کر کے اس پر احکام عشر نافذ ہونگے یا اس پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا۔

ب ــــ زمین کی پیداوار ... اور فقہائے امت کے نزدیک کھیتی، درختوں کے پھل اور شہد ہے اس لیے ایسے حیوانات جو سائمہ نہ ہوں اور پیداوار بڑھانے اور نفع حاصل کرنے کی غرض سے لے جائیں اموال تجارت پر قیاس کرتے ہوئے حولان حول (سال پورا ہونے) پر اصل اور منافع ملا کر دونوں کا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکالا جائے۔

فقہائے معاصرین میں علامہ یوسف القرضاوی ریشم اور اس کے کیڑے کو شہد پر قیاس کرتے ہوئے اس بات کے قائل ہیں کہ اصل یعنی ریشم کے کیڑوں پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی بلکہ اس سے پیدا ہونے والی شئی ریشم پر عشر واجب ہوگا۔[2]

سوال ۵ ــــ درختوں کی دو صورت ہوتی ہے یا تو وہ باغات ہوتے ہیں جن سے پھل حاصل کیے جاتے ہیں، یا پھر وہ درخت ہوتے ہیں جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ جلانے کے کام میں لاتے ہیں

---

[1] التلخیص ص۱۸۱ فتح القدیر ۳/۲ [2] فقہ الزکوٰۃ ص۴۳۵۔

عمارت، فرنیچر وغیرہ میں استعمال ہوتے ہیں۔ ایسے درختوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب:۔۔۔ چونکہ مذکورہ بالا درختوں سے مقصود پھل نہیں ہے۔ اس لیے ان پر عشر کے احکام نافذ نہ ہوں گے۔ بلکہ ان درختوں کو اموالِ تجارت پر قیاس کیا جائے گا، اور ان میں چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرنا ہوگا

سوال ۵:۔۔۔ خضراوات (سبزیاں) جو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتی اور ان کی پیداوار میں سلسلہ رہتا ہے کچھ پھل توڑے جاتے ہیں پھر دوسرے پھل نکل آتے ہیں۔ اس طرح کی کاشت کی صورتیں دو ہوتی ہیں۔۔۔ ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ اس کا مقصود باضابطہ تجارت ہوتا ہے اور دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ لوگ اپنے مکان کے گرد و پیش افتادہ اراضی میں اپنی چھوٹی سی کچھ سبزیاں اگا لیتے ہیں۔ ہر دو صورت میں وجوب عشر کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:۔۔۔ گزشتہ صفحات کی تحریر کے مطابق میرے نزدیک یہ بات راجح ہے کہ زمین سے جو چیز بھی نکلے اس میں عشر ہے۔ اور اس میں تجارت اور عدم تجارت کی کوئی شرط نہیں ہے اس لیے ہر دو صورت میں عشر واجب ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں نصاب کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔ اس لیے قلیل ہو یا کثیر دونوں صورتوں میں عشر واجب ہوگا۔ میرے نزدیک دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ اس کا نصاب پانچ وسق (۶۵۳) کلوگرام ہے۔ اس لیے اگر نصاب کے بقدر ہو تو عشر واجب ہوگا اور اگر نصاب سے کم ہو تو عشر واجب نہ ہوگا۔

جن حضرات نے حدیث "لیس فی الخضروات صدقۃ" سے استدلال کیا ہے وہ استدلال کمزور ہے کیونکہ اس سلسلہ میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہے

اور اس باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔[1]

یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے ضعیف اور ناقابل حجت ہے۔[2]

سوال ۶:۔۔۔ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے یا نہیں خصوصاً وقف علی اللہ والی اراضی میں؟

جواب:۔۔۔ وجوب عشر کے لیے ملکیت زمین شرط نہیں ہے۔ اس لیے اراضی موقوفہ جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا ان پر بھی عشر لازم ہوگا۔

---

[1] ترمذی کتاب الزکوٰۃ [2] التلخیص ص ۱۸۱، فتح القدیر ۲/۲۔

صاحبین کے مسلک مفتی بہ کے مطابق وجوب عشر کے لیے ملک الارض شرط نہیں ہے بلکہ وجوب عشر کے لیے ملک الخارج کافی ہے

ملك الأرض ليس بشرط لوجوب العشر وإنما الشرط ملك الخارج فيجب في الأراضي التي لا مالك لها وهي الأراضي الموقوفة لعموم قوله تعالى يا أيها الذين آمنوا۔[1]

ونقل عن بعضهم بما حاصله أن فرضية العشر ثابتة بالكتاب والسنة والإجماع والمعقول، وبأن الملك غير شرط فيه۔[2]

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ

ارض وقف میں بھی عشر واجب ہے۔[3]

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۶ [2] رد المحتار ۲/۳۲۴۔

[3] امداد الفتاوی ۲/۹۹۔

اسلام کا نظامِ عشر و خراج

از: مفتی محمد ظفیر الدین، مفتی دارالعلوم، دیوبند

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

اسلام نے کائنات انسانی کو جو نظامِ حیات عطا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جسے لے کر خاتم الانبیاء رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مبعوث ہوئے۔ یہ نظامِ حیات زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے اور رہتی دنیا تک کے لیے ہے۔ اس قانونِ زندگی میں ہر طبقہ کا پورا پورا لحاظ و خیال رکھا گیا ہے بادشاہ و گدا، امیر و غریب، حاکم و محکوم، بڑے چھوٹے، مرد و عورت سبھوں کے حقوق پر مشتمل ہے۔

اس قانونِ اسلامی میں امن و سلامتی، ہمدردی و رواداری اور اخوت و مروت بھی ہے اور عدل و مساوات اور باہمی تعلقات کی پاسداری بھی، حکمراں طبقہ کی ذمہ داریوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے اور محکوم رعایا کے حقوق کی بھی، کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس روئے زمین پر سرمایہ دار، خوش حال اور فارغ البال بھی بستے ہیں اور محتاج، مزدور اور خستہ حال بھی، چنانچہ آپ جب کسی شہر میں جاتے ہیں تو جہاں بلند و بالا محل اور کوٹھیاں دیکھتے ہیں وہیں ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں کا لمبا سلسلہ بھی، سڑکوں پر جیسے زرق و برق لباس و پوشاک والے دیکھنے میں آتے ہیں وہیں پھٹے پرانے اور چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے مزدور اور محنت کش بھی۔

اس قانونِ ربانی میں دونوں طبقوں کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، کسی ایک کو دوسرے کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا گیا ہے۔ "عشر و خراج" بھی دراصل اسی قانونِ الٰہی کا ایک اہم جزء ہے جس طرح زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے اسی طرح عشر و خراج کی ادائیگی بھی، عشر و خراج کا تعلق زمین اور زمین کی پیداوار سے ہے۔

جسے اسلام نے کسانوں اور کاشت کاروں پر لازم قرار دیا ہے، اسلامی حکومت عشر وصول کر کے غریبوں میں اس کی تقسیم کو لازم قرار دیتی ہے تاکہ وہ بھی دنیا کی راحتوں سے محروم نہ رہنے پائیں اور اپنی زندگی کے ایام حسن وخوبی کے ساتھ گذارنے پر قادر ہوں اور خراج کی رقم وصول کر کے ملکی مفاد اور رفاہی کاموں پر خرچ کرنے کا حکم دیتی ہے۔

عشر کے سلسلہ میں ارشاد خداوندی ہے:

یاایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض۔ (البقرہ)

اے ایمان والو! تم خرچ کرو اپنی پاک کمائی سے اور اس چیز سے جو ہم نے زمین سے تمہارے واسطے پیدا کیا۔

دوسری آیت ہے:

وآتوا حقه یوم حصاده (الانعام)

اور ادا کرو اس کا حق جس دن تم اس کو کاٹو۔

ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ زمین کی پیداوار میں غریبوں کا حق ہے جس کا نکالنا زمین کے مالکوں اور پیداوار حاصل کرنے والوں کے لیے ضروری ہے اور اس کے نکالنے میں تاخیر نہ ہو جس دن غلہ کاٹ کر لاؤ اور ماش کرو اسی وقت نکال دیا کرو اور مستحقین کو پہنچا دیا کرو۔

زمین کی پیداوار سے جو دسواں حصہ نکالا جاتا ہے اسے اصطلاح شریعت میں عشر کہتے ہیں عشر کے معنی دسواں حصہ ہے جس کی تفصیل حدیث میں آئی ہے کہ بعض پیداوار میں دسواں حصہ ہے اور بعض میں بیسواں حصہ۔ حدیث نبوی ہے:

"ما سقت السماء ففیه العشر وما سقی بغرب او دلو لیسقی ففیه نصف العشر"

جو زمین آسمانی پانی سے سیراب ہو یا دریا اور قدرتی ندیوں سے اس میں دسواں حصہ ہے اور جس زمین کی پیداوار ڈول وغیرہ سے سینچی ہے اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کبھی پیداوار صرف بارانی اور قدرتی پانی سے ہوتی ہے اور کبھی پیداوار کی کنویں اور سرکاری نہروں سے سینچائی ہوتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب سینچائی پر خرچ نہ ہو تو دسواں حصہ غریبوں کے لیے نکالا جائے

اور جب یعنی پیداوار میں ترقی آئے تو بیسواں حصہ۔ اصطلاح فقہ میں ان دونوں کی تعبیر عشر یا نصف عشر سے کی گئی ہے مگر عشر اور نصف عشر کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ زمین کا مالک مسلمان ہو اور وہ زمین ابتداء سے عشر نکالنے کے وقت تک مسلمان کے قبضہ میں رہی ہو کسی کافر کے قبضہ میں نہ گئی ہو۔

أحدهما الاسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق الا على مسلم بلا خلاف لان فيه معنى العبادة والكافر ليس من أهل وجوبها ابتداء فلا يبتدأ به عليه۔ (1)

اگر کوئی کافر مسلمان سے عشری زمین خریدے گا اور مالک ہو جائے گا تو پھر وہ زمین عشری باقی نہیں رہے گی بلکہ خراجی ہو جائے گی۔

حتى ان الذمي لو اشترى أرض عشر من مسلم فعليه الخراج۔ (2)

عشر کو زکوٰۃ الارض بھی کہا گیا ہے یعنی جس طرح زکوٰۃ میں عبادت کا پہلو پایا جاتا ہے عشر میں بھی پایا جاتا ہے۔ عشری زمین کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہوتا ہے اور اس میں حولان حول کی شرط نہیں ہے بلکہ جب بھی غلہ پیدا ہوگا عشر نکالا جائے گا خواہ ایک زمین میں سال میں کئی مرتبہ غلہ پیدا ہو ہر مرتبہ میں نکالنا ضروری ہے۔ غلہ کوئی بھی قسم ہو کسی خاص غلہ کی قید نہیں ہے۔ اگر کسی خاص وجہ سے زمین آباد نہیں ہو سکی اور غلہ پیدا نہیں ہوا تو اس وقت عشر نکالنا واجب نہیں قرار دیا گیا ہے اسی طرح زمین کی کاشت کی گئی مگر کسی آفت کی وجہ سے غلہ نہیں پیدا ہوا تو بھی عشر لازم نہیں ہے۔ اس میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کوئی مقرر نصاب بھی نہیں ہے کم و بیش جتنا ہو سب میں عشر نکالنا ہوگا پھر غلہ یا پھل ایسا ہو جو سال بھر نہ رکے تو اس میں بھی عشر ہے۔

بلا شرط نصاب وبقاء وحولان حول لان فيه معنى المؤنة ولذا كان للامام أخذه جبرا ويؤخذ من التركة۔ (3)

اس میں قرض بھی وضع نہ ہوگا جیسا کہ زکوٰۃ میں ہے۔ اور نہ بالغ اور عاقل ہونے کی شرط ہے۔ نابالغ اور مجنون کی زمین کی پیداوار میں بھی عشر نکالا جائے گا اور مقروض کی زمین کی پیداوار میں بھی۔

---

(1) بدائع الصنائع ۲/۵۶ (2) ایضاً (3) درمختار

ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون ومأذون ووقف۔

وقف کی زمین کی پیداوار میں بھی عشر نکلے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین کا مالک ہونا بھی عشر کے لیے شرط نہیں ہے جو زمین کا مالک نہیں ہے اور اس نے زمین میں غلہ پیدا کیا ہے اس میں بھی عشر ہے۔

ثم ہو وقف افاد ان ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملک الخارج لانہ یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملکہ لہا وعدمہ سواء۔ (١)

جو پیداوار خود رو اور جنگل کے طور پر ہوتی ہیں ان میں عشر نہیں ہے۔

الا فیما لا یقصد بہ استغلال الارض نحو حطب وقصب وحشیش وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمی واشنان وشجر قطن وباذنجان وبزر بطیخ وقثاء وادویۃ کحلبۃ وشونیز۔ (٢)

کسی نے کسی کو عاریتاً عشری زمین دے رکھی ہے اور وہ اس زمین سے غلہ پیدا کرتا ہے تو اس پیداوار میں بھی عشر ہے جو غلہ لے گا وہ عشر بھی نکالے گا۔ اسی طرح کسی نے دوسرے کی عشری زمین کرایہ اور اجارہ پر لے رکھی ہے اور وہ اس زمین میں غلہ پیدا کرتا ہے تو اس پیداوار میں بھی عشر اور نصف عشر ہے، البتہ بعض صورتوں میں مالک زمین پر عشر نہیں ہے بلکہ مستاجر پر ہے جو غلہ پیدا کرتا ہے۔ اگر کوئی زمین مساجد و مدارس اور خانقاہوں پر وقف ہے مگر ہے عشری اور اس زمین سے پیداوار حاصل کی جاتی ہے تو اس پیداوار میں بھی عشر ہے۔

وکذلک الخارج من ارض موقوفۃ علی الرباطات والمساجد یجب فیہا العشر۔ (٣)

اسی طرح عشری زمین اگر کسی نے کسی کو بٹائی پر دے رکھی ہے اور وہ اسے آباد کر کے پیداوار حاصل کرتا ہے تو اس پیداوار میں بھی عشر نکالا جائے گا۔ جتنا غلہ بٹائی دار کے حصہ میں آئے گا اس کا عشر وہ نکالے گا اور جتنی مقدار مالک زمین کے حصہ میں آئے گا اس کا عشر وہ دے گا۔

(٤)
وفی المزارعۃ ان کان البذر من رب الارض فعلیہ ومن العامل فعلیہما بالحصۃ۔

---

(١) درمختار (٢) بدائع الصنائع (٣) درمختار (٤) المبسوط ج٣ (٥) درمختار

لما فی البدائع من ان المزارعة جائزة عندهما والعشر یجب فی الخارج والخارج

بینهما فیجب العشر علیهما ۔ (۱)

کسی نے زمین بہ نیت تجارت خریدی لیکن اس نے اس عشری زمین میں غلہ بودیا اور غلہ حاصل کیا تو اس صورت میں غلہ سے بھی اس کو عشر ادا کرنا ہوگا اب اس پر تجارت کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

اگر عشری زمین کی لگی ہوئی فصل بیچی ہے تو دیکھا جائے گا کہ فصل پکی ہوئی ہے یا کچی ہے۔ اگر پکی ہوئی ہے تو اس کا عشر بیچنے والے پر ہوگا اور اگر کچی تھی تو خریدار کے ذمہ عشر ہوگا۔

عشری زمین کا اگر کبھی غلہ ضائع ہو جائے یا چوری چلا جائے تو جتنا حصہ ضائع ہو چکا ہے یا چوری گیا ہے اتنے کا عشر ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

زمین آباد کرنے سے پہلے اس زمین کی پیداوار کا عشر نکالنا قبل از وقت جائز نہیں ہے، البتہ زمین کے آباد کر دینے اور پودوں کے نکلنے کے بعد عشر دے گا تو جائز ہوگا، پھلوں کا بھی یہی حکم ہے، جب تک ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک اس کا عشر نکالا نہ جائے گا۔

اس طرف اشارہ گذر چکا ہے کہ جس پیداوار میں سینچائی کنئیں یا سرکاری نہر وغیرہ سے ہو جس میں اخراجات ہوتے ہیں ایسی زمینوں کی پیداوار میں عشر کے بجائے نصف عشر ہے۔

ویجب نصفه فی مسقی غرب او دلو کبیر لکثرة المؤنة وفی کتب الشافعیة أو سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لا تأباه الخ بلا رفع مؤن الزرع وبلا اخراج البذر (۲)

لان العلة فی العدول عن العشر الی نصفه فی مسقی غرب ودالیة هی زیادة الکلفة کما علمت وهی موجودة فی شراء الماء۔ الخ. فلو اشتری ماء بالقرب أو فی حوض ینبغی أن یقال بنصف العشر لان الکلفة ربما تزید علی سقی بغرب أو دالیة ۔

لیکن کھیتی میں جو دوسرے اخراجات ہوتے ہیں وہ وضع نہیں ہوں گے، جیسے بونے، حفاظت

(۱) رد المختار (۲) در مختار (۳) رد المختار

نے بیلوں اور مزدوروں کے اخراجات اسی طرح قیمت تخم وغیرہ عشر سے منہا نہیں ہوں گے بلکہ کل پیداوار سے عشر نکالا جائے گا۔

عشر ایسا ضروری حق ہے کہ سلطان اور حکومت کے معاف کر دینے سے بھی معاف نہیں ہوتا ہے کیوں کہ عشر نکالنے کا حکم رب العالمین کا حکم ہے لہٰذا ہر حال میں عشر نکلے گا، سوائے خاص صورتوں کے جس کا ذکر ہو چکا۔

اگر کوئی ملک صلح سے فتح ہوا ہے اور اس کے بسنے والوں نے اسلام قبول کر لیا ہے، تو ان کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں چھوڑ دی جائیں گی۔ ان زمینوں کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا جیسے مدینہ طیبہ کی زمین اور یمن کے باشندوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، اور جب آپ تشریف لے آئے تو سبھوں نے آپ کی اطاعت قبول کی، اس لیے یہاں کی زمین عشری قرار پائی اور مسلمانوں کا برابر اس پر عمل رہا۔

یا کوئی ملک قہر و جنگ سے فتح ہوا اور امیر المومنین نے قاعدے کے مطابق مال غنیمت کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے اور پانچواں حصہ بیت المال کے لیے مخصوص کر لیا، وہ چار حصے جو مجاہدین کے قبضے میں گئے اس پر عشر واجب ہوا، جیسے خیبر کی زمینوں کو آپ نے مجاہدین پر تقسیم فرما دیا، اور ان پر عشر لازم کیا گیا۔

یا جنگل پہاڑ کی زمین جو کسی کی ملک نہیں تھیں اور نہ قابل کاشت تھی بعد میں امیر المومنین نے اسے قابل کاشت بنانے کی سعی کی، جتنی زمینوں کو مسلمان نے قابل کاشت بنایا وہ عشری ہوں گی اور اس زمین کی پیداوار میں عشر لازم ہوگا۔

اگر کسی زمین کی سینچائی کچھ تو بارش کے پانی سے ہوتی ہو اور کچھ کنویں یا سرکاری نہر سے جس میں اجرت دینا ہوتی ہے تو اس میں اکثر کا اعتبار ہوتا ہے، اگر اکثر سینچائی نہر سے ہے تو نصف عشر ہے اور اگر اکثر بارش کا پانی ہے تو عشر ہے اور اگر برابر برابر ہے تو اس صورت میں آدھی پیداوار کا عشر واجب ہوگا، اور آدھی کا نصف عشر۔ (نور الایضاح وغیرہ ... ص)

اگر عشری زمین کا ٹیکس حکومت خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم لیتی ہے تو اس ٹیکس کی وجہ سے عشر معاف نہ ہوگا بلکہ مالکان کو الگ سے عشر ادا کرنا ہوگا، جیسے انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس دینے سے زکوٰۃ معاف نہیں ہے۔

اسی طرح عشری زمین کی مال گذاری ادا کرنے سے بھی عشر معاف نہیں ہوتا۔

پہلے ضمنی طور پر یہ بات آچکی ہے کہ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک عشری زمین کی کوئی خاص نصاب مقرر نہیں ہے جیسا کہ مال تجارت وغیرہ میں نصاب ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں حکم مطلقاً ہے کہ زمین میں تم جو پیدا کرو اس میں عشر نکالو۔ بعض دوسرے ائمہ نے پیداوار میں نصاب مقرر کیا ہے اور وہ پانچ وسق ہے، جس کا وزن یہاں کے حساب سے چھبیس من ستائیس سیر بارہ چھٹانک ہوتا ہے یعنی جو اس سے کم غلہ پیدا کرتا ہے اس پر عشر اور نصف عشر نہیں ہے۔

مگر احناف کم ہو یا زیادہ تمام پیداوار میں عشر کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں، جس طرح مستحقین کو تملیکاً دینا ضروری ہے یہاں بھی اسی طرح دینا لازم ہے لہٰذا غیر مستحقین کو دینے سے عشر ادا نہ ہوگا۔

احناف کے یہاں سبزی ترکاری اور میوہ میں بھی عشر لازم ہے بشرطیکہ مالک نے محنت کر کے اگایا ہو اور کھیت میں لگا کر حاصل کیا ہو، خودرو میں عشر نہیں ہے۔

جو زمین عشری نہیں ہے یعنی وہ ملک فتح ہونے کے بعد ذمیوں کے قبضہ و دخل میں زمین چھوڑ دی گئی ہو یا صلح سے فتح حاصل ہوئی اور زمین کافروں کے قبضہ میں رہنے دی گئی اس میں عشر کے بجائے خراج ہے یا عشری زمین تھی مسلمان نے کافروں سے بیچ دی تو اس میں بھی خراج واجب ہے عشر واجب نہیں ہے اس لیے کہ کافر پر عبادت نہیں ہے۔

خراج کی دو قسمیں ہیں ایک خراج مقاسمہ دوسری خراج مؤظف، خراج مقاسمہ بٹائی کے طور پر ہے کہ خراج غلہ (پیداوار) میں ہے جیسے پیداوار کا نصف حصہ یا تہائی حصہ یا چوتھائی حصہ اور خراج مؤظف نقد ہے یعنی جس قدر نقد رقم طے کر دی ہے۔

فتح کے وقت جو خراج طے کر دیا گیا ہے ہمیشہ وہی دینا ہوگا، اس کا بدلنا درست نہیں، جہاں خراج مقاسمہ طے پا گیا ہے وہی دینا ہوگا اور جہاں مؤظف (نقد) طے ہوا ہے وہی دینا ضروری ہے۔ ایک کو دوسرے سے بدلنا درست نہیں ہے۔

اگر خراجی زمین میں سیلاب یا خشک سالی کی وجہ سے پیداوار نہ ہوئی ہو تو خراج معاف ہو جائے گا، البتہ اگر اس کی زمین قابل کاشت ہے کوئی آفت نہیں ہے مگر اپنی کوتاہی اور غفلت سے

قصداً کاشت نہیں کیا تو اس وقت خراج معاف نہ ہوگا، نقد خراج وصول کیا جائے گا۔ خراج مقاسمہ میں ایسے وقت میں غلہ معاف ہو جائے گا کیوں کہ غلہ کا تعلق پیداوار سے ہے اور پیداوار ہوئی نہیں ہے تو غلہ کہاں سے دے گا۔

خراجی زمین سے سال میں کئی فصل نکال جائے تو نقد کی صورت میں ایک ہی خراج ہوگا اس میں کوئی اضافہ نہ ہوگا، زمین جب خراجی ہو گئی تو اگر کوئی مسلمان اس زمین کو خریدے گا تو وہ سابق بدستور خراجی ہی رہے گی اور مسلمان سے خراج ہی لیا جائے گا۔

خراجی زمین میں اگر غلہ طے ہے اور اسے مالک نے بٹیداری پر دے دی ہے تو یہ دونوں پر لازم ہے، اپنے اپنے حصہ کا خراج نکالے گا، اور اگر خراج نقدی ہے تو نقد خراج مالک کے بجائے مستاجر ادا کرے گا۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم نے خراج مقاسمہ میں پیداوار کا پانچواں حصہ مقرر کیا تھا، خراج کی آمدنی ملک کے مفاد عامہ پر خرچ ہوگی، جیسے فوج کے اخراجات، عمال حکومت کے مشاہرے، علماء، مفتیوں اور قاضیوں کے وظیفے اسی طرح سڑکوں کے بنانے پلوں کے بنانے اور ان کی مرمت پر خرچ ہوگا، اس لیے خراج کی رقم مال گذاری دے کر سبک دوشی ہو سکتی ہے۔

اس وقت ہندوستان کی زمین کے سلسلہ میں مختلف علماء کے مختلف اقوال ملتے ہیں، مگر سبھوں کو سامنے رکھ کر یہ کہا جائے گا کہ یہاں کی جو زمینیں نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں کے قبضہ میں چلی آرہی ہیں اور کسی زمانہ میں اس پر کافروں کی ملکیت کا ثبوت نہیں ہے اور وہ یقینی طور پر عشری ہیں اور ان زمینوں کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہے اور جن زمینوں پر کسی زمانہ میں بھی کافروں کی ملکیت ثابت ہے اور ان سے منتقل ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئی ہیں وہ خراجی ہیں۔

آزاد ہندوستان میں چوں کہ تمام زمینوں نے اپنا تسلط قائم کر لیا جو زمین داروں کے قبضہ میں تھیں اور پھر آزاد حکومت نے وہ زمینیں کاشت کاروں میں تقسیم کی ہیں معاوضے کر یا بلامعاوضہ وہ ساری زمینیں خراجی قرار پائیں گی، عشری باقی نہیں رہیں۔

اسلام کا نظام عشر و خراج

از: ——— مفتی عزیز الرحمٰن مدنی دار الافتاء بجنور

حامداً و مصلیاً، اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

انفقوا من طیبات ما کسبتم و مما أخرجنا لکم من الارض۔

اپنی پاکیزہ کمائیوں میں سے خرچ کرو اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے۔

مذکورہ آیت میں ما کسبتم سے مراد مال تجارت ہے اور مما أخرجنا لکم من الارض سے مراد عشر ہے۔

وآتوا حقہ یوم حصادہ ——— اور اس کا حق کٹائی کے دن ادا کرو۔

اس آیت میں بھی مراد عشر ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے،

ما اخرجت الارض ففیہ العشر ——— جو چیز زمین سے پیدا ہو اس میں عشر ہے۔

عشر در حقیقت زمینی پیداوار کی زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ کی شرح فی صد ۲،۵ یعنی ڈھائی فی صد ہے جب کہ عشر کی شرح فی صد ۱۰ ہے۔ عشر صرف ان ہی زمینوں کی پیداوار پر ہے جو فقہی تفصیلات کے مطابق عشری ہوں اور عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے کیونکہ اس میں صدقہ کا مفہوم موجود ہے ایک حدیث جس کو ابراہیم نخعی نے روایت کیا ہے۔

وفی کل ما اخرجت الارض صدقۃ۔ (کتاب الحجۃ ص۳۰)

ہر وہ چیز جس کو زمین پیدا کرے صدقہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عشر میں صدقہ کا مفہوم موجود ہے اور یہ صرف مسلمانوں پر ان کی زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اور اس کا مصارف بھی صرف مسلمان ہیں(۱)، جب کہ خراج کا مصرف مفاد عامہ ہے کیونکہ خراج کی حقیقت زمین کے لگان جیسی ہے پیداوار پر اس کا انحصار نہیں ہے۔

نصف عشر

عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما سقت الانہار والغیم العشر وفیما سقی بالسانیۃ نصف العشر (۲)

جس کو نہریں اور بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے اور جس کی سانیہ سے سیرابی ہو، اس میں نصف عشر ہے۔

اس معنی پر مشتمل احادیث بخاری اور ابن ماجہ اور ابوداؤد میں مروی ہیں اس سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرق غالباً اس وجہ سے ہے پیداوار میں قلت مشقت اور کثرت کا اعتبار رکھا گیا ہے امام شمس الدین سرخسی رحمہ نے بیان فرمایا ہے:

جعل بعض ما تخرجه بقية المؤنة فيما سقته السماء وكثرت المؤنة فيما سقي بغرب او دالية ـ

اس کے بعد ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

هذا تقدير شرعي فنتبعه ونعتقد فيه المصلحة الخ (۳)

یہاں تک دو مقدار شرعی حاصل ہوئی ہیں جن کا حاصل اس قدر ہے کہ مشقت اور عدم مشقت سے پیداوار کی زکوٰۃ پر اثر واقع ہوتا ہے، موجودہ زمانہ میں طریقہ آب پاشی اگرچہ بیشتر مقامات پر وہ نہیں ہے جو قدیم زمانہ میں تھا لیکن ریگستانی علاقوں میں اب بھی قدیم طریقہ آب پاشی جانوروں کے ذریعے پانی لانا ہے، امام محمد رحمہ کی تشریح کے مطابق اس فرق کا نتیجہ اس جگہ ظاہر ہوتا ہے۔

ولا تحتسب منه اجرة العمال ولا نفقة البقر اذا كان يسقي سيحا الخ

---

(۱) قال في بدائع اما سبب فرضيته فهو الارض النامية حقيقة ۲/۵۴

(۲) کتاب الخراج ص۶۱ (۳) فقہاء کے نزدیک دونوں مشقتوں کا اطلاق ہوتا ہے (۴) مسلم [illegible]

تسقیه السماء وان کان یسقی بغرب او دالیة او سانیة ففیه نصف العشر[1]
وفی التاتارخانیه : وکل شیء اخرجته الارض لایحتسب فیه اجرة العمال
ونفقة البقر الخ ۔ ولا یحتسب لصاحب الارض ما انفق علی الغلة من
سقی او عمارة او اجرة حافظ بل یجب العشر فی جمیع الخارج ۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ کاشت کاری کے اخراجات عشر اور نصف عشر میں منہا نہیں ہوتے ہیں البتہ سیرابی کی دشواریوں کا ضرور لحاظ رکھا گیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں طریقہ آب پاشی اور کھاد وغیرہ سے جہاں مصارف میں اضافہ ہوا ہے وہاں پیداوار میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اس لیے نص قرآنی یوم حصادہ اور احادیث اور حضرات ائمہ کی تشریحات کے مطابق عشر مطلقاً پیداوار پر ہے اسے اخراجات سے تعلق نہیں ہے یہ تو پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔ اخراجات بمنزلہ قرضہ بھی نہیں ہیں کہ ان کو وضع کیا جا سکے۔(۳) یہ بات دیگر ہے کہ زمین کی پیداوار پر واجب ہوگا یا نہیں اس کا بیان آگے آتا ہے۔

زمین کی پیداوار

اس بارے میں بہت تفصیل ہے لیکن امام ابوحنیفہ اور صاحبین سے اس بارے میں دو اصول معلوم ہوتے ہیں ان ہی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ حضرت امام فرماتے ہیں:

۱ ـــــ ثم الاصل عند ابی حنیفة رح ان کل ما یستنبت فی الجنان ویقصد به استغلال الاراضی ففیه العشر اھ

۲ ـــــ والاصل عند ابی یوسف و محمد رح ان ماله ثمرة باقیة مقصودة ففی شیء منه کالبقول والخضروات والریاحین انما العشر فیما له ثمرة باقیة مقصودة واحتجا جانبیه بحدیث لیس فی الخضروات صدقة ۔ (۴)

---

(۱) کتاب الحجه ۱/۴۵ (۲) ۲/۲۳۰ (۳) واذا اخرجت الارض العشریة طعاماً وعلی صاحبها دین کثیر لم یسقط عنه العشر وکذالک الخراج لان الدین یعدم غنی المالک بما فی یدہ۔ (۱/ مبسوط ۲/۲)

(۴) مبسوط ۲/۳

حتى اسلمت ثانية ارضها دار من دور الاعاجم قد ظهر عليها الامام وتركها
في ايدي اهلها فهي ارض خراج وقسمها بين الذين غنموا فهي ارض عشر[1]

خلاصہ یہ ہے کہ زمین کا مدار اس پر ہے کہ وہ کس طرح حاصل ہوئی ہے۔ جنگ کے ذریعہ یا صلح کے ذریعہ، اگر جنگ کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں تو زمین کو مالک کے حوالہ کر دیا گیا یا مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، اگر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا تو عشری ہیں اور اگر کافروں کے پاس ہی رہنے دیا گیا تو صلح اور شرائط کے مطابق خراجی ہیں۔ غرض کہ اول مرتبہ میں زمین کی جو حیثیت ہے وہ ہمیشہ برقرار رہے گی۔ البتہ اگر کسی مسلمان نے خراجی زمین خریدلی اور پھر کاشت کی تو اس پر عشر بھی ہے پیداوار پر اور زمین کا ٹیکس بھی ہے[2] لیکن اگر کوئی کافر مسلمان سے عشری زمین خرید لیتا ہے تو اس پر عشر نہیں کیونکہ عشر میں عبادت کا مفہوم ہے، اور کافر اس کا اہل نہیں ہے۔ (اس باب میں ذرا تفصیل ہے)۔

اس کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ غیر منقسم ہندوستان کی اراضی انگریزوں کے قبضہ سے تک اور اس سے قبل مسلم قیام حکومت کے زمانہ اور اس سے قبل محمد بن قاسم کے دور حکومت اراضیوں کا حال مذکورہ بالا اصول کے تحت ہے، جو زمینیں خراجی تھیں وہ خراجی اور کچھ زمینیں عشری قرار پائیں۔ انگریزی دور اقتدار میں مسلم زمین داروں کی اراضیوں پر ہمارے اکابر علماء نے احتیاطاً عشر لازم کرتے آئے ہیں۔ لیکن انقلاب آزادی کے بعد پاکستانی اراضیوں کا معاملہ اتنا گنجلک نہیں ہے بلکہ صاف ہے وہاں کی اراضیوں کا حکم عشری ہے لیکن ہندوستان کی اراضیوں کے بارے میں یہ فکر ہے کہ بھوری دھرتی کو برطانوی استیلاء جابرانہ قرار دیا تھا اب مسلم کاشت کار جو دس گنا دے کر نک قرار پا چکے ہیں ان کے بارے میں یہ پتا لگانا کہ فلاں زمین کی اول مرتبہ کیا حیثیت تھی انتہائی دشوار اور ناممکن ہے، اور یہی طے کرنا ہے کہ مسلم اراضیوں سے ہے پر عشر واجب قرار دیا جائے یا نہ قرار دیا جائے۔

---

(1) کتاب الخراج ۱/۶۹

(2) صاحب ہدایہ نے ایک حدیث روایت کی ہے: لا يجتمع عشر وخراج في ارض مسلم یعنی مسلمان صرف عشری ہوگا۔ علامہ عینی نے آخر میں سے صحیح مع نقل کی ہے اور حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ ۲/۱۳۲.. مطبوعہ مصر۔

اراضی موقوفہ

مذکورہ بالا معاملہ طے ہونے پر یہ طے ہونا آسان ہے کہ اراضی موقوفہ پر عشر ہے یا نہیں۔ اصولاً طور پر اراضی موقوفہ عشر سے مستثنیٰ نہیں ہیں، علامہ سرخسی نے ارشاد فرمایا ہے،

فالعشر مؤنة الارض النامية كالخراج والمكاتب والعبد فيه سواء وكذلك الخارج من اراضي الموقوفة على الرباطات والمساجد يجب فيه العشر عندنا۔ (١)

والله تعالى اعلم بالصواب

ہندوستان میں عشری یا خراجی زمین

اسلام میں بندوبست اراضی یا زمین و جائداد کا انتظام اس پر موقوف ہے کہ کوئی ملک مسلمانوں کے قبضہ اقتدار میں کس طرح داخل ہوا ہے، اگر کوئی صلح کے ذریعہ فتح ہوا ہے تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے ساتھ ہوں گے جن پر معاہدہ صلح ہوا ہے، اگر صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ زمینوں کے مالک وہی رہیں گے جن کے قبضہ میں زمین ہے اور اپنے مذہب پر برقرار رہتے ہوئے ان کی زمینوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا، تو زمینیں خراجی ہوں گی اور خراج کی جو شرح بھی ان پر عائد کی جائے گی وہی رہے گی۔ لیکن اگر ملک کو صلح سے نہیں بلکہ قہر و غلبہ سے فتح کیا ہے اور امام و خلیفہ یا افسر اعلیٰ نے ان اقوام کو ان کے مذہب پر رکھتے ہوئے زمینوں کو ان کے پاس ہی رہنے دیا تو بھی یہ اراضی خراجی رہیں گی، خراج کی جو بھی شرح مقرر ہو جیسے حضرت فاروق اعظم رضی نے شام، عراق، مصر کی زمینوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا، بجز محدود حصے کے کہ ان قطعات کو مسلمانوں کو دے دیا گیا تھا یا بیت المال میں داخل کر لیا گیا تھا تو وہ زمین عشری قرار پائیں۔

ان مذکورہ اقسام کے علاوہ سب زمینیں عشری قرار پائیں گی۔ امام ابو یوسف رح نے کتاب الخراج میں اور فتاوی تاتارخانیہ میں اس کو تفصیل سے تحریر فرمایا ہے۔

وكذلك كل ارض اسلم عليها اهلها طوعا وفي الصحيحة بلا قتال ولله ـــية

---

(١) المبسوط ٣/٢

فی سنة ثلاث وتسعین ایام خلافة الولید بن عبد الملک

فتحت دیبل ولا تسئل عن کثیر من قتل فیها ۔ (۱)

۹۳ھ خلافت ولید بن عبدالملک کے زمانے میں دیبل فتح ہوا اور وہ سندھ کے بڑے

قصبات میں تھا۔

اوپر مذکور ہوتے تمہیدی مضمون کے پیش نظر محمد بن قاسم نے جن شہروں کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا اور ان کو مالکان زمین کے پاس رہنے دیا ان پر خراج لگا دیا گیا اور کچھ علاقہ (مثلاً راجستھان کا کچھ حصہ) صلح کے ذریعہ فتح کیا اس کو شرائط صلح کے مطابق انکا ان کے پاس رہنے دیا اس پر بھی خراج لگادیا گیا۔

مورخ بلاذری نے راجہ داہر کے پایہ تخت برہمن آباد کے متعلق لکھا ہے کہ یہاں کے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ انکی زمینیں انکے پاس رہنے دیا گیا ان پر عشر مقرر ہوا۔ مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم نے جواہر الفقہ میں لکھا ہے:

"ولید بن عبدالملک کے آخری دور میں جب اسلامی حکومت کی گرفت سندھ پر کمزور پڑ گئی تو راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ پھر بغاوت کر کے برہمن آباد پر قابض ہو گیا اور خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ اسی طرح سندھ کی دوسری ریاستوں کے راجہ بھی باغی ہو کر خود مختار بن گئے۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا دور آیا تو انھوں نے ان راجاؤں کے نام خطوط لکھے جن میں اول ان کو اسلام کی دعوت دی گئی اور پھر اطاعت کی۔ راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ اس دعوت سے اتنا متاثر ہوا کہ اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح دوسرے راجہ بھی مسلمان ہو گئے۔ اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انھیں راجاؤں کو ان ریاستوں کا والی مقرر کر کے ان کی تمام اراضیوں پر ان کی ملکیت برقرار رکھی اس لئے وہ سب اراضی عشری قرار پائیں۔ (۲)

محمد بن قاسم کے بعد سے لے کر محمد غوری کے زمانہ اور ان کے نائب السلطنت شمس الدین التمش کے زمانے تک ایک طویل زمانہ ہے۔ اس درمیانی فاصلہ میں ہندوستان میں اسلامی ریاستوں کا وجود اور سندھ کے علاقہ میں مسلمانوں کا وجود مشکوک سا معلوم ہوتا ہے۔ تاہم کچھ شہادتوں سے

---

(۱) تاریخ الخلفاء (۲) جواہر الفقہ ۲/۲۶۴

یہ بات حقائق سے ثابت ہے کہ تاریخ ہند میں اس طرح کا اجتماعی قبولِ اسلام یا ارتداد ہوا ہے ، ہمارے اس قیاس کی غمازی مفتی صاحب کے اس جملے سے بھی ہوتی ہے ،

"لیکن ظاہر یہی ہے کہ عام اراضی ہندوستان کو عشری کہنا قول ضعیف ہے ۔" (۱)

ہندوستان میں دہلی کے تخت پر غلام خاندان ، تغلق اور خلجی خاندان اور پھر لودی اور مغل خاندان کی حکومت رہی ہے ، تمام حکومتوں کے تاریخی واقعات سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ پورے ملک پر مسلمانوں کی حکومت رہی ہے ، تمام حکومتوں کے تاریخی واقعات سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ پورے ملک پر مسلمانوں کی حکومت بزور شمشیر نہیں بلکہ بزور صلح رہی ہے ، یہاں کی آبادی کا تناسب یہی بتلاتا ہے ۔ اراضی کے بندوبست کے بارے میں علاء الدین خلجی ، محمد تغلق ، شیر شاہ سوری ، جلال الدین محمد اکبر کے دور حکومت میں کچھ ذکر ملتا ہے ، اجتماعی طور پر یہ چیز ثابت ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے زمینوں کا معاملہ اس اصول پر رکھا ہے جو جس زمین کا مالک ہے وہ اسی کی ہے ، اسی طرح ریاستوں کی مجموعی تعداد اور اوقاف و جاگیرداری سے یہ ثابت ہے کہ بیشتر زمین خراجی رہی ہے اور عشری کم رہی ہے ، مغل خاندان کے بعد انگریزوں کا زمانہ آیا تو انھوں نے بھی زمین کا لگان مقرر کیا ، اس طرح کاشتکاری کے میدان میں دوسرے لوگوں کا زیادہ حصہ اور مسلمانوں کا حصہ کم رہا ، آزادی ہند کے بعد جب ملک کی تقسیم ہوگئی تو جس اصول کے تحت ریاستوں اور رجواڑوں کو ضم کیا گیا اسی طرح بڑے بڑے زمینداروں کا بھی خاتمہ ہو گیا ، زمینوں کا دس گنا لگان وصول کرکے زمینوں کا کاشتکاروں کو مالک بنا دیا گیا جس کو بھومی دھری کہا جاتا ہے ، زمینداروں کے پاس وہی زمینیں باقی رہیں جو خود ان کے زیر کاشت تھیں یا جن میں باغات تھے ، اس باب میں بھی قدرتی طور سے مسلمانوں کے پاس یہ حق بھی کم ہی پہونچا کیوں کہ مسلمانوں کی آبادی کا معتد بہ حصہ جو پیشہ ور برادریاں تھیں زمینیں ان کی تعداد زیادہ ہے وہ کاشتکار نہیں تھے ، بہر حال اس وقت جو مسلمان کاشتکار ہیں وہ بھومی دھری قانون کے تحت زمینوں کے مالک ہیں ، دوامی زمینیں کہیں کہیں اور جو کچھ ہیں بھی وہ فروخت ہوکر دوسروں کے پاس جا رہی ہیں ۔

بھومی دھری کے باوجود کاشتکاروں پر گورنمنٹ کی طرف سے لگان بھی مقرر ہے ، اس سے ہیں

---

(۱) جواہر الفقہ ۲/۲۷۵

ہندو، مسلمان سب برابر ہیں، اس کے علاوہ زمین کی پیداوار اب صرف برسات کی بارش یا دریاؤں کی آب پاشی پر موقوف نہیں ہے بلکہ ٹیوب ویل اور نالیوں کے ذریعے آب پاشی ہوتی ہے پیداوار زیادہ کرنے کے لیے مختلف قسم کے کھاد بھی چل پڑے ہیں کھیتوں کی حفاظت کے لیے کرم کش دوا کا استعمال بھی ہوتا ہے بہرحال پیداوار بھی بڑھی ہے اور اس پر اخراجات بھی بڑھے کھیتی کے لیے زمینوں کی تقسیم اور اس کی وصول یابی کی کوئی شرح، غرض کاشت کاری بھی ایک ذریعہ تجارت ہے جتنا اس پر خرچ کیا جائے اسی نسبت سے پیداوار میں اضافہ ہوگا اور اسلام کا قاعدہ یہ ہے۔

کل شیء اخرجتہ الارض لا یحتسب فیہ اجرۃ العمال ونفقۃ البقر ولا یحتسب لصاحب الارض ما انفق علی الغلۃ من سقی او عمارۃ او اجرۃ حافظ بل یجب العشر فی جمیع الخارج۔ (۱)

اس لیے میرے نزدیک ہندوستان میں عشری زمینوں کا یا عشری پیداوار کا وجود نہیں ہے بلکہ پیداوار سے جو حاصل ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ کا اصول جاری کیا جائے گا۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

---

(۱) التاتارخانیہ ۳۳/۲

عشر سے متعلق کچھ نئے مسائل

(محور اول)

از: ـــــــــــــــ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

عشری وخراجی اراضی

جمہور فقہاء کے نزدیک مسلمانوں کی زمین میں عشری اور خراجی کی کوئی تفصیل نہیں، مسلمان کی تمام ہی اراضی میں عشر ضرور واجب ہوگا، یہاں تک کہ ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی زمین میں خراج بھی واجب ہو اور اس کے ساتھ ساتھ عشر بھی۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر وخراج کا اجتماع نہیں ہو سکتا، اس لیے حنفیہ کے نزدیک عشری اور خراجی زمین کی تقسیم کی جاتی ہے۔

جمہور کے دلائل

جمہور کے دلائل پر امام نووی نے شرح مہذب میں تفصیل سے گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ اس طرح ہے:

(۱) عشر کے سلسلہ میں جتنی نصوص مروی ہیں وہ سب عام ہیں، اس میں عشری اور خراجی زمین کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔

(۲) عشر وخراج کے وجوب کے اسباب الگ الگ ہیں، عشر کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے اور خراج کا تعلق خود زمین کی ملکیت سے، گویا عشر کا تعلق پیداوار کے حصول سے ہے اور

خراج کا وجوب زمین سے انتفاع پر قدرت اور امکان سے ہے۔ عشر کے مصارف وہی آٹھ مدات ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں، جب کہ خراج کا مصرف فوجیوں، ملازمین اور ملک کے عام رفاہی کام ہیں۔ اس لیے یہ دو جداگانہ حقوق ہیں۔ اس لیے مسلمانوں پر تو عشر بہر صورت واجب ہوگا، اگر خراجی زمین ہے تو عشر کے ساتھ خراج بھی واجب ہو جائے گا۔

(۳) عشر کا وجوب کتاب وسنت کی صریح نصوص سے ثابت ہے، جب کہ خراج کا وجوب اجتہاد و قیاس پر مبنی ہے۔ لہٰذا ایک اجتہادی حکم ایک منصوص حکم کے لیے کس طرح مانع بن سکتا ہے؟"

حنفیہ کے دلائل

حنفیہ کے نقطۂ نظر پر امام ابوبکر جصاص رازی اور سرخسی نے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) ابن مسعود راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا: عشر و خراج ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتا ــــــ اس سے معلوم ہوا کہ جس زمین میں خراج واجب ہو اس پر عشر عائد نہیں ہوگا۔

(۲) حضرت عمرؓ نے بعض اسلام قبول کرنے والوں کے بارے میں لکھا کہ ان کی زمین ان کو دے دی جائے، وہ اس سے خراج ادا کرتے رہیں، تو حضرت عمرؓ نے خراج کا حکم دیا، اگر عشر واجب ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کا بھی حکم دیتے۔

(۳) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عراق وغیرہ کی فتوحات کے بعد آپ نے خراج عائد فرمایا اور صحابہ نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ پھر اس کے بعد عادل و انصاف پرور خلفاء بھی ہوئے اور ظالم و جابر فرماں روا بھی اور بہت سے مسلمان ان خراجی اراضی کے مالک بھی ہوتے، لیکن کہیں یہ بات منقول نہیں کہ ان حضرات نے خراجی زمینوں پر عشر بھی وصول کیا ہو۔

(۴) خراج اصل میں کفر کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، یہ بزور قوت فتح کیے جانے والے علاقوں پر

وہاں کے باشندوں کی سرزنش ہے جبکہ عشر ایک عبادت ہے جو نفس اور مال کی تطہیر اور اللہ کے شکر کے طور پر واجب ہوتی ہے۔ پس دونوں کے وجود کا مقصد ایک دوسرے کے بالکل مبائن اور برعکس ہے اور ایسی دو چیزوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ (۱)

حنفیہ کے یہاں عشری اراضی

حنفیہ کے مسلک کی تفصیل یہ ہے کہ ابتداءً کسی زمین کے عشری ہونے کی چار صورتیں ہیں:

(۱) کسی سرزمین کے لوگ از خود مسلمان ہو جائیں تو وہ اپنی زمین کے مالک باقی رہیں گے اور ان کی اراضی میں عشر واجب ہوگا۔ جیسے مدینہ طیبہ، یمن وغیرہ۔

(۲) کوئی علاقہ جنگ کے ذریعہ فتح ہوا اور اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا گیا اب بھی وہ عشری ہوگی۔ اگر اس علاقہ میں کوئی افتادہ وغیر مزروعہ زمین ہو اور حکومت اسلامی کی اجازت سے قابل کاشت کر لی گئی تو اس میں بھی عشر واجب ہوگا۔

(۳) جزیرۃ العرب کا علاقہ جہاں کافروں کے رہنے کی اجازت نہیں وہ قیامت تک کے لیے عشری زمین شمار ہوگی۔[۲] امام صاحبؒ نے حجاز، تہامہ، یمن، مکہ، طائف اور بادیہ کے پورے علاقہ کو ارض عرب قرار دیا ہے۔ (۳)

(۴) اگر آبادی میں کوئی مکان تھا اور اس کو باغ یا کھیت بنا لیا گیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی عشری و خراجی ہونے کا مدار گرد و پیش کی زمین کے عشری و خراجی ہونے پر ہوگا۔ اگر اس کے قرب و جوار کی زمینیں عشری ہیں تو عشری ہوگا اور خراجی ہیں تو خراج۔ امام محمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا مدار پانی پر ہوگا۔ اگر قدرتی پانی چشمہ، کنویں، بڑے دریا اور ندیوں جیسے گنگا، جمنا وغیرہ سے زمین کو آبیار کیا جائے تو یہ زمین عشری سمجھی جائے گی اور اگر حکومت کی بنائی ہوئی نہر یا کسی شخص کی نہر وغیرہ کا پانی ہو تو خراجی پانی سمجھا جائے گا اور اگر یہ کھیت اس سے سیراب کیا جا رہا ہو تو خراج واجب ہوگا۔ (۴)

---

(۱) احکام القرآن للجصاص ۳/۱۵۰، المبسوط ۳/۲۰۷ (۲) کتاب الخراج لابی یوسف ۶۹/ ما بعد الخراج (۳) بحر الرائق ۵/۱۱۳، بدائع الصنائع ۲/۵۷ (۴) بدائع الصنائع ۲/۵۷

خراجی زمینیں

کسی زمین کے خراجی ہونے کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں :

(۱) مسلمانوں نے بزورِ قوت اس ملک کو فتح کیا ہو اور زمین کافروں ہی کے حوالہ کی ہو، وہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور خراج ادا کریں، یہ زمین حنفیہ کے نزدیک ہمیشہ کے لیے خراجی ہو جائے گی، بعد کو اس زمین کو مسلمان خرید لیں تب بھی خراج اس میں واجب ہی رہے گا، البتہ دوسرے فقہاء کے نزدیک اگر اس زمین کو مسلمان خرید کر لیں یا خود وہ لوگ مسلمان ہو جائیں اب خراج کے ساتھ عشر واجب ہوگا۔ (۱)

(۲) وہ علاقہ مسلمانوں کو صلح کے ذریعہ حاصل ہوا ہو، زمین کافروں ہی کے پاس رہنے دی جائے اور خراج کی ادائیگی طے پائے۔ (۲)

یہ تو ابتداءً عشری اور خراجی ہونے کی صورتیں ہیں، بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعد کو چل کر عشری زمین خراجی اور خراجی زمین عشری ہو جاتی ہے، مثلاً کسی مسلمان نے اپنی زمین کسی غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کی، اس کو خراج ادا کرنے پڑے گا۔

(محورِ چہارم)

اراضیٔ ہند میں عشر و خراج کا مسئلہ

ا ـــــ ہندوستان کی اراضی عام طور پر عشری ہیں، جو خراجی ہیں ان کا عشری یا خراجی ہونا مشکوک ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ عشر واجب قرار دیا جائے، اس لیے کہ ایک تو مسلمانوں کے حق میں اصل عشر ہی ہے، دوسرے جمہور فقہاء کے نزدیک چوں کہ عشر و خراج کا ایک ہی زمین میں اجتماع ممکن ہے، اس سلسلہ میں ان کے پاس معقول دلائل بھی موجود ہیں (۱) اس لیے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسلمان کی زمین میں عشر بہرحال واجب ہوتا ہے، اس کا بھی یہی تقاضا ہے، تیسرے

---

(۱) بحر الرائق ۵/۱۹ (۲) بدائع الصنائع ۲/۵۸ (۳) المغنی ۲/۳۱۲

فقہائے احناف نے جہاں خراجی اراضی کو عشر سے مستثنیٰ قرار دیا ہے وہاں منشا یہ ہے کہ ایک ہی زمین پر دوہرا وظیفہ عائد نہ ہو۔ اب کہ ہندوستان میں مسلم حکومت باقی نہ رہی اور خراج عائد نہ ہو تو عشر واجب قرار دینے میں دوہرے وظیفہ کا اجتماع نہیں ہوتا، اس لیے تمام ہی اراضی پر عشر واجب ہونا چاہیے۔

مولانا عبدالصمد رحمانی نے اس موضوع پر بڑا عمدہ تجزیہ کیا ہے اور ہندوستانی اراضی کی کل تیرہ صورتیں کی ہیں، جن میں سے دس میں اصولاً عشر واجب ہوتا ہے اور تین میں احتیاطاً عشر کو واجب قرار دیا ہے مولانا رحمانی کی چشم کشا عبارت نقل کی جاتی ہے:

"سب کو سامنے رکھ کر اگر مسلمانوں کی زمینوں پر غور کیا جائے تو حسب ذیل صورتیں نکلتی ہیں۔

(۱) بادشاہان اسلام کے وقت سے موروثی ہیں۔

(۲) بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

(۳) موروثی زمینیں ہیں مگر شاہی وقت سے نہیں مگر یہ بھی نہیں معلوم کہ کیوں کر قبضہ میں آگئی ہیں۔

(۴) جو زمینیں مسلمانوں نے خریدی ہیں یا بطریق ہبہ کیا یا بذریعہ وصیت ان کو ملی ہیں اور جس نے فروخت کیا یا ہبہ کیا یا وصیت کی اس نے بھی کسی مسلمان ہی سے حاصل کی تھی، اسی طرح برابر سلسلہ جاری رہا ہے۔

(۵) جو زمین مسلمانوں کے قبضہ میں مسلمانوں سے خرید و فروخت کے ذریعہ سے آئی ہے اور اوپر جاکر یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ اسلام نے دی ہو۔

(۶) مسلمانوں کے قبضہ میں وراثۃً یا خرید و فروخت کے ذریعہ سے ہے لیکن اوپر کا حال معلوم نہیں کہ پہلے کے لوگوں نے کس طرح حاصل کیا تھا۔

(۷) انگریزی حکومت نے بطور معافی اس زمین کو دیا جو پہلے کسی مسلمان کی ملکیت تھی۔

(۸) انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطریق معافی زمین دی، مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی؟

(۹) مسلمانوں نے غیر مزروعہ زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی آباد کیا ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے یا آسمانی و دریائی پانی یا اپنے کنویں سے سیراب ہوتی ہے۔

(۱۰) مسلمانوں نے اپنے سکونتی مکانات کو مزروعہ بنایا اور اس کی سیرابی عشری پانی سے ہوتی یا بنا بر قول بعض کسی پانی سے سیراب ہوتی ہو۔

(۱۱) مسلمانوں نے مسلمانوں سے خریدی ہے لیکن بیچنے والے نے غیر مسلم سے خرید کیا تھا۔

(۱۲) مسلمانوں نے غیر مسلم سے خرید کیا ہے۔

(۱۳) انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو وہ زمین بطور معافی دی جو کسی غیر مسلم کی ملکیت تھی۔

ان تیرہ صورتوں میں پہلی دس صورتوں میں سب زمین عشری اور اس میں حسب قاعدہ دسواں حصہ بیسواں حصہ پیداوار کا واجب ہے کیوں کہ ان تمام صورتوں میں خراجی ہونے کی کوئی علت پائی نہیں جاتی ہے اور صرف تین صورتیں ایسی ہیں کہ جس میں فقہاء احناف کے اصول سے وہ زمین خراجی ہے یعنی بادشاہ اسلام اگر ہوتا تو وہ تو مسلمانوں سے اس زمین کا خراج وصول کرتا۔ لیکن ان تمام تفصیلات سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی زمین کے خراجی ہونے کی بہت کم صورتیں ہیں اور ان کی تحقیق بھی نہایت مشکل ہے۔ اس لیے ظاہر حال کا لحاظ کر کے مسلمانوں کو احتیاط کے مسلک پر تمام زمینوں کی پیداوار میں عشر نکالنا چاہیے۔ (۱)

مولانا کی یہ تحریر اپنے موضوع پر میرے خیال میں حرف آخر ہے۔

۲ — جن اراضی کا عشری و خراجی ہونا معلوم نہ ہو

جن اراضی کا عشری یا خراجی ہونا معلوم نہ ہو اس میں احتیاطاً عشر واجب قرار دیا جائے گا اس لیے کہ مسلمانوں کے حق میں اصل عشری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بلا قید و استثناء مسلمانوں کو تمام کھیتوں میں عشر کی ادائیگی کا حکم فرمایا ہے:

"وآتوا حقه يوم حصاده" (۲) — کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو

اس آیت میں اکثر مفسرین و فقہاء کے نزدیک عشر ہی مراد ہے۔ (۳)

علامہ کاسانی نے ایک مقام پر اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے:

"الارض لا تخلوا عن مؤنة اما العشر واما الخراج والابتداء بالعشر فی ارض المسلم اولى لان فی العشر معنى العبادة وفی الخراج معنى الصغار" (۴)

---

(۱) کتاب العشر والزکوٰۃ ص ۵۹-۶۰ (۲) الانعام: ۱۴۱ (۳) بدائع الصنائع ۲/۵۷ (۴) بدائع ۲/۵۸-۵۶

"زمین "مئونت" سے خالی نہیں ہوگی یا تو عشر واجب ہوگا یا خراج ! مسلمان کی زمین میں عشر سے آغاز بہتر ہے، اس لیے کہ عشر عبادت کے زمرہ میں ہے اور خراج میں ذلت کی بات ہے۔ حصکفی نے عشر کی بابت لکھا ہے:

"لانه الیق بالمسلم" (۱) ـــــــ کہ عشر ہی مسلمان کو سزاوار ہے۔

سرکاری مالگذاری اور خراج کا مصرف

۳ ـــــ خراج اصل میں وہ آمدنی ہے جو اسلامی حکومت غیر مسلموں کی ان اراضی سے لیتی ہے جو غیر مسلموں کی ملکیت میں ہے، یا اسلامی حکومت میں قائم ہونے کے بعد ان کی ملکیت میں تھی اور اس کا مقصد مملکت کی دفاعی تیاریوں میں مدد ہے۔ غرض بنیادی طور پر غیر مسلموں سے ایک طرح کا دفاعی ٹیکس ہے۔

اس لیے ہندوستان جیسے ممالک میں خراج واجب نہیں ہونا چاہیے، اس کو تسلیم کرنے کے بعد مال گذاری کے خراج شمار کیے جانے اور نہ کیے جانے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا، ویسے اس سے قطع نظر بھی مال گذاری چوں کہ ایک غیر مسلم مملکت لیتی ہے اور اس کو اعلاء کلمۃ اللہ کے مقصد کے لیے صرف نہیں کرتی اس لیے اس کا شمار منجملہ خراج کے نہ ہوگا۔

غیر اسلامی ممالک میں خراج

۴ ـــــ غیر اسلامی ممالک میں مسلمانوں پر خراج واجب نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ خراج دراصل ان مدات میں صرف کی جانے والی چیز ہے جو سرکاری نظم و نسق سے متعلق ہوں اور خصوصیت سے ملک کی دفاع اور سلامتی میں خراج کی آمدنی سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ حصکفی مدِ خراج کے بارے میں ناقل ہیں کہ" وثالثها خراج و مقاتلونا" (۲) ـــــ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی علاقہ پر باغیوں کا غلبہ ہو جائے اور جبراً زکوٰۃ و خیرات وصول کر لیں اور ان کو متعینہ مصارف میں صرف نہ کریں تو زکوٰۃ دوبارہ

---

(۱) درمختار ۲/۳۲۵، باب العشر والخراج والجزیۃ (۲) درمختار علی ھامش الرد ۲/۵۰

ادا کرنی واجب ہے، لیکن خراج دوبارہ ادا نہیں کرنا پڑے گا، اس لیے کہ باغی بھی خراج کا مصرف بن سکتے ہیں، علامہ شامی کے بقول:

"اما الخراج فلا یفتون باعادته لانہم مصارفہ اذ اھل البغی یقاتلون اھل الحرب والخراج حق المقاتلۃ" (۱)

خراج کی دوبارہ ادائے گی کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا کیوں کہ وہی اس کے مصرف ہیں اس لیے کہ باغی لوگ بھی اہل حرب سے جنگ کرتے ہیں اور خراج فوجیوں ہی کا حق ہے۔

مولانا عبد الصمد رحمانی رہ نے اس مسئلہ کو امام محمد رہ سے نقل کیا ہے۔ امام محمد لکھتے ہیں:

"ان ارض الخراج لا یجب الا علیٰ من ھو من اھل دار (ا) لانہ حکم من احکام المسلمین وحکم المسلمین لا یجری الا علیٰ من ھو من دار الاسلام" (۲)

زمین کا خراج اسی شخص پر واجب ہوتا ہے جو دار الاسلام کا رہنے والا ہو، اس لیے کہ یہ مسلمانوں کے احکام میں سے ہے اور مسلمانوں کا حکم اس شخص پر جاری ہوتا ہے جو دار الاسلام میں ہو۔

ہاں اگر کوئی شہر ہو تو غیر مسلم حکمرانوں کے زیر نگیں لیکن انھیں کی طرف سے کسی مسلمان کو اس کا والی مقرر کیا گیا ہو تو علامہ شامی کا بیان ہے کہ وہ مسلمان والی جہاں دوسرے فرائض انجام دے گا، خراج بھی وصول کرے گا، اس لیے کہ اس کو وہاں کے عوام پر استیلا حاصل ہے۔ "لاستیلاء المسلم علیہم" (۳)

پس صحیح یہی ہے کہ ہندوستان میں خراج واجب نہیں کہ نہ یہاں اسلامی حکومت ہے اور نہ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہے۔

زراعت کے اخراجات

۵ ـــــ زمین سے پیداوار کے حصول پر جو اخراجات آتے ہیں اور جو موجودہ دور میں بعض اوقات کافی زیادہ ہو جاتے ہیں، منہا نہیں کیے جائیں گے، اور نہ ان کی وجہ سے عشر کی شرح میں کوئی کمی ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں دو باتیں خصوصیت سے پیش نظر رکھنی چاہییں:

---

(۱) رد المحتار ۲/۲۳ (۲) کتاب العشر والزکوٰۃ، از: مولانا عبد الصمد رحمانی، ص: ۱۵ (۳) رد المحتار ۲/۳۰ طبع مصر

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدرتی پانی سے سیرابی کے لیے ۱۰٪ فی صد اور دوسری صورت میں ۵٪ فی صد کی شرح مقرر کردی ہے، اگر اخراجات کا استثناء مقصود ہوتا تو اس فرق کی ضرورت نہیں تھی بہرصورت ۱۰٪ فی صد واجب ہوتا اور اخراجات کی منہائی کا حکم دے دیا جاتا، مگر دو ہی شرحوں کی تحدید اس بات کو بتلاتی ہے کہ عشر کے حکم میں شریعت نے بہ مقابلہ دوسرے اموال زکوٰۃ کے ایک گونہ تنگی رکھی ہے، اور اخراجات کی منہائی ملحوظ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ کی اس صورت میں نہ مال پر سال گذرنے کی شرط ہے، نہ دیون و مطالبات سے فارغ ہونے کی اور نہ حاجات اصلیہ کا استثناء ہے۔

(۲) کھاد وغیرہ کے اخراجات کو پانی کے مسئلہ پر قیاس نہ کرنا چاہیے، پانی سے زمین کی قوت کاشت نہیں بڑھتی ہے۔ کاشت اتنی ہی ہوتی ہے جتنی بارش کے پانی سے ہوتی ہے، بخلاف کھاد وغیرہ کے کہ اس سے زمین کی پیداواری صلاحیت بھی بڑھ جاتی ہے، اس لیے یہ پیداواری اضافہ بذات خود زائد اخراجات کا بدل ہے۔

فقہاء کے یہاں اس سلسلہ میں تصریحات موجود ہیں، علامہ کاسانی کا بیان ہے:

"ولا یحتسب لصاحب الارض ما انفق علی الغلۃ من سقی او عمارۃ او اجر الحافظ او اجر العمال او نفقۃ البقر" (۱)

صاحب زمین کے لیے کاشت کے اخراجات یعنی آبپاشی، آبادکاری، محافظ اور کام کرنے والوں کی اجرت یا بیل کے اخراجات کا حساب نہیں کیا جائے گا، یعنی اخراجات کا استثناء نہیں ہوگا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

"یجب العشر فی الاول ونصفہ فی الثانی بلا رفع اجرۃ العمال ونفقۃ البقر وکری الانہار واجرۃ الحافظ ونحو ذلک" (۲)

پہلی صورت (قدرتی پانی سے سیرابی) میں عشر اور دوسری صورت میں اس کا نصف (۱/۲) اس طرح واجب ہوگا کہ کام کرنے والوں کی اجرت، جانوروں کا نفقہ، نہر سے پانی لانے کے اخراجات اور نگرانی کی اجرت

---

(۱) بدائع ۲/۶۲ کتاب الزکوٰۃ (۲) رد المحتار ۲/۵۳ باب العشر

وغیرہ منہا نہیں کی جائے گی۔

علامہ ابن ہمام نے نقل کیا ہے کہ بعض حضرات کھیتی کے اخراجات کو مستثنیٰ کرنے کے قائل تھے، مگر غالباً ایسے غیر معروف اور ناقابلِ ذکر لوگ تھے کہ ابن ہمامؒ نے ان کے تذکرہ کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔[1] البتہ امام احمدؒ کے نزدیک اگر زراعت کے سلسلہ میں زارع مقروض ہوگیا ہے تو یہ دین منہا کرکے عشر وصول کیا جائے گا۔

"من استدان ما انفق علی زرعہ واستدان ما انفق علی اھلہ احتسب ما انفق علی زرعہ دون ما انفق علی اھلہ لانہ من مؤنۃ الزرع" (۱)

یعنی قرض کھیتی کے مد میں لیا اور کچھ اہل وعیال کی ضروریات کے مد میں، تو کھیتی کے سلسلہ میں ہونے والے اخراجات کے قرض منہا کیے جائیں گے۔ اہل وعیال والے اخراجات کے قرض منہا نہ ہوں گے کیوں کہ عشر کھیتی سے متعلق ٹیکس ہے۔

مکان کے گرد و پیش یا چھت پر کھیتی کا حکم

۶۔۔۔۔مکان میں یا اس کے گرد و پیش بارش وغیرہ میں جو درخت لگائے جاتے ہیں ان میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

"رجل فی دارہ شجرۃ مثمرۃ لاعشر فیہ وان کانت البلدۃ عشریۃ بخلاف ما اذا کانت فی الاراضی" (۲)

ایک شخص کے گھر میں پھل دینے والے درخت ہوں تو اس میں عشر واجب نہیں گو وہ شہر عشری ہو بخلاف اس درخت کے جو (زراعتی) اراضی میں ہوں۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

"یجب العشر ولو کان الشجر غیر منتفع بہ لم یعالجہ احد وخروج ثمرۃ شجرۃ فی دار رجل ولو بستانا فی دارہ لانہ تبع الدار" (۳)

---

(۱) المغنی ۲/۲۳   (۲) خانیہ علی ہامش الہندیۃ ۱/۲۰۶، (۳) رد المحتار ۲/۲۰، بادشاہ طریق شان

عشر واجب ہے مگر درخت کسی کی ملکیت نہ ہو اور کسی نے اس کی کھیتی نہ کی ہو البتہ اس درخت کا پھل مستثنیٰ ہے جو کسی شخص کے مکان میں واقع ہو، مکان میں گو باغ ہی کیوں نہ ہو وہ بھی مکان ہی کے تابع ہے یعنی اس میں عشر واجب نہیں۔

اسی طرح کی صراحت عالمگیری میں بھی موجود ہے۔ (۱)

چھتوں پر کی جانے والی کھیتی کا یہی حکم ہونا چاہیے، البتہ اگر کسی علاقہ میں مکانات کی چھتوں کو باضابطہ کھیت کے بطور استعمال کیا ہو اور اس سے پیداوار حاصل کی جاتی ہو تو اب اس میں عشر واجب قرار دیا جانا چاہیے۔

(محورِ پنجم)

عشر کا نصاب

۱ــــ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک جس طرح اموال عشر میں عموم ہے اسی طرح عشر کے لیے پیداوار کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ عشر واجب ہوگا۔

" فی قلیل ما اخرجتہ الارض وکثیرہ العشر " (۲)

مگر خود امام صاحب رح کے تلامذہ امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح کو اس رائے سے اختلاف ہے۔ ان حضرات کے نزدیک عشر اسی وقت واجب ہوتا ہے جب کہ پیداوار پانچ وسق کی مقدار کو پہونچ جائے یعنی ان کے نزدیک پانچ وسق پیداوار نصاب زکوٰۃ ہے۔ (۳)

دوسرے فقہاء، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے، یہاں تک کہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ سوائے امام ابو حنیفہ رح اور مجاہد کے تمام ہی علماء اس مسئلہ میں متفق ہیں اور پانچ وسق سے کم میں عشر واجب قرار نہیں دیتے (۴) ــــــ حنفیہ یہی کہتے ہیں کہ حضور نے مطلق زمینی پیداوار میں زکوٰۃ واجب قرار دیا ہے کسی خاص مقدار کی قید نہیں لگائی ہے۔ جمہور ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں پانچ وسق پیداوار ہی پر زکوٰۃ واجب قرار دی گئی ہے۔ امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی وغیرہ نے حضرت ابو سعید خدری سے واضح طور پر اس مضمون

---

(۱) عالمگیری ۱/ کتاب الزکوٰۃ (۲) ھدایہ مع الفتح ۲۳۶/۲

(۳) کتاب الاصل ۱۹۳/۱ (۴) المغنی ۶۹۶/۲

کی روایتیں نقل کی ہیں۔[1]

جمہور کہتے ہیں کہ مطلق حدیثیں دوسرے اموال زکوٰۃ سے متعلق موجود ہیں، چاندی کے بارے میں ارشاد ہوا: فی الرقۃ ربع العشر، اور اونٹ کے بارے میں فرمایا گیا: وفی سائمۃ الابل الزکوٰۃ۔ یہ حدیثیں مطلق ہیں لیکن پہلی حدیث کی ہم اس دوسری حدیث سے تخصیص کرتے ہیں:

لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ[1] ـــــ پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

اور دوسری حدیث کی تخصیص اس حدیث سے کرتے ہیں کہ:

لیس فیما دون خمس ذود صدقۃ ـــ پانچ اونٹ سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

جمہور کہتے ہیں کہ جب چاندی اور جانور کے نصاب میں ایک مطلق حدیث کے لیے دوسری ان روایات کو جو اس کے اطلاق کو کم کرتی ہے بیان و تفسیر کی حیثیت سے قبول کیا گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ پیداوار کی زکوٰۃ یعنی عشر میں بھی پانچ وسق کی تحدید والی روایت کو بیان کی حیثیت سے قبول نہ کیا جائے۔ حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس روایت کا منشا محض اتنا ہے کہ عامل زکوٰۃ پیداوار کی اتنی مقدار کی زکوٰۃ بیت المال میں وصول نہ کرے گا اور خود مالکان کے حوالہ کردے گا کہ وہ اپنی صوابدید سے اتنی زکوٰۃ مستحقین میں تقسیم کردے۔ جمہور کی رائے حدیث سے قریب ہے اور امام صاحبؒ کے نقطۂ نظر میں فقراء کا فائدہ ہے اور زیادہ احتیاط ہے۔

وسق کی مقدار

پانچ وسق جو جمہور کے نزدیک پھلوں کی زکوٰۃ کا نصاب ہے، اس سلسلہ میں اس پر تو سبھوں کا اتفاق ہے کہ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہے، یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے، مگر مد کی مقدار میں فقہاء عراق اور فقہاء حجاز کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ مشہور ہے۔ حنفیہ کے یہاں ایک مد دو رطل کا ہوتا ہے، اس طرح ایک صاع آٹھ رطل کے برابر ہوتا ہے۔ مالکیہ کے یہاں ایک صاع ۵ ⅓ کے برابر ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے درہم اور مثقال دونوں طرح صاع کا حساب لگایا ہے۔ مثقال کے

---

(۱) نسائی ۱/۳۳۳ ، ترمذی ۱/۳۶

حساب سے ایک صاع ۳ سیر ۱۰ چھٹانک کا اور درہم کے لحاظ سے ۳ سیر ۲ چھٹانک ۳ تولہ بنتا ہے۔ لہٰذا مثقال کے اعتبار سے پانچ وسق ۵۰ من ۱۲ ½ سیر اور درہم کے لحاظ سے ۲۵ من ۳۳ سیر ۳ پاؤ کے برابر ہوتا ہے۔ مفتی صاحب نے درہم کے حساب سے ایک صاع کو ساڑھے تین (۳ ½) سیر تولہ ماشہ قرار دیا ہے اس اعتبار سے پانچ وسق ساڑھے گیارہ (۱۱ ½) سیر چھ چھٹانک کا ہوا۔ (۱)

مولانا عبد الصمد رحمانی کے یہاں مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی کے مسلک کے مقابلہ صاع کی مقدار کم ہے اس لیے پانچ وسق کی مقدار ۱۸ من تیس سیر ہوتی ہے (۲) ——— ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے جدید اوزان میں چھ سو تریپن کلوگرام کو عشر کا نصاب قرار دیا ہے (۳) ——— سعید محمد لحام کا خیال ہے کہ وسق کی کم سے کم مقدار ۹۲۰، ۹۱ کلوگرام اور زیادہ سے زیادہ ۹۶۸، ۱۹۸ کلوگرام ہے (۴) ——— واللہ اعلم بالصواب۔

تعمیری لکڑیوں وغیرہ میں عشر

۲۰۵ — کن اموال میں عشر واجب ہوگا اور کن میں نہیں؟ ——— اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے یہاں انہی اموال میں عشر واجب ہوتا ہے، جو خوراک بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور ذخیرہ کرکے رکھے جا سکتے ہوں۔ ما ادخر واقتیت (۵)

امام احمدؒ کے یہاں یہ تو شرط نہیں کہ وہ خوراک کے قبیل سے ہو، مگر تین باتیں ضروری ہیں۔ اس کو پیمانہ سے ناپا جا سکتا ہو، دیرپا اور قابل ذخیرہ ہو، خشک چیز ہو۔ جمع هذه الأوصاف الكيل والبقاء واليبس (۶) ——— اس لیے ائمہ ثلاثہ کے یہاں تو جلاون اور تعمیری مقاصد کے لیے پیدا کی جانے والی لکڑی میں عشر واجب ہونے کا سوال ہی نہیں ہے۔

حنفیہ کے یہاں عام طور پر جلاون کی لکڑیوں کو عشر سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، خود امام محمدؒ کا بیان ہے:

---

(۱) اوزان شرعیہ، جواہر الفقہ ۱/ (۲) دیکھئے: کتاب العشر والزکوٰۃ /۸۶

(۳) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۱۱۹

(۴) مشکوٰۃ المصابیح مع تحقیق وتعلیق سعید محمد لحام ۱/۳۹۹

(۵) الافصاح ۱/۲۰۵ (۶) المغنی ۲/۲۹۳

"قلت أرأيت الرجل يكون له الأرض من أرض العشر فينبت فيه الطرفاء والقصب الفارسي أو غيره هل فيه عشر؟ قال لا ليس فيه عشر لأنه حطب قلت وكذلك الحشيش والشجر الذي ليس له ثمر مثل وشبهه قال نعم"۔ (۱)

میں نے امام ابوحنیفہؒ سے عرض کیا کہ آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے پاس عشری زمین ہو اور وہ اس میں جھاؤ اور بانس وغیرہ کی کاشت کرے تو کیا اس میں عشر ہے؟ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ نے کہا کہ نہیں اس میں عشر نہیں کیونکہ یہ تو عام لکڑی ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ گھاس اور جس درخت کے لیے اس طرح کا پھل نہ ہو اور جو پودے اس کے مماثل ہوں ان کا حکم بھی یہی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

مگر اصل میں حضرت الامام اور ان کے تلامذہ کی یہ رائے اس بنیاد پر ہے کہ اس زمانہ میں یہ خودرو ہوتے تھے ان کے درخت لگائے نہ جاتے تھے اور ان کی پیداوار مقصود ہوتی تھی، نہ اس سے کوئی بڑی معاشی منفعت ہی متعلق تھی۔ فی زمانہ یہ بڑی نفع خیز زراعت ہو گئی ہے، شہروں میں جانوروں کے چارے کی باضابطہ فصل لگائی جاتی ہے اور وہ گراں قیمت پر فروخت ہوتا ہے۔ یہی حال جلاون کی لکڑی کا ہے، تعمیری لکڑیوں کی قیمت تو غلوں اور پھلوں سے بھی بڑھ کر ہے اس لیے اگر اس طرح کی لکڑیوں کی کاشت کی جائے تو اس میں بھی عشر واجب ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں صاحب ہدایہ کی چشم کشا وضاحت ملاحظہ ہو:

"أما الحطب والقصب والحشيش لا تستنبت في الجنان عادة بل تنقى عنها حتى لو اتخذها مقصبة أو مشجرة أو منبتا للحشيش يجب فيها العشر"۔ (۲)

یعنی جن کی لکڑی، بانس اور گھاس کی باغات میں کاشت نہیں کی جاتی بلکہ ان سے صفائی کی جاتی ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بانس کی کوٹھی بنائے یا درختوں اور گھاس کی کاشت کرے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

---

(۱) کتاب الاصل ۲/۱۳۲، ۵۳ (۲) الهدایه ۱/۱۹۱، باب زكوة الزروع والثمار

قاضی خاں کے یہاں بھی اسی طرح کی صراحت موجود ہے:

"ولو جعل ارضہ مشجرۃ او مقصبۃ یقطعہا ویبیعہا فی کل سنۃ کان فیہ العشر وکذا لو جعل فیہا القت القدوب"[1]

۳۔ اپنی زمین میں درختوں یا بانسوں کی کاشت کرے کہ اسے ہر سال کاٹ کر فروخت کیا کرے گا تو اس میں عشر واجب ہوگا اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جب چوپایوں کے لیے چارہ کی کاشت کی جائے۔

مکھانے اور سنگھارے میں عشر

مکھانا اور سنگھارا بنیادی طور پر پودا ہے، گو ان پودوں کی نشوونما کے لیے پانی کی کافی مقدار ضروری ہے، مگر اس کی جڑیں زمین ہی میں پیوست ہوتی ہیں، اس لیے حنفیہ کے مسلک پر اس میں بھی عشر واجب ہوگا اس وقت اس کی کھیتی سے خاص منفعت متعلق ہوگئی ہے، اس کا بھی تقاضا ہے کہ غربا کو ان کے حق سے محروم نہ رکھا جائے۔

مچھلیوں کا حکم

۴ ــــ عشر کن اموال میں واجب ہوگا؟ اس سلسلہ میں حدیث کے الفاظ ہیں، ما اخرجت الارض۔ اور قرآن نے کہا ہے کہ کھیتی جو کاٹی جائے اس میں عشر ادا کرنا ہے۔ وآتوا حقہ یوم حصادہ[2] اسی طرح حدیث میں صراحت ہے کہ زرعی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، اور آیت میں بھی اس طرف اشارہ موجود ہے۔ زکوٰۃ اور عشر چونکہ عبادت ہے اس لیے اصولی طور پر اس میں قیاس کو دخل نہیں ہے۔ مچھلیوں کی گو عشری زمین پر پرورش اور نشوونما ہو، مگر ظاہر ہے وہ "اخرجت الارض" کا مصداق نہیں ہے، اس لیے اس میں عشر واجب نہیں ہونا چاہیے، اور اموال [illegible] سے نہ ہونے کی وجہ سے اگر اس کی تجارت نہ کر رہا ہو تو کسی اور نوع کی زکوٰۃ بھی عائد نہ ہونی چاہیے، فقہاء امید پر

---

(۱) حاشیہ علی قاضی خان الہندیہ ۱/۲۰۶ فصل فی العشر (۲) انعام: ۱۴۱

متفق ہیں، صرف امام احمدؒ کا ایک قول اس سے مختلف نقل کیا گیا ہے۔

"واتفقوا علی انه لاتجب الزکوٰۃ فی کل مایخرج من البحر من لؤلؤ ومرجان وزبرجد وعنبر ومسك وسمك وغیرہ ولوبلغت قیمته نصابا الا فی احدی الروایتین عن احمد اذا بلغ مایخرج من ذلك نصابا فعلیه الزکوٰۃ"(۱)

فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ان چیزوں میں زکوٰۃ واجب نہیں جو سمندر سے نکالی جاتی ہیں، یعنی موتی مرجان، زبرجد، عنبر، مشک اور مچھلی وغیرہ، گو اس کی قیمت نصاب کی مقدار کو پہونچ جائے۔ البتہ امام احمدؒ سے ایک روایت ہے کہ سمندر سے نکلنے والی اشیاء نصاب زکوٰۃ کو پہونچ جائیں تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔

اس پر امام محمدؒ کی وضاحت سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ عشری زمین سے تیل، نمک وغیرہ نکلے تو اس میں عشر واجب نہیں ہوتا گو "ما اخرجت الارض" میں ایک درجہ داخل ہے مگر نباتاتی شئی نہیں ہے:

"قلت أرأیت الرجل یکون له الارض وفیها عین یخرج منها القیر والنفط والملح وارضهن ارض الخراج ما علیه؟ قال علیه خراج ارضه ولیس علیه فی هذا شئ قلت أرأیت لوکان هذا فی ارض عشر هل فیه شئ؟ قال لا، قلت ولم؟ قال لان هذا لیس بثمرۃ"(۲)

میں نے کہا آپ کا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جس کی زمین میں چشمے ہوں جس سے تارکول پٹرول اور نمک نکلتا ہو اور اس کی زمین خراجی زمین ہو تو اس پر کیا واجب ہوگا؟ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا زمین کا خراج عائد کیا جائے گا اور پیداوار میں کچھ واجب نہ ہوگا۔ میں نے عرض کیا اگر یہی چیزیں عشری زمین سے نکلیں تو کیا اس میں کچھ واجب ہے؟ امام صاحبؒ نے فرمایا نہیں، میں نے دریافت کیا کیوں؟ آپ نے فرمایا، اس لیے کہ یہ پھل نہیں ہے۔

اب اگر مالک اور کاشت کار میں سے ایک مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہو تو مسلمان کو اپنے حصہ پیداوار میں عشر ادا کرنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں فقہاء کی بعض نقول ملاحظہ ہوں۔

---

(۱) الافصاح ۱/۲۱۸ (۲) کتاب الاصل ۲/۱۳۶

المسلم اذا اعارارضہ العشریۃ فی ظاہر الروایۃ عن ابی حنیفۃ العشر علی المستعیر ان کان المستعیر مسلما وان کان کافرا فعلی رب الارض۔

ولو اعارھا من کافر فالعشر علی المعیر عند ابی حنیفۃ "

شہتوت کے ذریعہ ریشم کی افزائش

۴ــــــ شہتوت کے ذریعہ ریشم کے کیڑوں کی پرورش کی جائے اور اس سے ریشم حاصل کیا جائے تو اس میں عشر واجب ہونا چاہیے گو اس ریشم کی پیدائش زمین سے نہیں ہوتی، شہتوت سے ہوتی ہے، مگر چونکہ خود شہتوت حنفیہ کے یہاں عشری اموال کی فہرست میں داخل ہے، اس کے ذریعہ جن کیڑوں کی پرورش ہو اور ان سے ریشم حاصل ہو ان میں بھی عشر واجب ہوگا، اس کی نظیر شہد ہے حنفیہ کا مسلک ہے کہ:

"العشر واجب فی العسل ان کان فی ارض العشر" (۱)

عشری زمین کے شہد میں عشر واجب ہے۔

حنفیہ اس سلسلہ میں متعدد حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں، گو ان میں سے اکثر محدثین اہل فن کے نزدیک متکلم فیہ ہیں، مگر ابوداؤد نے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت نقل کی ہے اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے اور یہ امر محتاج اظہار نہیں کہ ابوداؤد کا کسی حدیث پر خاموشی اختیار کرنا ان کی طرف سے اس حدیث کی توثیق کے مترادف ہوتا ہے۔ (اس موضوع پر تفصیل کے لیے "نصب الرایہ" دیکھنی چاہیے) ــــــ صاحب ہدایہ نے اس پر اپنے ذوق کے مطابق عقلی استدلال بھی کیا ہے اور اسی رنگ میں شوافع کے مستدل کا جواب دیا ہے، فرماتے ہیں:

"وفی العسل العشر اذا اخذ من ارض العشر وقال الشافعی لایجب لانہ متولد من الحیوان فاشبہ الابریشم ولنا قولہ علیہ السلام: فی العسل العشر ولان النحل یتناول من الانوار والثمار وفیھما العشر فکذا فیما یتولد منھما بخلاف دود القز لانہ یتناول الاوراق ولا عشر فیھا" (۲)

---

(۱) تاتارخانیہ ۲/۳۳۵ (۲) ھدایہ ۱/۲۰۳

جو شہد عشری زمینوں سے حاصل ہو اس میں عشر واجب ہے۔ امام شافعی کی رائے ہے کہ شہد میں عشر واجب نہیں، اس لیے کہ یہ حیوان سے پیدا شدہ چیز ہے، لہٰذا یہ ریشم کے مماثل ہے، اپس ریشم کی طرح اس میں زکوٰۃ نہیں، ہماری دلیل ارشاد نبوی ہے کہ شہد میں عشر ہے، نیز اس لیے بھی کہ شہد کی مکھی پھولوں اور پھلوں سے رس حاصل کرتی ہیں اور ان دونوں میں عشر واجب ہے تو یہی حکم اس چیز کا بھی ہوگا جو پھولوں اور پھلوں سے پیدا ہوا ہے، بخلاف ریشم کے کہ وہ پتے کھاتا ہے جس میں عشر واجب نہیں۔

صاحب ہدایہ کی اس عبارت پر غور کیا جائے، اول تو درخت کے پتے قابل انتفاع ہو جائیں اور کسی خاص مقصد کے لیے ان کی کھیتی کی جانے لگے تو وہ عشری ہو جائیں گے، جیسا کہ فقہاء نے ان پودوں اور ان کے پتوں کا حکم مقرر کیا ہے جو خوشبو دار ہوں یا جن سے رنگت پیدا کرنے کا کام لیا جاتا ہو جیسا کہ فقہاء نے جلاون کی لکڑی اور بانس وغیرہ کے احکام لکھے ہیں" وسمہ "نامی پتے کے سلسلہ میں امام محمدؒ نے خود امام ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ اس میں عشر ہے۔

"قلت أرأيت الوسمة هل فيها عشر إذا كانت في أرض العشر قال نعم في قول أبي حنيفة ؓ." (۱)

میں نے پوچھا وسمہ (ایک رنگ دار پودا) میں عشر ہے اگر عشری زمین میں ہو؟ امام ابو یوسفؒ نے کہا ہاں، امام ابو حنیفہ رح کے قول پر۔

اس لیے جب شہتوت اسی غرض سے لگائے جائیں تو ان کے پھل سے ریشم کے کیڑے کی پرورش ہوتی ہو، تب تو عشر واجب ہوگا ہی اگر اس کے پتوں سے وہ غذا حاصل کرتا ہو پھر بھی عشر واجب ہوگا۔ واللہ اعلم۔

بٹائی کی صورت میں عشر کس پر واجب ہوگا؟

۶۔۔۔۔ بٹائی کی صورت میں عشر کس پر واجب ہوگا؟ اس سلسلہ میں یہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ عشر واجب ہونے کا تعلق زمین کی ملکیت سے نہیں ہے بلکہ پیداوار کی ملکیت سے ہے۔ بقول کاسانی:

---

(۱) کتاب الأصل ۲/۱۴۳

ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج ؂ (۱)

زمین کا مالک ہونا عشر واجب ہونے کے لیے شرط نہیں، بلکہ پیداوار کا مالک ہونا شرط ہے۔

امام ابوحنیفہؒ چونکہ بٹائی داری کو ناجائز کہتے ہیں اور پیداوار کا مالک صاحب زمین کو اور عامل کو مروجہ مناسب اجرت (اجرت مثل) کا حق دار قرار دیتے ہیں، اس لیے امام صاحب کے نزدیک مالک زمین ہی پر عشر واجب ہے۔ شوافع کے نزدیک بیج مالک زمین کی ہے تو عشر مکمل طور پر مالک زمین پر عائد ہوگا اور بیج بٹائی دار کی ہے تو عشر اس پر واجب ہوگا۔

وجوزنا المخابرة فتجب الزكوة على العامل ولا شئ على صاحب الارض لان العامل له اجرة ارضه وحيث كان البذر من صاحب الارض واعطى منه شئ للعامل لا شئ على العامل لانه اجرة عمله ؂ (۲)

ہم نے بٹائی داری کو جائز قرار دیا ہے لہٰذا زکوٰۃ بٹائی دار پر واجب ہوگی مالک زمین پر واجب نہیں ہوگی اس لیے کہ اس کو جو کچھ مل رہا ہے وہ زمین کا کرایہ ہے۔ اگر بیج مالک زمین کی ہو اور پیداوار میں سے کچھ کاشت کار کو دی جائے تو کاشت کار پر کچھ واجب نہیں کیونکہ یہ اس کے عمل کی اجرت ہے۔

صاحبینؒ کی رائے حصکفی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اگر بیج عامل کی ہو تو دونوں اپنے حصہ پیداوار کا عشر ادا کریں گے، اور اگر مالک زمین کی ہو تو وہی پورا عشر ادا کرے گا (۳) ——— مگر کاسانی نے کوئی فرق نہیں کیا ہے اور بٹائی داری میں دونوں کو اپنے حصہ پیداوار کا ذمہ دار بتایا ہے۔

ولو دفعها مزارعة فاما على مذهبهما فالمزارعة جائزة والعشر يجب فى الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما ؂ (۴)

اگر بٹائی پر زمین دی تو صاحبین کے مذہب پر بٹائی داری جائز ہے اور پیداوار میں عشر واجب ہے پیداوار دونوں میں تقسیم ہوگی اور دونوں پر عشر واجب ہوگا۔

شامی کا رجحان بھی اسی طرف ہے اور انھوں نے فقہ حنفی کی اکثر کتابوں کو اسی کا ہم نوا بتایا ہے

---

(۱) بدائع ۲/۵۶ (۲) فتح المعین للشیخ زین الدین تلمید ابن حجر ھیثمی : ۴۹/

(۳) درمختار علیٰ ھامش الرد ۲/۵۵ (۴) بدائع ۲/۵۶

اور یہی اس سے مطابقت بھی رکھتا ہے جس کے مطابق عشر کے وجوب کو زمین کی ملکیت سے متعلق نہیں کیا گیا ہے بلکہ زمین کی پیداوار سے مربوط رکھا گیا ہے۔

اراضی اوقاف

۷۔ فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ خراج کا تعلق تو زمین کی ملکیت سے ہے، مگر عشر کا تعلق حصول پیداوار سے ہے یہ ایک طرح کا شرعی زراعتی ٹیکس (مشوذ) ہے اور اس کے واجب ہونے کے لیے مکلف ہونا بھی ضروری نہیں، نابالغ اور ناعاقل کی حاصل پیداوار میں بھی عشر واجب ہوتا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ عشر اوقاف کی جائداد میں بھی واجب ہونا چاہیے۔ فقہاء کے یہاں اس سلسلہ میں صراحتیں موجود ہیں:

"ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون ومکاتب وماذون ووقف"(۱)

دین نابالغ، پاگل، غلام مکاتب، غلام ماذون اور وقف کی زمین میں بھی عشر واجب ہوگا۔

علامہ شامی نے اس سلسلہ میں وضاحت کی ہے کہ یہ حکم اس صورت میں تو متفق علیہ ہے کہ اہل وقف زراعت کریں، اگر دوسرے لوگ کھیتی کریں تو اس صورت میں بھی وہی اختلاف ہے جو کرایہ پر حاصل کردہ زمین میں کھیتی کے سلسلہ میں واقع ہوا ہے۔

هذا ظاهر فی ما اذا زرعها اهل الوقف اما اذا زرعها غيرهم بالاجرة فيجری فيه الخلاف الاتی فی الارض المستاجرة۔ (۲)

یہ اس صورت میں تو ظاہر ہی ہے جب خود ارباب وقف کھیتی کریں، اگر دوسرے لوگ اجرت پر کھیتی کریں تو ایسی صورت میں وہی اختلاف ہے جس کا آگے کرایہ پر حاصل شدہ زمین کے سلسلہ میں ذکر آئے گا۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

ويجب العشر فی الاراضی الموقوفة واراضی الصبيان والمجانين ان كانت عشرية (۳)

---

(۱) درمختار مع الرد ۲/۴۹ (۲) ردالمحتار ۲/۴۹ (۳) حاشیہ علی ہامش الهندیہ ۱/۲۷۶

وقف کی اراضی اور بچوں اور پاگلوں کی زمین میں عشر واجب ہوگا، بشرطیکہ وہ عشری ہوں۔

علامہ کاسانی کا بیان ہے:

...... فیجب فی الاراضی التی لا مالک لہا۔

یعنی ان اراضی میں کہ جس کا کوئی مالک نہ ہو عشر واجب ہوگا۔

وھی الاراضی الموقوفۃ لعموم قولہ تعالیٰ وقولہ علیہ السلام۔ (١)

اور وہ وقف کی اراضی ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں عموم ہے۔

یہی بات ہندیہ میں لکھی گئی ہے[2] البتہ صرف صاحب خلاصہ کے یہاں اس کے خلاف بات ملتی ہے، وہ کہتے ہیں:

ولا یجب العشر فی الاراضی الموقوفۃ و ارض الصبیان والمجانین ان کانت عشریۃ وان کانت خراجیۃ ففیہا الخراج۔ (٣)

اراضی وقف، بچوں اور پاگلوں کی زمینوں میں عشر واجب نہیں گو زمین عشری ہو، ہاں اگر خراجی زمین ہو تو خراج واجب ہے۔

مگر فقہاء کی واضح تصریحات کی روشنی میں میرا خیال ہے کہ خلاصہ کے نسخہ میں "یجب" کی جگہ غلطی سے "لا یجب" طبع ہوگیا ہے، اگر صاحب خلاصہ کی رائے اس کے خلاف ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بعد کے فقہاء ان کے اس اختلاف سے یکسر صرف نظر کر جاتے اور اس کو قابل ذکر بھی نہیں سمجھتے۔

یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ اراضی اوقاف کا نفع بھی چونکہ عموماً نیکی میں صرف ہوتا ہے اس لیے اس میں عشر واجب قرار دینے کا فائدہ نہیں، اس لیے کہ اول تو ہر وقف فقراء پر ہو یہ ضروری نہیں اور جو وقف فقراء پر ہو وہ مدات زکوٰۃ ہی میں صرف ہو یہ بھی ضروری نہیں، اس لیے اوقاف میں عشر واجب قرار دینے میں بھی ایک منفعت ہے۔ رہ گئی بات وقف علی الاولاد کی تو جب عام اوقاف میں عشر واجب ہے تو وقف علی الاولاد میں تو بدرجہ اولیٰ واجب ہونا چاہیے۔

---

(١) بدائع الصنائع ۲/۵۶

(٢) دیکھیے ج ... الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار

(٣) خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۴۳ ط نولکشور لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کا نظام عشر و خراج
و
اراضی ہند کی شرعی حیثیت

مولانا حبیب اللہ قاسمی ـــــ مفتی ومدیر دارالعلوم اعظم گڑھ یو۔پی

محور چہارم

۱ـــــ عشر وخراج کا نظام اسلام کے نظام معیشت کی اہم کڑی ہے۔ داخلی، خارجی، دفاعی، اقدامی بہت سے نظام ان سے قائم ودائم تھے۔ لیکن سلطنت اسلامیہ کے زوال کے بعد یہ دونوں نظام اس قدر متاثر ہوئے کہ آج ان کی صحیح تصویر دھندلی ہو گئی۔ اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی زید مجدہ کو کہ انھوں نے اس موضوع کو اٹھا کر وقت کے ایک اہم تقاضے کو پورا کیا ہے۔ اللہ پاک ان کی اس سعی کو قبول فرمائے اور نظام عشر وخراج پر امت مسلمہ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام نے یقیناً ایسی بنیادیں فراہم کی ہیں کہ ان کی روشنی میں اراضی کے عشری وخراجی ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرات فقہاء کرام نے اس بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

(الف)ـــــ جن ممالک کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا اس طرح وہ ممالک فتح ہو گئے تو وہاں کی

"تبدیل ملک سے وظیفہ عشر و خراج بدل نہ ہوگا۔ لہٰذا خراج ہی واجب ہوگا۔"

(ج) "اور جن اراضی کا حال معلوم نہ ہو کہ درمیان میں کسی کافر کا قبضہ رہا ہے یا نہیں، لیکن فی الحال مسلمان کے قبضہ و ملک میں ہو تو وہ زمین عشری کہلائے گی، اور استصحاب حال کے تحت یہ سمجھا جائے گا کہ یہ کسی مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے۔ لہٰذا عشر واجب ہوگا۔"

حاصل کلام یہ کہ دو صورت میں ہند کی زمینیں عشری ہیں اور صرف ایک صورت میں خراجی ہیں جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

۲ــــ اس کے تحت ذکر کردہ تفصیلات کی روشنی میں یہ فیصلہ مشکل نہیں، کہ کونسی زمین عشری ہے اور کونسی خراجی۔ اس لیے کہ اگر مسلمان کا قبضہ ہے تو استصحاب حال کی دلیل سے عشری ہے اور اگر کافر یا حکومت کا قبضہ ہے تو استیلاء کفر کی وجہ سے خراجی ہے۔

۳ــــ سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل نہیں چونکہ کافر کو مسلمانوں سے خراج وصول کرنے کا حق نہیں اور نہ ہی کافر حکومت کی فوج وغیرہ مصرف خراج ہے۔ اس لیے اگر مسلمانوں کے پاس خراجی زمین ہو تو اس کا خراج نکال کر اپنے تئیں مصارف خراج پر خرچ کرنا ضروری ہے۔ مصارف خراج میں علماء، طلباء، مفتیان کرام، قضاۃ، مدارس اسلامیہ بھی داخل ہیں۔

لأن الكافرين ليس لهم ولاية أخذ الخراج من المسلمين والمؤمنين وأيضاً ليسوا بمصارف الخراج حتى إذا أدى المسلمون إليهم مالاً بنية الخراج لا يخرجون عن عهدته الخ۔[1]

۴ــــ خراجی زمینوں کا خراج عشر و زکوٰۃ کی طرح عبادت تو نہیں ہے لیکن ایک شرعی و اسلامی حق ضرور ہے جس کا ادا کرنا عشر کی طرح واجب ہے۔ البتہ یہاں ایک اہم سوال ضرور ہے کہ بنفس مسلمان خراج کی ادائیگی کس شرح سے کرے۔ یہاں پہونچ کر امیر المؤمنین کی ضرورت محسوس ہوتی ہے چونکہ خراج مؤظف امیر المؤمنین ہی مقرر کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے اراضی عراق کی پیمائش کے بعد خراج مؤظف کے بارے میں احکامات جاری فرمائے تھے۔ یا پھر نقباء امت اپنا کوئی اجماعی فیصلہ امت

---

[1] سراج الہند۔

کے لیے مشاورت کریں اور اپنے فیصلہ کی تنفیذ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو بنائیں۔

۵۔ عشر یا نصف عشر پوری پیداوار سے نکالنا ضروری ہے۔ زراعت کے غیر معمولی اخراجات جیسے معمولی پیداوار پر بہت عشر کو لینے سے پہلے منہا نہیں کیے جا سکتے بلکہ پہلے پوری پیداوار سے عشر نکالا جائے گا اس کے بعد اخراجات منہا کیے جا سکتے ہیں۔

ولا يحتسب لصاحب الارض ما انفق على الغلة من سقي او عمارة او اجر الحافظ او اجر العمال او نفقة البقر لقوله عليه السلام ما سقته السماء ففيه العشر۔ ؎

۶۔ جس زمین کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے اس میں عشر دونوں پر واجب ہے یعنی مالک اور بٹائی دار دونوں اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق عشر ادا کریں گے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب دونوں مسلمان ہوں۔ اور اگر ایک مسلمان دوسرا غیر مسلم ہے تو مسلمان اپنے حصہ پیداوار کا عشر دے گا لیکن غیر مسلم پر عشر واجب نہیں۔ چونکہ وجوب عشر کے شرائط میں سے پہلی شرط اسلام ہے اور دوسرے یہ کہ عشر ایک طرح عبادت ہے اور کافر اس کا اہل نہیں۔ ؎

مورد بحث

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر پیداوار کی ہر مقدار پر واجب ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔ زکوٰۃ کی طرح اس کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں۔ اس کی وجہ قرآن کریم اور احادیث پاک کے الفاظ کا عموم ہے مثلاً "مِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ" "وما سقته السماء ففيه العشر"۔

۲۔ وجوب عشر کے شرائط میں علامہ کاسانیؒ نے ایک شرط یہ بھی لکھی ہے کہ پیداوار ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادۃً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہو۔ لہٰذا بانس، درخت، جھاڑیوں کے لیے گھاس اگر لگائی گئی ہو تب تو اس پر عشر واجب ہے اور اگر خودرو ہو تو اس پر عشر واجب نہیں۔ سنگھاڑا وغیرہ اگر خودرو ہو تو اس پر عشر واجب نہیں اور اگر اس کی کاشت کی

؎ بدائع و شامی ؎ بدائع الصنائع۔

گئی ہو تو اس پر عشر واجب ہے۔[1]

٣ ــــــ مچھلی کی کاشت پر ناکارہ کے نزدیک زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہونا چاہیے چونکہ زمین کی پیداوار میں مچھلی کو داخل کرنا ناکارہ کے نزدیک واضح نہیں۔

٤ ــــــ شہد کے چھتے پر قیاس کرتے ہوئے ریشم کے کیڑوں پر بھی وجوب عشر راجح معلوم ہوتا ہے

ویجب فی العصفر والکتان وبذرۃ لان کل واحد منہا مقصود فیہ حق لو اشتغل ارضہ بہا یجب العشر الخ۔[2]

٥ ــــــ درخت ثمر دار اور ہوں یا غیر ثمر اگر اس کو مالک ارض نے لگایا ہے خودرو نہیں اور عادۃً بھی کاشت کرکے نفع اٹھایا جاتا ہے چاہے بشکل جلاون یا بشکل فرنیچر، اس پر عشر واجب ہے۔[3]

٦ ــــــ سبزیاں چاہے تجارت کی نیت سے لگائی گئی ہوں یا ذاتی استعمال کے لیے بہر صورت خضراوات پر عشر واجب ہے۔[4]

٧ ــــــ وجوب عشر کے شرائط میں ملکیت زمین نہیں۔ لہٰذا اراضی وقف جس کا کوئی مالک نہیں ہوتا ان پر بھی عشر لازم ہے اور وقف علی الاولاد کی اراضی پر بھی عشر واجب ہے۔

ویجب ای ان قال ولو وقف، وفی الشامی افاد ان ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملک الخارج لانہ یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملکہ لہا وعدمہ سواء۔[5]

ـــــــــ ⁘ ـــــــــ

---

[1] بدائع [2] رد المحتار ٢/٧٠ [3] بدائع وشامی

[4] احسن الفتاوی [5] بدائع۔ رد المحتار ٢/٥٣۔

عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں زمینوں کا بندوبست

مولانا مجیب اللہ ندوی ———— جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ

عہد نبوی اور عہد صحابہ میں زمینوں کے بندوبست کی نوعیت یکساں نہیں تھی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے مگر اتنی بات طے تھی کہ جو زمینیں غیر مسلموں کے پاس چھوڑ دی گئیں ان سے خراج وصول کیا گیا اور جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں دی گئیں یا جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ان سے عشر وصول کیا جاتا رہا اور خلافت راشدہ کے زمانہ تک اس میں کوئی فرق نہیں ہوا۔

البتہ یہ بات قابل تحقیق ہے کہ خراجی زمینیں رکھنے والے جب مسلمان ہو گئے تو ان پر صرف عشر لگایا گیا یا عشر و خراج دونوں یا صرف خراج ائمہ کے درمیان اس میں اختلاف ہے مگر تعامل کیا رہا یہ بات قابل غور ہے۔

عہد نبوی میں زمینوں کا بندوبست

عہد نبوی میں بحیثیت سربراہ مملکت حضور ﷺ کے پاس دو واسطے سے منقولہ اور غیر منقولہ جائداد آئی، مال غنیمت کے ذریعہ دوسرے مال فے کے ذریعہ عام طور پر منقولہ جائداد کے لئے مؤرخین و فقہاء غنیمت کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور غیر منقولہ جائداد کے لئے فے کا لفظ استعمال کرتے ہیں مگر قرآن و حدیث میں یہ دونوں لفظ عام معنی میں بھی مستعمل ہوئے ہیں اس لئے یہاں ان کو عام معنی ہی میں استعمال کیا گیا ہے۔

فے اور غنیمت کے اموال کی قسمیں: فے اور غنیمت کے ذریعہ جو چیزیں اسلامی حکومت کے قبضہ میں

آئیں وہ دو طرح کی تھیں ایک منقول اموال و جائداد مثلاً روپیہ پیسہ، سونا چاندی، سواری اور سامان وغیرہ۔ دوسرے غیر منقولہ جائداد جیسے مزروعہ اور غیر مزروعہ زمینیں اور مکانات وغیرہ۔

منقولہ اموال میں اسوۂ نبویؐ

منقولہ اموال میں نبی کریمؐ کا عام طرز عمل یہ ہوتا تھا کہ آپ سب سے پہلے اسلامی حکومت کا حق خمس[1] الگ نکلوانے کے بعد بقیہ ۴/۵ کو ضرورت و خدمت کے تحت فوجیوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ یہ طرز عمل ان منقولہ اموال میں ہوتا تھا جو جنگ کے ذریعہ حاصل ہوتے تھے لیکن جو منقولہ اموال صلح و معاہدہ یا ٹیکس کے ذریعہ آپ کے پاس آتے تھے اس میں سے خمس نہیں نکالا جاتا تھا بلکہ قرآن کی ہدایت کے مطابق وہ سب آپ عام مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے تھے اور اس تقسیم میں بھی آپ ضرورت و خدمت کا لحاظ فرماتے تھے جیسا کہ بنو نضیر وغیرہ کی منقولہ اشیاء میں کیا گیا یعنی بنو نضیر کا کل مال آپ نے مہاجرین میں تقسیم فرما دیا صرف دو مستحق صحابہ کو اس میں سے حصہ دیا۔

خمس جو اسلامی حکومت کی ملکیت میں ہوتا تھا قرآن کی ہدایت کے مطابق آپ اس میں سے کچھ اپنے اور اپنے اہل و عیال کی کفالت کے لئے لیتے تھے اور بقیہ ذوی القربیٰ یتامیٰ مساکین اور مسافروں پر صرف فرماتے تھے اس سلسلہ میں قرآن کی ہدایت کا ذکر آگے آئے گا یہ طرز عمل آپؐ نے غزوۂ بدر سے لے کر غزوۂ حنین تک اختیار فرمایا تھا۔

غیر منقولہ اموال میں آپؐ کا طرز عمل

منقولہ اموال میں تو آپؐ کا طرز عمل ہمیشہ یہی رہا مگر غیر منقولہ جائدادوں میں قرآن کے دیئے ہوئے اختیار کے مطابق آپؐ کا طرز عمل حالات اور مصالح کے پیش نظر مختلف مواقع پر مختلف رہا۔ کبھی آپؐ نے کسی جائداد کو مستحقین میں تقسیم کر دیا اور کبھی مفاد عامہ کے خاطر اسے حکومت کی ملک قرار دیا اور کبھی کسی جائداد کے بعض حصے کو تقسیم کیا اور

---

[1] خمس کو اسلامی حکومت کا حق اس لئے کہا گیا کہ وہ بھی مصالح عامہ ہی میں صرف ہوتا ہے۔ نبی کریمؐ جنگ کے بعد فرمایا کرتے تھے: "ھذا غنائمکم وانہ لیس لی فیہا الا نصیبی معکم الخمس والخمس مردود علیکم" یہ تمہاری غنیمتیں ہیں اس میں میرا حصہ بجز خمس کے کچھ نہیں اور خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی مصالح پر صرف کر دیا جاتا ہے۔

اور ایک حصہ کو ازواج مطہرات اہل بیت اور اپنی کفالت کے لئے مخصوص فرمایا جو حصہ اپنے اہل وعیال کے لئے مخصوص فرمایا تھا اس کی آمدنی سے صرف بقدر کفاف ازواج مطہرات اور اہل بیت کو عنایت فرماتے تھے بقیہ آمدنی دینی ضروریات اور جہاد کے سامان کی تیاری میں صرف ہوتی تھی حضرت عمرؓ کے الفاظ ہیں:

"اموال بنی نضیر حبسا لنوائبه"
بنی نضیر کی ساری جائداد ان دینی و دنیاوی ضروریات کے لئے مخصوص تھیں جو آپ کو پیش آتی رہتی تھیں۔

بنو نضیر کے بعد دوسرے یہودی قبیلہ بنو قریظہ کی جائداد آپ کے قبضے میں آئی خمس نکالنے کے بعد اس کو آپ نے عام مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا فتوح البلدان میں امام زہری کا قول منقول ہے کہ:

"قسمها رسول الله صلى الله عليه وسلم بين المسلمين على السهام"[1]
ان کی جائداد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں میں حصہ کے مطابق تقسیم کر دیا۔

خیبر کی جائداد

اب تک وقت صلح یا جنگ کے ذریعہ مسلمانوں کو جتنی جائداد ملی تھیں ان میں سب سے بڑی منقول و غیر منقول جائداد خیبر[2] میں ملی، خیبر کے بارے میں عام طور پر مشہور ہے کہ خمس نکالنے کے بعد اس کو فوجیوں میں تقسیم کر دیا گیا مگر یہ بات کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں ہے بلکہ خیبر کے منقولہ اموال کی تقسیم بھی اسی طرح کی گئی جس طرح اس سے پہلے آپ فرمایا کرتے تھے[3] اور غیر منقولہ جائداد کی تقسیم یوں کی گئی کہ خمس نکالنے کے بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) درمیان تقسیم کر دیا جائے یا صرف مہاجرین میں، انھوں نے خوشی اس کی اجازت دے دی کہ مہاجرین میں تقسیم کر دی جائے صرف دو ضرورتمند انصاریوں کو اس میں سے حصہ دیا گیا ان کا استدلال لفظ "اموال" کی بنا پر ہے یعنی روایتوں میں اموال بنی نضیر کا لفظ ہی آیا ہے۔ [1] حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ فيجعل ما بقى مجعل مال الله اس کو اس طرح صرف کرتے تھے جس طرح خدا کے مال کو صرف کرنا چاہئے اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ کا قبضہ مالکانہ نہیں بلکہ متولیانہ تھا

[1] ص ۱۲۹ نیز زرقانی ج ۲ ص ۱۹۵۔ [2] خدا نے حدیبیہ کے موقع پر یہ وعدہ کیا تھا کہ: وعدكم الله مغانم كثيرة تاخذونها الله تعالی تم سے کثیر مال غنیمت کا وعدہ کرتا ہے جو تمہارے ہاتھ آئے گا اس وعدہ کی ابتدا خیبر سے ہوتی۔

[3] غزوۂ خیبر کے عین موقع پر مہاجرین حبشہ واپس آئے تھے آپ نے منقولہ اموال میں ان کا حصہ بھی لگایا تھا اس لئے بعض لوگوں نے سمجھ لیا کہ آپ نے ان کو غیر منقولہ جائداد سے بھی حصہ دیا یہ صحیح نہیں ہے۔

فدک وخیبر کے بعد فتح مکہ ہوا، مکہ کے بعد طائف اور حنین قبضہ میں آئے مگران سب کے لئے مسلمانوں کو جنگ و جدال کرنا پڑی بلکہ حنین و طائف میں تو جان و مال کی بھاری قربانی بھی دینی پڑی مگران تینوں جگہوں میں سے کہیں کی بھی زمین آپؐ نے فوجیوں میں تقسیم نہیں کی مکہ میں مہاجرین کو صرف اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنے ان مکانات پر قبضہ کرلیں جو ہجرت کے وقت وہ چھوڑ کر چلے گئے تھے اور جن پر کفاروں نے قبضہ کرلیا تھا طائف کے بعد کوئی ایسا مقام نہیں تھا جس کو فتح کرکے باقاعدہ آپؐ نے قبضہ فرمایا ہو۔

منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کی تقسیم کے بارے میں جو طرز عمل آپؐ نے غزوۂ بدر سے لے کر غزوۂ طائف تک اختیار فرمایا تھا اس کو ایک مختصر خاکہ آپ کے سامنے رکھ دیا گیا اس کی روشنی میں آپ حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل کو دیکھئے جو انھوں نے سواد عراق کے سلسلہ میں اختیار فرمایا تھا حضرت عمر نے سواد عراق میں بالکل وہی طرز عمل اختیار فرمایا جو نبی کریم صلعم نے حضرت عمرؓ کے باغات، بنو نضیر کی جائداد، خیبر کی نصف زمین، اور فدک اور وادی القریٰ کی اراضی اور مکہ اور طائف کے مکانات میں اختیار فرمایا تھا۔ نبی کریمؐ نے بنو قریظہ کی زمین و باغات کے علاوہ کسی غیر منقولہ جائداد کو مکمل طور پر تقسیم نہیں فرمایا بلکہ بنی قریظہ کے بارے میں بھی بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس کو آپؐ نے صرف مہاجرین ہی میں تقسیم فرمایا تھا انصار میں صرف دو یا تین آدمیوں نے حصہ پایا تھا غرض یہ کہ غیر منقولہ جائداد میں آپؐ نے جو بھی تقسیم فرمایا وہ اس بنا پر نہیں کہ وہ لازماً فوجیوں کا حق تھا بلکہ ضرورت و مصلحت کے تحت آپؐ نے ان کی تقسیم فرمائی۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا اس کا تعلق تمام تر نبی کریمؐ کے اس طرز عمل سے ہے جو آپؐ نے فے اور غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں اختیار فرمایا تھا اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپؐ نے غیر منقولہ جائداد میں مختلف طرز عمل کیوں اختیار فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپؐ نے ایسا اپنے جی سے نہیں بلکہ قرآن کی ہدایت و اجازت سے کیا۔ فے اور غنیمت کے سلسلہ میں قرآن نے ابتدا ہی سے مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات اتارنے کی کوشش کی کہ یہ مال غنیمت محض تمہاری کوششوں سے نہیں ملا ہے بلکہ یہ خدا کا عطیہ و انعام ہے چنانچہ پہلی بار غزوۂ بدر میں غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں مسلمانوں نے آپ سے سوال کیا تو ان کو جواب دیا گیا کہ یہ خدا اور اس کے رسول کا حق ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ؛

لے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مکہ عنوۃ یعنی جنگ کے ذریعہ فتح نہیں ہوا اس لئے کہ اس کی جائداد تقسیم نہیں ہوئی امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم نے بدلائل یہ بتایا ہے کہ یہ عنوۃً فتح ہوا اس کے باوجود آپ نے اس کی تقسیم نہیں کیا اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

تم سے یہ مالِ غنیمت (انفال) کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دو یہ خدا اور اس کے رسول کا حق ہے
اس جواب کے بعد اس بارے میں ان کو کچھ اور بھی ہدایتیں دی گئیں اس کے بعد کچھ اور بھی احکام دیے گئے پھر
اس کا مصرف بتا دیا گیا:

"وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ"
جان لو کہ جو مال غنیمت تم کو ملے اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا ہے اور اس کے رسول اور ان کے
قرابت داروں اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کا حق ہے۔

اس آیت میں غنیمت کے کل حصے کے ۱/۵ کا مصرف تو بتا دیا گیا مگر بقیہ ۴/۵ کے بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں دی گئی اگر منقول اور غیر منقول مال غنیمت کے ۴/۵ حصے بہر صورت فوجیوں میں تقسیم کرنا ضروری ہوتا تو اس کی تصریح قرآن ضرور کرتا اب نبی کریم نے اپنے اسوہ سے اس کی جو تبیین اور تفسیر کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منقولہ چیزیں اگر جنگ سے حاصل ہوتی ہیں تو ان کو فوجیوں میں تقسیم کر دی جائیں گی اور اگر بغیر جنگ کے کوئی منقولہ مال ملا ہے تو اس کو عامۃ المسلمین میں تقسیم کر دیا جائے گا یا اس سے ان کے مفاد کا کوئی کام کیا جائے گا غزوہ بدر میں کوئی غیر منقولہ جائداد مسلمانوں کو نہیں ملی تھی اور نہ ان کے سامنے اس کی تقسیم کا کوئی سوال پیدا ہوا تھا بلکہ صرف منقولہ چیزیں ملی تھیں اور اسی کو آپ نے ان کے درمیان تقسیم فرمایا تھا[1] غیر منقولہ جائداد کے بارے میں اصل حکم غزوہ بدر کے دو سال بعد یعنی سنہ ۴ھ میں بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت نازل ہوا۔

"وَمَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ
وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (حشر)
جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوا دیا ہے اس کے لئے تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ
اونٹ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جس پر چاہتا ہے غالب کرتا ہے اللہ ہر چیز پر قادر ہے

---

[1] مگر چونکہ یہاں لفظ عام واقع ہوا ہے انما غنمتم من شیء جس سے منقول اور غیر منقول دونوں طرح کی چیزیں مراد ہو سکتی ہیں اس لئے بعض ائمہ نے آپ کے اس طرز عمل پر جو آپ نے منقول اموال کے بارے میں اختیار فرمایا تھا غیر منقولہ چیزوں کو بھی قیاس کیا مگر یہ قیاس ہے آگے قرآن کی صراحت آرہی ہے۔

اس کے بعد پھر فقرائے مہاجرین کا ذکر کیا گیا پھر انصار کا پھر ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کے حق کے بارے میں وضاحت کی گئی والذین جاؤا من بعدھم اور ان کے بعد جو مسلمان آئندہ آئیں گے ان کا حق بھی اس میں ہے۔ (سورۂ حشر ع ۱)

ان آیات میں تین جملے خاص طور پر قابل غور ہیں ایک کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم اور دوسرا ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا اور تیسرا والذین جاؤا من بعدھم۔ پہلے جملے میں یہ تنبیہ کی گئی کہ ان اموال و جائدادوں کی تقسیم اس طرح نہ کی جائے کہ یہ چند مخصوص آدمیوں کے ہاتھ میں چلی جائے اور انہی میں گردش کرتی رہے اور دوسرے لوگ اس سے بالکل محروم ہو جائیں۔

پھر دوسرے جملے میں یہ بات بتائی گئی کہ اس کی تقسیم نبی کریم جس طرح بھی کر دیں اس پر سب کو راضی ہو جانا چاہئے تیسرے جملے میں پھر یہ بات واضح کر دی گئی کہ یہ صرف چند موجودہ مسلمانوں کا حق نہیں ہے بلکہ قیامت تک اسلامی حکومت میں جو مسلمان پیدا ہوتے رہیں گے ان سب کا حق اس میں ہے۔ ان ہی آیات کی روشنی میں نبی کریم نے غیر منقولہ جائداد کے بارے میں وہ مختلف طرز عمل اختیار فرمایا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

اب قرآن کی ان تصریحات اور نبی کریم کے مذکورہ بالا طرز عمل کو سامنے رکھ کر تنہا حضرت عمر ہی نہیں بلکہ تمام قابل ذکر صحابہ کرام کے فیصلہ پر نظر ڈالئے عراق کا وہ زرخیز علاقہ جو دجلہ و فرات کے درمیان واقع ہے جس کی سرسبزی و شادابی کی وجہ سے اسی کو عرب سواد[ا] عراق کہا کرتے تھے وہ سنہ ۱۶ھ میں فتح ہوا اس سے پہلے شام وغیرہ کے علاقے فتح ہو چکے تھے اور ان میں بھی کسی علاقہ کو فوجیوں میں تقسیم نہیں کیا گیا بلکہ حضرت عمر نے سواد عراق کی فتح کے بعد امیر عراق حضرت سعد بن ابی وقاص کو ان کے خط کے جواب میں یہ ہدایت بھیجی کہ:

اما بعد فقد بلغنی کتابک تذکر فیہ ان الناس سألوک ان تقسم بینہم مغانمہم وما افاء اللہ علیہم فاذا اتاک کتابی ہذا فانظر ما اجلب الناس علیک بہ الی العسکر من کراع ومال فاقسمہ بین من حضر من المسلمین واترک الارضین والانہار لعمالہا لیکون ذلک فی اعطیات المسلمین فانک ان قسمتہا بین من حضر لم یکن لمن بعدہم شیء (کتاب الخراج ص ۲۴)

[ا] جو چیز گہرے سبز رنگ کی ہوتی ہے اس کو عرب سواد یعنی سیاہی مائل کہا کرتے ہیں۔

اما بعد تمہارا خط مجھے ملا جس میں ذکر ہے کہ لوگ غنیمت کے مال کو اور جو جائداد اللہ نے عنایت کی ہے فوجیوں کے درمیان تقسیم کر دینے کا سوال اٹھا رہے ہیں تو جب میرا خط تمہیں پہنچے تو دیکھو کہ جو منقولہ مال و سامان و جانور وغیرہ لوگوں نے دشمنوں سے حاصل کر کے تمہارے پاس جمع کر دیا ہے اسے ان کے درمیان تقسیم کر دو اور جتنی آراضی اور نہریں وغیرہ قبضہ میں آئیں ان کے مالکوں کے ہاتھوں میں رہنے دو تاکہ اس سے عام مسلمانوں کی مدد کی جا سکے اگر ان کو بھی تم نے تقسیم کر دیا تو پھر بعد کے آنے والے مسلمانوں کے لئے کچھ باقی نہ رہے گا۔

حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سے بعض صحابہؓ نے اس غلط فہمی کی بنا پر اختلاف کیا کہ سنت نبوی کے مطابق اسے فوجیوں کے درمیان تقسیم ہونا چاہئے مگر حضرت عمرؓ نے اس کے تقسیم سے انکار کیا لیکن جب ان حضرات کا اصرار بہت بڑھ گیا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ عام صحابہ سے مشورہ کر لیا جائے[1] ان کی جیسی رائے ہوگی ویسا ہی عمل کیا جائے گا چنانچہ آپ نے سب کو جمع کر کے یہ تقریر کی، حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"میں نے آپ لوگوں کو اس لئے جمع کیا ہے کہ میں نے آپ کے معاملات کی جو ذمہ داری اٹھائی ہے اس میں آپ میری مدد کریں اس لئے کہ میں بھی آپ ہی لوگوں جیسا ایک آدمی ہوں آج آپ لوگوں کو ایک حق بات کا فیصلہ کرنا ہے اس میں آپ یہ نہ دیکھئے کہ کس نے میری مخالفت کی ہے اور کس نے میری موافقت کی ہے میں نہیں چاہتا کہ آپ میری خواہش اور رائے کی پیروی کریں آپ کے ہاتھ میں کتاب اللہ موجود ہے جو خود حق بات کو واضح کرے گی میں جو کچھ کہوں گا اس کا مقصد اظہار حق ہوگا اپنی رائے مسلط کرنا نہیں۔"

اس تمہید کے بعد آپ نے[2] فرمایا:

آپ لوگوں نے سنا ہوگا کہ جو لوگ سواد عراق کی زمینوں کی تقسیم کے حامی ہیں ان کا خیال ہے کہ

---

[1] جس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر ابن العوام اور حضرت بلال پیش پیش تھے۔ [2] تمام صحابہ کے نام گنائے نہیں ہے صرف بعض اجلہ صحابہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ وغیرہ کا ذکر ہے بعض روایتوں میں فاستشار المهاجرين الاولين سابقون الاولون مہاجرین سے بھی مشورہ کیا اور بعض روایتوں میں ہے کہ فارسل الى عشرة من الانصار من كبرائهم واشرافهم انصار میں سے جو دس ممتاز اور بڑے صحابہ تھے ان سب کو جمع کیا (کتاب الخراج ابو یوسف صفحہ ۱۴)

میں ان کے حقوق چھین کر ان کے اوپر ظلم کر رہا ہوں حالاں کہ میں خدا سے اس بات کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں کسی کے اوپر ظلم کروں اگر میں کوئی ایسی چیز جو ان کے ملکیت میں ہوتی اسے چھین کر دوسروں کو دے دیتا تو البتہ یہ میری شقاوت اور بدبختی ہوتی مگر میرا خیال ہے کہ اگر میں نے کسریٰ کی اس سرزمین کو تقسیم کر دیا تو آئندہ کوئی علاقہ فتح نہیں کیا جا سکے گا[1] کیوں کہ ان کے اخراجات کی کوئی دوسری صورت نہیں ہے[2] اس لئے میری رائے ہے کہ تمام آراضی کو ان کے مالکوں کے ہاتھوں میں رہنے دیا جائے اور ان کے اوپر خراج اور جزیہ عائد کر دیا جائے اور اس سے جو آمدنی ہو اس سے فوجیوں، معصوم بچوں اور آئندہ آنے والی نسل سب کو فائدہ پہنچایا جائے۔

کیا آپ لوگوں نے اس پر غور کیا ہے کہ اسلامی مملکت کی سرحدوں کے لئے ایک مستقل فوج کی ضرورت ہے جو وہاں ہر وقت تیار رہے کیا آپ لوگوں نے اس پہلو پر بھی کبھی سوچا ہے کہ اسلامی مملکت کے بڑے بڑے خطے اور شہر مثلاً جزیرہ، شام، کوفہ، بصرہ اور مصر کی حفاظت کے لئے بھی ایک مستقل فوج کی ضرورت ہے اگر میں یہ زمین اس کے مالکوں سمیت فوجیوں میں تقسیم کر دوں تو اتنی بڑی فوج کا خرچ کہاں سے آئے گا۔

ان مصالح کا ذکر کرنے کے بعد پھر فرمایا:

میں نے جو کچھ فیصلہ کیا ہے وہ اپنے جی سے نہیں بلکہ کتاب اللہ کی روشنی میں ایسا کیا ہے پھر انھوں نے سورۂ حشر کی وہ آیات پڑھیں جو اوپر درج کی جا چکی ہیں پہلی آیت وما افاء اللہ علی رسولہ منہم کے بعد فرمایا کہ یہ بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور آگے والی آیت وما افاء اللہ علی رسولہ من اہل القریٰ آئندہ تمام فتح ہونے والی بستیوں کے لئے ہے اس کے بعد خدا نے مہاجرین کو ذکر کیا پھر انھیں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انصار کو بھی ذکر کیا پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ آخر میں کہا کہ والذین جاؤا من بعدہم (اور ان لوگوں کے بعد جو آئیں ان کا بھی حق ہے)

ان آیات کی تلاوت و تفسیر کے بعد آخری ٹکڑے کے بارے میں فرمایا:

"فکانت ہذہ عامۃ من جاء من بعدہم فقد صار ہذا الفیء بین ہؤلاء جمیعا

---

[1] یہ علاقہ اس وقت ایرانیوں کے قبضہ میں تھا اور ان ہی سے مسلمانوں نے لیا تھا۔

[2] اور ممکن ہے کہ زمین کے مالک یہ علاقہ چھوڑ دیں اور ساری زمین بیکار ہو جائے۔

فكيف نقسمه لهؤلاء وندع من تخلف بعدهم بغير قسم [1]

"تو یہ آیت عام ہے جس سے ان تمام لوگوں کا حق ثابت ہوتا ہے جو موجود ہیں اور جو آئندہ آئیں گے
تو جب اس میں ان تمام کا حق ہے تو پھر ہم ان کو صرف ان موجودہ فوجیوں ہی کے لیے تقسیم
کر دیں اور جو ان کے بعد آنے والے ہیں ان کو کیسے محروم کر دیں۔"

پھر کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا:

"لو قسمته بينهم صارت دولة بين الاغنياء منكم" [2]

"اگر میں ان کے درمیان اس کو تقسیم کر دوں تو یہ سرزمین چند دولت مندوں کی جاگیر ہو کر ان ہی میں گردش
کرتی رہے گی۔"

اس تقریر کے بعد پوری مجلس نے حضرت عمرؓ کی بات سے اتفاق کیا۔ اس تقریر کے ایک ایک حرف سے پتہ چلتا ہے کہ
حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ کتاب اللہ کی تصریحات سے مجبور ہو کر کیا۔ حضرت عمرؓ نے جن اجتماعی مصالح کا ذکر کیا ہے وہ خود اپنی
جگہ بڑے اہم ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی فیصلہ کرنا اسلامی مملکت کو ختم کرنے اور جہاد کی روح کی بالیدگی کو روک دینے
کے ہم معنی تھا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کو ذکر
کیوں نہیں کیا جو آپ نے بنو نضیر، خیبر، فدک اور طائف وغیرہ میں اختیار فرمایا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنے زمانہ میں جن اجتماعی مصالح کے پیش نظر منقولہ اور غیر منقولہ جائدادوں اور اموال میں مختلف طرز عمل اختیار
فرمایا تھا ان کو نظر انداز کرنے سے ہر پہلو پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے ہی تو یہ اختلاف رونما ہوا تھا اس وجہ سے اس اختلاف
کو ختم کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ کتاب اللہ سے کوئی محکم دلیل پیش کر دی جائے تاکہ پھر کسی کو چون و چرا کی کوئی گنجائش
باقی نہ رہے چنانچہ یہی ہوا کہ دو تین اصحاب کے علاوہ سب نے اس استدلال سے اتفاق کیا۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ بھی پتہ چل گیا ہوگا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر منقولہ جائدادوں میں
ہمیشہ افراد سے زیادہ اجتماعی مصالح کا لحاظ فرمایا اور وہی طرز عمل حضرت عمرؓ نے اختیار فرمایا اور اسی پر بندوبست

---

[1] کتاب الخراج امام ابو یوسفؒ

[2] احکام القرآن جصاص تفسیر سورۂ حشر

اسلام کا نظامِ عشر و خراج

اور

ہند و پاک کی اراضی کا شرعی حکم

از ــــ مفتی نسیم احمد قاسمی، رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا

کائنات انسانی پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے بے شمار احسانات اور انعامات کیے ہیں جنھیں انسان شمار بھی نہیں کر سکتا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها ـ (١)

اگر تم احسانات خداوندی کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

ان احسانات میں سے اللہ تبارک و تعالیٰ کا انسانوں پر ایک بڑا احسان یہ ہے کہ اس کی سکونت اور رہنے بسنے کے لیے زمینی نظام قائم فرمایا، اور زمین کو نہ صرف انسانوں کی سکونت کا ذریعہ قرار دیا بلکہ اسے کاشت اور پھل اگانے کے قابل بنا کر انسانوں کی معیشت اور خورد و نوش کا بھی انتظام فرما دیا ــــــ انسان اپنی محنت سے زمین کا سینہ چاک کر کے مختلف قسم کے پھل اور اناج اگاتا ہے اور قدرت کی دی ہوئی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر زمینی ذخائر اور خزانے سے فیضیاب ہوتا ہے۔ قدرت نے زمین کو انسانوں کے

---

(١) الاعراف ١٠

اور عقل و قیاس سے ثابت ہے۔

عشر کا وجوب قرآن کریم سے

قرآن کی ان عمومی آیات سے بھی عشر کی فرضیت پر استدلال کیا جا سکتا ہے جن میں زکوٰۃ کی فرضیت بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کی مختلف آیات میں صراحتاً بھی زرعی پیداوار میں عشر کی فرضیت ذکر کی گئی ہے۔

سورہ انعام میں فرمایا گیا:

وهو الذي أنشأ جنات معروشات وغير معروشات والنخل والزرع مختلفا أكله والزيتون والرمان متشابها وغير متشابه كلوا من ثمره إذا أثمر وآتوا حقه يوم حصاده۔ (۱)

اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے ہیں اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طرح کی ہوتی ہیں اور زیتون اور انار جو باہم ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے ہیں ان سب کی پیداوار کھاؤ جب پھل لائیں اور اس میں جو حق واجب ہے کاٹنے کے دن دیا کرو۔

امام ابوجعفر طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت انس بن مالک سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اس سے زکوٰۃ مراد ہے۔ حضرت ابن عباس نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ اس سے عشر اور نصف عشر مراد ہے۔ جابر بن زید، حسن، سعید ابن المسیب، محمد بن حنفیہ، طاؤس، قتادہ اور ضحاک بھی اس آیت سے عشر اور نصف عشر مراد لیتے ہیں۔ (۲)

امام ابوبکر جصاص رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

فروي عن ابن عباس وجابر بن زيد ومحمد بن حنفية والحسن وسعيد بن

---

(۱) الانعام، آیت: ۱۴۱ (۲) تفسیر الطبری، ج ۸/۱۵۸-۱۶۱

المسیب و طاؤس و زید بن اسلم و قتادہ و ضحاک منہا العشر و نصف العشر(1)

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت کریمہ عشر کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی تھی جب عشر کا حکم دیا گیا تو یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ سدی اور ابراہیم کی رائے یہی ہے۔ امام حسن کہتے ہیں زکوٰۃ کی فرضیت سے اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔(2)

امام ابوبکر جصاص نے اس آیت کریمہ کے بارے میں مختلف مفسرین کی آراء نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے:

وآتوا حقہ یوم حصادہ کے بارے میں سلف کے درمیان تین چیزیں زیر بحث رہی ہیں:

(1) کیا اس سے کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ مراد ہے؟ جسے عشر کہا جاتا ہے۔

(2) کیا اس سے عشر کے علاوہ دوسرا حق مراد ہے؟

(3) کیا یہ آیت منسوخ ہے یا منسوخ نہیں ہے؟

اس آیت کے منسوخ نہ ہونے کی دلیل پوری امت کا اس بات پر اتفاق کرنا ہے کہ اناج یا مختلف قسم کے پھلوں میں عشر یا نصف عشر واجب ہے اور جب ہم کسی حکم کے بارے میں یہ دیکھتے ہیں کہ اسے امت کے درمیان قبولیت عام ہے اور قرآن کریم کا لفظ بھی اس کو شامل ہے تو اس کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا زیادہ مناسب ہے کہ جس حکم پر امت کا اتفاق ہے اس کا ثبوت قرآن سے ہے اور یہی حکم آیت قرآنی کی مراد ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے حکم کو ثابت کرنا درست نہیں ہوگا ——— امام رازی بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس جگہ آیت کریمہ کو منسوخ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس آیت سے عشر مراد لینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی ہے۔(3)

امام حسن بصری کے نزدیک بھی اس آیت سے عشر مراد ہے۔(4)

دوسری جگہ قرآن کریم نے زمینی پیداواروں میں عشر کے وجوب کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض(5)

---

(1) احکام القرآن للجصاص ۳/۷ (2) تفسیر طبری ۸/۱۹۶۔ احکام القرآن جصاص ۳/۹

(3) احکام القرآن جصاص ۳/۷ (4) مختصر تفسیر ابن کثیر ۱/۲۲۸ (5) سورۃ البقرۃ ۲۶۷

حاصل ہوتی ہے۔ عشر ادا کرنے والا گناہوں سے پاک ہوتا ہے اور اس کا مال پاک و صاف قرار پاتا ہے۔ زکوٰۃ اور عشر کے ذریعہ دلوں کا تزکیہ ہوتا ہے اور اموال کی تطہیر ہوتی ہے ــــــ علامہ کاسانی نے وجوب عشر کی عقلی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> واما المعقول فعلی نحو ما ذکرنا فی النوع الاول لان اخراج العشر الی الفقیر من باب شکر النعمة واقدار العاجز وتقویته علی القیام بالفرائض ومن باب تطهیر النفس عن الذنوب وتزکیتها وکل ذلک لازم عقلا وشرعا۔

وجوب عشر کا سبب

عشر کا تعلق زمینی پیداوار سے ہے اور وجوب عشر کا سبب ارض نامی پیداوار ہونے کی صورت میں قرار پاتی ہے لہٰذا صرف اس صورت میں ارض نامی پر عشر واجب ہوگا، جب کہ حقیقۃً اس میں پیداوار ہو ــــــ اس کے برخلاف خراج کا تعلق زمین کی پیداوار سے نہیں ہے بلکہ وجوب خراج کے لیے یہ بات کافی ہوگی کہ زمین قابل کاشت ہو چاہے اس میں کاشت نہ کی گئی ہو مگر پھر بھی اس میں خراج واجب ہوگا۔ اگر زمین عشری ہو اور اس میں کاشت کی صلاحیت بھی ہو مگر اس میں کاشت نہ کی گئی تو اس صورت میں چوں کہ حقیقۃً پیداوار نہیں پائی گئی اس لیے عشر واجب نہیں ہوگا، اور اگر خراجی زمین میں کاشت کی صلاحیت و قدرت کے باوجود کاشت نہیں کی گئی تو تقدیراً نمو کے پائے جانے کی وجہ سے خراج واجب ہوگا ــــــ بدائع الصنائع میں ہے:

> واما سبب فرضیته فالارض النامیة بالخارج حقیقة وسبب وجوب الخراج الارض النامیة بالخارج حقیقة أو تقدیرا .... ولو کانت الارض عشریة فتمکن من زراعتها فلم تزرع لا یجب العشر لعدم الخارج حقیقة ولو کانت ارض خراجیة یجب الخراج لوجود الخارج تقدیرا۔ (۱)

وجوب عشر کی شرائط

وجوب عشر کی شرائط دو قسم کی ہیں:

---

(۱) بدائع ۲/۵۳

الف: عشر ادا کرنے والے کی اہلیت سے متعلق شرائط۔

ب: محل عشر یعنی عشری اراضی اور پیداوار سے متعلق شرائط۔

الف: عشر کے اندر عبادت کا پہلو پایا جاتا ہے اس لیے وجوب عشر کی پہلی شرط مسلمان ہونا ہے کیوں کہ مسلمان ہی عبادت کا اہل ہے، کافر عبادت کا اہل نہیں ہے اسی وجہ سے عشر صرف انھیں عشری اراضی پر واجب ہوتا ہے جو مسلمانوں کی ملکیت میں ہوں اگر کسی ذمی اور کافر نے مسلمان سے عشری زمین خریدی تو اس پر خراج واجب ہوگا، عشر نہیں، حالاں کہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ زمین کا ابتداء میں جو وظیفہ خواہ عشر ہو یا خراج مقرر ہو جائے وہ ہمیشہ باقی رہتا ہے، اس لیے اگر کسی مسلمان نے کافر سے خراجی زمین خریدی تو مسلمان کی ملکیت میں آنے کے بعد بھی وہ زمین عشری نہیں رہے گی بلکہ اپنی سابقہ حالت پر خراجی ہی رہے گی، اور مسلمان سے اس کا خراج وصول کیا جائے گا، مگر کافر چوں کہ عبادت کا اہل نہیں ہوتا ہے اس لیے وہ اگر عشری زمین کا مالک بنتا ہے تو بھی وہ زمین خراجی قرار پائے گی اور اس سے خراج ہی وصول کیا جائے گا۔

بدائع میں ہے:

اما شرط الاهلية فنوعان احدهما الاسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق إلا على مسلم بلاخلاف لان فيه معنى العبادة والكافر ليس من أهل وجوبها ابتداءً فلا يبتدأ به عليه .... ولو اشترى مسلم من ذمى ارضا خراجية فعليه الخراج ولا تنقلب عشرية لان الاصل ان مؤنة الارض لا تتغير بتبدل المالك الا ضرورة وفى حق الذمى إذا اشترى من مسلم ارض عشر ضرورة لان الكافر ليس من اهل وجوب العشر۔ (۱)

یعنی شرط اہلیت کی دو قسم ہے پہلی قسم اسلام ہے اور ابتداءً عشر واجب ہونے میں مسلمان ہونا شرط ہے پس یہ حق صرف مسلمان ہی پر واجب کیا جا سکتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اس لیے کہ عشر میں عبادت کا پہلو بھی ہے اور کافر وجوب عبادت کا اہل نہیں ہے، لہذا اس پر یہ حق واجب بھی نہیں ہو گا ـــــــ اگر کسی مسلمان نے ذمی سے خراجی زمین خریدی تو اس پر خراج واجب

---

(۱) بدائع ۲/۵۵-۵۴

ہوگا اور وہ زمین عشری میں تبدیل نہیں ہوگی، اس لیے کہ زمین کا وظیفہ ایک بار مقرر ہو جانے کے بعد مالک کے بدلنے سے نہیں بدلتا ہے الّا یہ کہ کوئی ضرورت داعی ہو ـــــ اور اس صورت میں جب کہ ذمی نے کسی مسلمان سے عشری زمین خریدی تو وہاں پر عشر کے بجائے خراج واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کافر وجوب عشر کا اہل ہی نہیں ہے۔

عام احکام شریعت میں عاقل بالغ ہونا بھی شرط ہے مگر زمین پر عشر واجب ہونے کے لیے عقل اور بلوغ شرط نہیں ہے، لہٰذا نابالغ اور پاگل کی عشری اراضی پر بھی عشر واجب ہوگا۔

مبسوط سرخسی میں ہے:

قال وان كانت الارض لمكاتب أو صبي أو مجنون وجب العشر في الخارج منها عندنا۔[1]

بدائع الصنائع میں ہے:

"عقل اور بلوغ وجوب عشر کی اہلیت کی شرائط میں سے نہیں ہے پس نابالغ اور پاگل کی زمین پر بھی عشر واجب ہوگا۔"[2]

نابالغ اور پاگل کی طرف سے اس کے اولیاء عشر ادا کریں گے۔

وجوب عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے اس لیے اراضی اوقاف جن کا کوئی مخصوص اور متعین مالک نہیں ہوتا ہے ان اراضی پر بھی پیداوار ہونے کی صورت میں عشر واجب ہوتا ہے۔

مبسوط سرخسی میں ہے:

وكذلك الخارج من الأراضي الموقوفة من الرباطات والمساجد يجب العشر عندنا۔[3]

ب:ـــــ محل عشر یعنی عشری اراضی اور پیداوار سے متعلق تین شرائط ہیں۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ زمین عشری ہو، اگر زمین خراجی ہے تو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا، کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک عشر اور خراج علیحدہ علیحدہ وظیفے ہیں، دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ہیں ایسا نہیں ہوگا کہ خراجی زمین ہونے کی صورت میں زمین کے اوپر خراج واجب قرار دیا جائے اور اس سے حاصل ہونے والی پیداوار پر عشر ـــــ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ایک ہی

---

(۱) مبسوط ۳/۳ (۲) بدائع ۲/۵۵ (۳) مبسوط ۳/۳

زمین پر عشر و خراج دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں۔

علامہ کاسانی نے لکھا ہے:

منها ان تكون الارض عشرية فان كانت خراجية يجب فيها الخراج ولا يجب في الخارج منها العشر فالعشر مع الخراج لا يجتمعان في ارض واحدة عندنا وعند الشافعي يجتمعان۔ (۱)

(۲) دوسری شرط زمین سے حقیقۃً پیداوار کا حاصل ہونا ہے اگر کسی وجہ سے زمین میں پیداوار نہیں ہو سکی چاہے پیداوار حاصل نہ ہونے میں قدرتی اسباب کو دخل ہو یا اس کی غفلت و کوتاہی کو کر اس نے اپنی غفلت و کوتاہی سے کاشت ہی نہیں کی زمین غیر آباد رہنے دیا، یا کاشت کیا مگر اس کی حفاظت نہ کر سکا بہرصورت عشر ساقط ہو جائے گا کیونکہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے جب پیداوار ہوگی تو اس پر عشر واجب ہوگا اور پیداوار نہ ہونے کی صورت میں فریضۂ عشر ہی ختم ہو جائے گا ——— بدائع میں ہے:

ومنها اي من شرائط المحلية وجود الخارج حتى ان الارض لو لم تخرج شيئا لم يجب العشر لان الواجب جزء من الخارج وايجاب جزء من الخارج ولا خارج محال۔ (۲)

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ زمین سے حاصل کی جانے والی پیداوار ان چیزوں کے قبیل سے ہو جن کے اگانے اور کاشت کرنے کا رواج ہو اور عادۃً ان کی کاشت کر کے نفع اٹھانا مقصود ہوتا ہو خودرو گھاس اور بے فائدہ قسم کے خودرو درخت اگر کسی عشری زمین میں ہو جائیں تو ان پر عشر واجب نہیں ہوگا ——— البتہ اگر گھاس یا درخت کو زمین میں اگایا جائے اور اس سے فائدہ حاصل کرنا مقصود ہو تو عشر واجب ہوگا ——— علامہ کاسانی نے تحریر کیا ہے:

منها ان يكون الخارج من الارض مما يقصد بزراعته نماء الارض وتستغل الارض به عادة فلا عشر في الحطب والحشيش والقصب الفارسي لان هذه الاشياء

(۱) بدائع ۲/۵۷ (۲) بدائع ۲/۵۹

لانه يقصد بها الارض ولا تستغل بها الارض عادة لان الارض لا تنمو بها بل تفسد فلم تكن نماء الارض حتى قالوا في الارض اذا اتخذها مقصبة و شجرة الخلاف التي يقطع في كل ثلاث سنين او اربع سنين انه يجب فيها لان ذالك غلة۔[1]

مالکیہ کے نزدیک وجوب عشر کی دو شرطیں

(۱) زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار اناج یا پھلوں میں سے کھجور اور زیتون کے قبیل سے ہو ان کے نزدیک میوہ جات مثلاً سیب، انار اور ترکاریوں میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار نصاب شرعی پانچ وسق کے برابر ہو اگر پانچ وسق سے کم پیداوار حاصل ہو تو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ (۲)

شافعیہ کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں

(۱) ہر قسم کی غذائی اجناس پر اور ایسی تمام پیداوار پر عشر واجب ہوگا جو ذخیرہ کر کے رکھے جانے کے قابل ہو نیز جو اناج اور پھل خشک ہو جاتے ہوں، مثلاً غذائی اجناس میں سے گندم، جو، مکئی، چاول اور اس قسم کی دوسری پیداوار اور پھلوں میں سے کھجور اور کشمش پر بھی عشر واجب ہوتا ہے ترکاریاں، میوہ جات جیسے انار، ککڑی اور تربوز جیسے پھلوں پر عشر واجب نہیں ہوتا ہے۔

(۲) پیداوار نصاب کامل پانچ وسق کے برابر ہو اگر پانچ وسق سے کم پیداوار ہو تو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔

(۳) عشری اراضی کسی معین مالک کی ملکیت میں ہو، لہٰذا مساجد اور رفاہ عام کے کاموں پر موقوفہ اراضی کی پیداوار میں عشر واجب نہیں ہوگا، اس لیے کہ ان اراضی کا کوئی معین مالک نہیں ہوتا ہے۔[3]

حنابلہ کے نزدیک بھی عشر واجب ہونے کیلیے تین شرطیں ہیں

(۱) ہر اس پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے جسے ذخیرہ کر کے باقی رکھا جاتا ہو، خشک کیا جا سکتا ہو اور ناپا

---

(۱) بدائع ۲/۵۰ (۲) الشرح الصغیر ۱/۶۰۰، القوانین الفقہیہ ۱۰۵، موطا ۱/۲۷۶ (۳) المغنی لابن قدامہ ۲/۶۹۰، ۶۹۱

جا سکتا ہو۔

علامہ ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے:

"عشر ان زرعی پیداواروں میں واجب ہوتا ہے جنہیں ناپا تولا جا سکے جو باقی رہ سکتی ہوں اور جنہیں خشک کیا جا سکتا ہو، چاہے یہ چیز اناج کی قسم سے ہوں یا پھل کی قسم سے جیسے گندم، جو وغیرہ اور پھلوں میں کشمش، کھجور وغیرہ، البتہ میوہ جات مثلاً شفتالو، امرود، سیب اور تر و تازہ اور سبزیوں پر عشر واجب نہیں ہے، جیسے ککڑیاں، کھیرا، بیگن، شلغم اور گاجر وغیرہ" (۱)

(۲) پیداوار نصاب شرعی پانچ وسق کے برابر ہو۔ اور غلہ میں صفائی کے بعد پانچ وسق کی مقدار پوری ہونی چاہیے اور پھلوں میں خشک ہونے کے بعد تب اس پیداوار پر عشر واجب ہوگا۔

(۳) غلہ تیار ہونے اور پھل پکنے کے وقت نصاب مذکور کا مالک آزاد مسلمان ہو، پس اگر کسی کی زمین میں خود بخود بیج گر گئی اور اناج تیار ہو گیا تو اس پر بھی عشر واجب ہوگا، کیوں کہ اس کا مالک آزاد مسلمان ہے اور وجوب عشر کے لیے زراعت ضروری نہیں ہے۔ (۲)

تین چیزوں کی وجہ سے عشر ساقط ہو جاتا ہے

(۱) کاشت کار کے تصرف و عمل کے بغیر زمینی پیداوار کسی قدرتی آفت سے تباہ ہو جائے تو چوں کہ عشر پیداوار میں واجب ہوتا ہے اس لیے پیداوار کے ختم ہونے کی صورت میں عشر بھی ساقط ہو جائے گا، اگر پیداوار کا کل حصہ تباہ نہیں ہوا تو اس صورت میں جتنا حصہ باقی رہ گیا ہے اس میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عشر واجب ہوگا ــــــ امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک باقی ماندہ حصہ کے بقدر نصاب ہونے کی صورت میں عشر واجب ہوگا۔

(۲) اگر کوئی مسلمان عیاذاً باللہ مرتد ہو جائے تو اس کی زمین میں عشر واجب نہیں ہوگا کیوں کہ عشر میں عبادت کا پہلو پایا جاتا ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے ــــــ امام شافعی کے نزدیک عشر ساقط نہیں ہوگا۔

(۳) عشری زمین کا مالک وصیت کیے بغیر انتقال کر جائے تو اس پر سے بھی عشر ساقط ہو جائے گا۔

---

(۱) المغنی ابن قدامۃ ۲/۶۹۱-۶۹۰ (۲) کشاف القناع ۲/۲۳۹-۲۴۰

مگر ظاہر الروایۃ کے مطابق اگر پیداوار باقی اور موجود ہو تو اس میں عشر کی ادائیگی ضروری ہوگی، صرف امام ابو یوسف کی روایت کے مطابق اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ (۱)

خراج کی لغوی و اصطلاحی تحقیق

خرج اور خراج کا لغوی اطلاق غلہ کی اس مقدار پر ہوتا ہے جسے لوگ اپنی پیداوار میں سے سالانہ نکالتے ہیں۔ زجاج کی رائے ہے خرج مصدر ہے جس کا معنی ظاہر ہے اور خراج نکالے جانے والے غلہ کو کہا جاتا ہے، زمین کی پیداوار اور غلام و لونڈی سے حاصل ہونے والے منافع کو بھی خراج کہتے ہیں۔ ازہری کہتے ہیں کہ خراج اس آمدنی کو کہا جاتا ہے جو غلام سے حاصل ہو یا وہ ٹیکس جسے رعایا اپنے حاکموں کو ادا کرتی ہے، خراج کہا جاتا ہے۔ حدیث رسول "الخراج بالضمان" میں یہی مراد ہے یعنی اگر کسی شخص نے کوئی غلام خریدا اور ایک عرصہ تک اس سے فائدہ اٹھاتا رہا پھر غلام میں کوئی قدیم عیب نکل آیا جو بائع کے پاس ہی پیدا ہو گیا تھا مگر اس نے خریدار سے چھپائے رکھا، اس عیب کی وجہ سے غلام لوٹا کر قیمت وصول کر لی جائے گی اور اس دوران اس غلام سے جو نفع حاصل کیا گیا وہ خریدار کی ملک ہوگی، اس لیے کہ اگر خدانخواستہ غلام کسی وجہ سے ہلاک ہو جاتا تو اس صورت میں خریدار ہی ضامن قرار پاتا، اس لیے فرمایا گیا کہ نفع کا حقدار بھی وہی ہوگا ــــــ الخراج بالضمان سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ــــــ خراج اجرت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے چنانچہ آیت قرآنی "أم تسألهم خرجاً فخراج ربك خير" ــــــ اور آیت قرآنی "فهل نجعل لك خرجاً" میں اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ فئے اور جزیہ پر بھی خراج کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے سواد عراق اور اراضی فئے پر جو خراج عائد کیا تھا وہ غلۃ الارض کے معنیٰ میں تھا یعنی کاشتکاروں سے ایک مخصوص مقدار میں زمین کی پیداوار (علاوہ نقد کے) وصول کی جاتی تھی۔ (۲)

شریعت کی اصطلاح میں خراج اس ٹیکس کو کہا جاتا ہے جو غیر مسلم رعایا سے خراجی اراضی پر وصول کیا جاتا ہے۔

موسوعہ فقہیہ میں ہے:

---

(۱) بدائع ۶۵/۲ (۲) لسان العرب ۲۴۹/۲، الاستخراج لاحکام الخراج لابن رجب الحنبلی ۲/

وأما الخراج بالمعنى الخاص فهو الوظيفة أو الضريبة التي يفرضها الإمام على الأرض الخراجية النامية ۔ (۱)

ماوردی اور ابو یعلیٰ نے خراج کی یہ تعریف کی ہے:

ما وضع على رقاب الأرض من حقوق تؤدى عنها۔ (۲)

معجم لغۃ الفقہاء میں ہے:

الخراج ما تأخذه الدولة من الضرائب على الأرض المفتتحة عنوة أو الأرض التي صالح أهلها عليها ۔ (۳)

مشروعیت

قرآن کریم سے صراحۃً خراج کی مشروعیت ثابت نہیں ہے، مگر جب دور فاروقی میں ارض عراق اور دیگر مفتوحہ اراضی کی تقسیم کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت عمر فاروق رضؓ نے آیت فئے سے استدلال کرتے ہوئے ان اراضی کو مصالح عامہ اور مفادات مسلمین کی خاطر وقف شدہ فئے قرار دیا اور ان اراضی کو حسب سابق قدیم مالکان کی ملکیت میں باقی رہنے دیا اور ان سے خراج موظف وصول فرمایا۔

حضرت عمر فاروق رضؓ نے آیت فئے ہی سے خراج کا حکم مستنبط کیا۔ بعض مفسرین نے بھی آیت فئے سے خراج کا حکم مستنبط کیا ہے۔ سدی سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے:

يعني أنها الجزية والخراج ۔ (۴)

مختلف احادیث سے بھی خراج کا حکم ثابت ہے

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عراق، شام اور مصر کی فتوحات سے پہلے پیش گوئی فرمائی تھی:

روى مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم منعت العراق درهمها وقفيزها ومنعت الشام مديها ودينارها ومنعت مصر إردبها ودينارها وعدتم من حيث بدأتم وعدتم من حيث بدأتم

(۱) موسوعۃ فقہیہ کویت ۱۹/۵۲ (۲) الاحکام السلطانیۃ لابی یعلی/۱۶۲

(۳) معجم لغۃ الفقہاء/۱۹۳ (۴) تفسیر القرطبی ۱۸/۱۴

وعدتم من حيث بدأتم. شهد على ذلك لحم أبي هريرة ودمه - (۱)

اس حدیث سے خراج کے ثبوت پر بایں طور استدلال کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات صحابہ کے ہاتھوں ممالک کے فتح کیے جانے اور ان پر خراج جزیہ لگانے کا علم ہوا مگر آپ نے اسے برقرار رکھا اور اس کے خلاف حکم نہیں دیا۔

الخراج للقرشی میں ہے:

يريد من هذا الحديث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكر القفيز والدرهم قبل ان يضعه عمر على الارض - (۲)

اسی طرح ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے:

انكم ستجدون اجنادا ويكون لكم ذمة وخراج وستفتح لكم ارضون على سيف البحر منها مدائن وقصور فمن ادرك ذلك منكم فاستطاع أن يحبس نفسه في مدينة من تلك المدائن أو قصر من تلك القصور حتى يموت فليفعل - (۳)

میرا خیال ہے کہ خراج کے ثبوت کے بارے میں نصاریٰ اہل نجران کے واقعہ سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے دو ہزار جوڑے سالانہ پر مصالحت فرمائی تھی، ظاہر ہے کہ یہ بھی خراج ہی تھا۔ (۴)

غیر مسلم رعایا کی خراجی اراضی پر خراج واجب کرنے میں مختلف مصالح بھی ہیں جن میں سے بعض کی طرف اراضی مفتوحہ پر خراج کا حکم لگاتے وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا تھا، مثلاً:

(۱) خراج واجب کرنے کی صورت میں امت مسلمہ کے مستقبل اور آنے والی نسل پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اور ہر دور میں امت اس سے فائدہ اٹھاتی رہتی ہے، گویا وہ مسلمانوں کے حق میں ایک محفوظ خزانہ ہے جس سے انہیں برابر فائدہ ملتا رہتا ہے۔ اس مصلحت کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر اشارہ فرمایا تھا:

---

(۱) أخرجه مسلم ۴/۲۲۳۰، ۲۲۳۱ (۲) الخراج للقرشي /۴۲

(۳) وصلها ابو حاتم في ابو حنيفة وابو زرعة في مسند الشاميين (انظر) مستخرج از احكام الخراج ۷۶ (۴) كتاب الاموال لحميد بن زنجويه ۱/۳۹۰

فلولا أن أترك آخر الناس ببانا ليس لهم من شيء ما فتحت علي قرية إلا قسمتها كما قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر ولكن أتركها خزانة لهم۔ [1]

(۲) فئے قرار دے کر خراج عائد کرنے کی صورت میں ایک فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ہر طبقہ چاہے مالدار ہو یا غریب اس سے فائدہ اٹھانے کا حق دار ہوتا ہے۔ اور تمام مصالح مسلمین میں اسے صرف کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت معاذ نے اسی کی طرف اشارہ کرکے عمر فاروقؓ سے کہا تھا:

إنك إن قسمتها صار الريع العظيم في أيدي القوم يبيدون ...... ثم يأتي من بعدهم قوم يسدون من الإسلام مسدا فلا يجدون شيئا فانظر أمرا يسع أولهم وآخرهم ۔ [2]

شرائط وجوب خراج

خراج واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں۔

(۱) زمین خراجی ہو ——— لہذا عشری زمین پر خراج واجب نہیں ہوگا۔

(۲) خراجی زمین نامی ہو۔ نما کی دو صورتیں ہیں، حقیقی اور تقدیری۔

حقیقی نما سے مراد یہ ہے کہ حقیقتاً زمین میں پیداوار ہو، جیسے کھیتی اور کھجور اور انگور کے باغات۔
نما تقدیری سے مراد یہ ہے کہ زمین قابل زراعت ہو، لہذا ان اراضی پر خراج واجب نہیں ہوگا جن میں مکانات اور گھر بنے ہوئے ہوں یا جو افتادہ اراضی ہیں اور کاشت کے قابل نہیں ہیں، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس طرح کی اراضی پر خراج واجب نہیں کیا تھا۔ [3]

خراج کی مقدار

خراج کی مقدار کے سلسلے میں ائمہ احناف کی رائے یہ ہے کہ،

ہر قابل کاشت زمین میں فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع پیداوار میں سے، اور ترکاری میں فی جریب ۵ درہم اور انگور کے باغات پر فی جریب ۱۰ درہم، اور ان کے علاوہ دیگر پیداوار مثلاً زعفران اور روئی

---

(۱) نیل الاوطار للشوکانی ۸/۱۶   (۲) کتاب الاموال لابی عبید /۸۳–۲۰۳

(۳) بدائع ۲/۵۷، حاشیة الاسولی ۱۹۰

غیر مسلم رعایا کی مالی حیثیت کے لحاظ سے خراج مقرر کیا جائے گا، جس کی زیادہ سے زیادہ مقدار پیداوار کا نصف حصہ ہو سکتی ہے، ان حضرات کا عمر فاروق رضؓ کے معاملہ سے استدلال ہے کہ انھوں نے ارض عراق پر اسی شرح سے خراج مؤظف مقرر کیا تھا۔ (۱)

امام مالک رحؒ کی اس سلسلے میں رائے یہ ہے کہ خراج کی تعیین کا اختیار امام المسلمین کو ہے، اسے حق ہے کہ خراجی اراضی کی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے جو چاہے خراج مقرر کر دے، ان کا استدلال شعبی کی روایت سے ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے ابن حنیف کو عراق کی پیمائش کا حکم دیا تھا اور قصب شکر میں فی جریب ۶ر درہم، کھجور کے باغات میں فی جریب ۸ر درہم اور انگور کے باغ میں فی جریب ۱۰ر درہم مقرر فرمایا تھا۔

زمین اور اس کی مالی حیثیت کے لحاظ سے خراج کی مقدار کا تفاوت اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ امام المسلمین کو اس کے مقرر کرنے کا اختیار ہے۔ (۲)

امام شافعی رحؒ کا مسلک یہ ہے کہ جَو میں فی جریب ۲ر درہم، گندم میں فی جریب ۴ر درہم، ہر قسم کے پھل دار درخت اور قصب شکر میں فی جریب ۶ر درہم اور کھجور میں فی جریب ۸ر درہم اور انگور کے باغ میں فی جریب ۱۰ر درہم اور زیتون پر فی جریب ۱۲ر درہم خراج مقرر کیا جائے گا، ان کا استدلال بھی عثمان بن حنیف کی روایت سے ہے، اسی میں اس طرح خراج لگائے جانے کا تذکرہ ہے۔ (۳)

حنابلہ کے یہاں زمین کی عام پیداوار پر فی جریب ایک درہم اور ایک صاع اور کھجور کے باغ پر فی جریب ۸ر درہم اور ترکاری پر فی جریب ۶ر درہم خراج مقرر کیا جائے گا۔ (۴)

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں:

(۱) خراج مؤظف (۲) خراج مقاسمہ

(۱) خراج مؤظف: اس سے مراد یہ ہے کہ اسلامی ریاست خراجی اراضی کے مالکان پر خراج کی

---

(۱) فتح القدیر ۳۵/۵-۳۴ - تبیین الحقائق ج۳/۳۷۲ (۲) رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ علی ھامش المیزان الشعرانی ج۲/۱۶۳ کتاب الاموال لابی عبید ۹۱ (۳) مغنی المحتاج فی شرح المنہاج ج۴/۲۳۵ (۴) المبدع لابن مفلح ج۳/۳۹

ایک مخصوص مقدار مقرر کر دیتی ہے، جسے وہ مالکان ادا کرتے ہیں۔ مقرر کردہ مقدار کا پیداوار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ زمین میں پیداوار ہو یا نہ ہو بہرحال مقررہ مقدار کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

چنانچہ جب دورِ فاروقی میں عراق فتح ہوا تو خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمان بن حنیف کو عراق کی اراضی کی پیمائش اور سروے کا حکم دیا اور حضرت حذیفہ کو اس کا نگران مقرر فرمایا۔ سروے اور پیمائش کے بعد عراق کی کل اراضی تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی۔(۱)

اراضی عراق کی پیمائش کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے عراق کی ان سب اراضی پر جن میں پانی پہنچتا ہے اور قابلِ کاشت ہیں، خراجِ موظف اس تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو چیز اس میں بوئی جائے، اور ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو گھنے درختوں پر مشتمل ہو تو فی جریب دس درہم مقرر فرمائے۔

ہدایہ باب العشر والخراج کتاب السیر میں ہے:

والخراج الذي وضعه عمر على اهل السواد من كل جريب يبلغه الماء قفيز هاشمي وهو الصاع ودرهم ومن جريب الرطبة خمسة دراهم ومن جريب الكرم المتصل والنخيل المتصل عشرة دراهم۔ (۲)

الخراج یحییٰ بن آدم القرشی میں ہے:

أما وضعهم عليها الخراج الذي وضعه عمر بن الخطاب على الجريب قفيز ودرهم۔ (۳)

امام ابو یوسف رحمہ نے کتاب الخراج میں اراضی عراق کے بارے میں امام شعبی کے حوالے سے حضرت عمر بن الخطاب سے نقل کیا ہے کہ:

أن عمر بن الخطاب فرض على الكرم عشرة دراهم وعلى الرطبة خمسة وعلى كل أرض يبلغها الماء عملت أو لم تعمل درهما ومختوما ...... وهو الصاع۔ (۴)

---

(۱) ھدایہ مع فتح القدیر ۵/۲۸۱ (۲) ھدایہ مع فتح القدیر ۵/۲۸۳ (۳) الخراج القرشی ص ۳۷ (۴) الخراج لابی یوسف ص ۳۷

خراج مقاسمہ

خراج مقاسمہ کے معنی بٹائی کے ہیں یعنی اسلامی ریاست اراضی مفتوحہ کو ان کے مالکان کے پاس رہنے دے اور ان پر یہ شرط لگا دے کہ وہ خود زمین کی کاشت کریں اور حاصل ہونے والی پیداوار میں سے آدھا ½، تہائی ⅓، چوتھائی ¼ ریاست کو ادا کریں اور باقی اپنے پاس رکھیں۔

خراج مقاسمہ کا تعلق عشر ہی کی طرح زمین کی حقیقی پیداوار سے ہوتا ہے اور صرف اسی صورت میں اسلامی ریاست خراج مقاسمہ وصول کرنے کی حقدار ہوگی، جب زمین میں پیداوار ہو۔ خراج مقاسمہ کے واجب ہونے کے لیے زمین کا قابل کاشت ہونا کافی نہیں ہے بلکہ پیداوار حاصل ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کے برخلاف خراج مؤظف کی صورت میں زمین کا قابل کاشت ہونا ہی خراج مؤظف کے واجب ہونے کے لیے کافی ہوگا۔ علامہ ابن نجیم مصری نے خراج مقاسمہ کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے:

وأما خراج المقاسمة فهو أن يكون الواجب فيه السدس أو الخمس و هو كالعشر لا بد من الزراعة حقيقةً ولا يكفي التمكن لوجوبه لكن مصرفه مصرف الخراج المؤظف كما في الخانية بخلاف خراج الوظيفة فانه حق ثابت في الذمة يجب بالتمكن من الزراعة وان لم يزرع۔ (۱)

مصارف عشر و خراج

اسلامی ریاست کے لیے بیت المال ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتا ہے، بیت المال ایک ایسا خزانہ ہے جس سے حکومت اسلامی کی تمام ضروریات اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، بیت المال میں حسب ذیل مدات کی رقمیں جمع ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے مصارف علیحدہ علیحدہ ہیں۔

(۱) مال خمس: یعنی جو ملک جنگ کے ذریعہ فتح کیا جائے اور اسے امام مال غنیمت قرار دے کر فاتحین کے درمیان تقسیم کر دے تو تقسیم سے پہلے کل مال غنیمت کا ⅕ خمس کے طور پر بیت المال کا حق ہوتا ہے، اس کا مصرف قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے۔ آیت غنیمت "واعلموا

---

(۱) رسائل ابن نجیم، الرسالة السادسة، التحفة المرضية في الأراضي المصرية/ ۶۳-۶۲

انما غنمتم من شئ فان لله خمسه (الخ) میں مصارف خمس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ خمس مال غنیمت میں معدن و رکاز اور قدرتی خزانوں سے لیا جانے والا خمس بھی داخل ہے۔

(۲) زکوٰۃ و صدقات واجبہ اور مسلمانوں کی عشری اراضی سے وصول کیا جانے والا عشر۔ ان کے مصارف آیت قرآنی "انما الصدقات للفقراء والمساکین الخ" میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

(۳) کوئی مسلمان اپنا وارث چھوڑے بغیر وفات پا گیا یا صرف شوہر یا بیوی چھوڑا اور دوسرا کوئی وارث نہیں چھوڑا تو اس کا مال متروکہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔ مال لقطہ بھی اسی حکم میں ہے۔

اس مد سے لقیط کے اخراجات اور لاوارث میتوں کی تجہیز و تکفین کے اخراجات فقراء و مساکین کے دوا علاج اور معذور لوگوں کا نان و نفقہ ادا کیا جائے گا۔

(۴) خراج، جزیہ، صدقات بنی تغلب اور اہل ذمہ اور اہل حرب کے تاجروں سے اموال تجارت پر وصول کیا جانے والا عشر۔ ان سب رقوم کی مد ایک ہی ہے، اس مد سے مسلمانوں کو پیش آنے والے حوادث فوجیوں اور ان کے اہل و عیال کے اخراجات عام مصالح مسلمین، مسلمانوں کے خلاف غیر مسلموں کی سازشوں کو ناکام بنانے، اسباب اور اسلحہ جات کی خریداری، سرحدوں کی حفاظت، پلوں کی مرمت، نہروں کی کھدائی، قضاۃ، والیوں اور مفتیوں کے وظیفہ اور اسلامی ریاست کے دیگر عملہ کی تنخواہ کے اخراجات، مساجد کی تعمیر پر آنے والے مصارف اس مد سے پورے کیے جاتے ہیں گے۔ (۱)

مصارف خراج کے بارے میں کاسانی نے لکھا ہے:

اما مصرف النوع الثالث من الخراج واخواته فعمارة الدين واصلاح مصالح المسلمين و رزق الولاة والقضاة واهل الفتوىٰ من العلماء والمقاتلة وصدر الطريق بعمارة المساجد والرباطات والقناطر والجسور وسد الثغور واصلاح الانهار التي لا ملك لاحد فيها ۔ (۲)

---

(۱) المبسوط للسرخسی ۳/ ۱۸، ۱۰ ۔ بدائع ۲/ ۶۸، ۹۹ ۔ الفتاویٰ التاتارخانیہ ۲/ ۲۳۳، ۲۴۳

(۲) بدائع ۲/ ۶۹

ابن رشد مالکی نے لکھا ہے:

یُصرف خراجها أی خراج الارض المفتوحة عنوة فی مصالح المسلمین من أرزاق المقاتلة وبناء القناطر والمساجد وغیر ذلك من سبل الخیر۔[۱]

امام نووی نے لکھا ہے:

ما یوخذ من خراج هذه الارض یصرفه الامام فی مصالح المسلمین الأهم فالأهم ویجوز صرفه إلی الفقراء والأغنیاء من اهل الفئ وغیرهم۔[۲]

عشر اور خراج کے درمیان بنیادی فرق

عشر اور خراج دونوں میں بنیادی لحاظ سے کئی فرق ہیں:

۱ــــ عشر و خراج میں ذاتی لحاظ سے یہ فرق ہے کہ عشر صرف زمین کا ٹیکس ہی نہیں ہے بلکہ اس میں ایک پہلو عبادت کا بھی پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ الارض (زمین کی زکوٰۃ) بھی کہا جاتا ہے، اس لیے عشر مسلمانوں کی اراضی کے ساتھ مخصوص ہے، کافروں کی اراضی پر عشر واجب نہیں ہوتا ہے۔ اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں ذلت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے ــــ اسی وجہ سے خراج ابتداءً غیر مسلم رعایا کی اراضی پر لازم کیا جاتا ہے، اور ابتداءً مسلمانوں کی اراضی پر خراج عائد کرنا درست نہیں ہوتا ہے ــــ بدائع میں ہے:

"أحدهما الاسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلا یبتدأ بهذا الحق الا على مسلم بالخلاف لان فیه معنی العبادة والکافر لیس من أهل وجوبها ابتداءً به علیه"۔[۳]

۲ــــ عشر اور خراج میں عملی لحاظ سے فرق یہ ہے کہ عشر کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہوتا ہے اگر عشری زمین میں پیداوار نہ ہو، خواہ اس کا سبب مالک کی غفلت ہی ہو کر اس نے قابل کاشت زمین کو غیر آباد چھوڑ دیا، اس صورت میں بھی اس پر عشر واجب نہیں ہوگا، کیوں کہ عشر پیداوار ہی کے ایک

---

(۱) بدایة المجتهد ۱/۳۰۱ (۲) روضة الطالبین ۱۰/۲۷۵ (۳) بدائع ۲/۵۲

مخصوص حصہ کا نام ہے۔

اس کے برخلاف خراج کا تعلق قابل کاشت اراضی سے ہے۔ اگر مالک اراضی نے اپنی غفلت و کوتاہی سے زمین کو غیر آباد رکھا تو اس حالت میں بھی اس پر خراج کی ادائیگی لازم ہوگی۔ واضح رہے کہ خراج سے خراج موظف مراد ہے جس میں زمین پر نقد کچھ رقم بطور خراج عائد کر دی جاتی ہے۔ خراج مقاسمہ کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہوتا ہے اس لیے پیداوار نہ ہونے کی صورت میں وہ معاف ہو جائے گا۔

بدائع میں ہے:

وأما سبب فرضيته فالأرض النامية بالخارج حقيقة وسبب وجوب الخراج الأرض النامية بالخارج حقيقة أو تقديرا ...... ولو كانت الأرض عشرية فتمكن من زراعتها فلم تزرع لا يجب العشر لعدم الخارج حقيقة ولو كانت أرض خراجية يجب الخراج لوجود الخارج تقديرا۔ (١)

٢۔ عشر اور خراج دو مستقل حق ہیں یہی وجہ ہے کہ عشر اور خراج کا مصرف الگ الگ ہے تو دونوں کے درمیان مصرف کے لحاظ سے فرق ہونا اس بات کی علامت ہے کہ دونوں علیحدہ علیحدہ مستقل حق ہیں۔ کتاب الاموال لابی عبید میں ہے:

ومما يفرق بين العشر والخراج ويوضح لك أنهما حقان اثنان ويبين ذلك أن موضع الخراج الذي يوضع فيه سوى موضع العشر۔ (٢)

٣۔ عشر اور خراج میں ایک بنیادی فرق محل وجوب کے لحاظ سے بھی ہے ------ وہ یہ کہ عشر پیداوار میں واجب ہوتا ہے جب کہ خراج (موظف) مالک زمین کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ اگر قابل کاشت زمین میں زراعت نہ بھی کی جائے تو بھی صاحب زمین کے ذمہ خراج واجب ہوگا۔ مگر عشر صرف اس صورت میں واجب ہوگا جب کہ پیداوار ہو۔

علامہ کاسانی نے لکھا ہے:

"وأما المحل فلأن الخراج يجب في الذمة والعشر يجب في الخارج" (٣)

---

(١) بدائع ٢/٥٧ (٢) کتاب الاموال لابی عبید /١٣٢ (٣) بدائع ٢/٥٨

عشری اراضی کی تفصیل

احادیث، آثار صحابہ اور اقوال ائمہ مجتہدین کی روشنی میں عشری اراضی کی حسب ذیل صورتیں نکلتی ہیں۔

۱۔ ہر وہ زمین جس کے مالکان نے اسلام قبول کیا ہو اور وہ اس زمین کے قطعات کے مالک ہوں۔ جیسے مدینہ منورہ، طائف، یمن اور بحرین کی زمین، اسی طرح مکہ کی زمین اگرچہ قتال کے بعد فتح ہوئی مگر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے اموال اور افراد سے تعرض نہیں کیا، ان کے اموال کو غنیمت قرار نہیں دیا۔ اس طرح کی اراضی خالصۃً عشری ہوگی اور وہاں کی مسلم عوام اپنی زمینی پیداوار سے عشر ادا کریں گی۔

۲۔ دوسری قسم میں اس ملک کی زمینیں داخل ہیں جس کو مسلمانوں نے عنوۃً یعنی جنگ و قتال کے ذریعہ حاصل کیا ہو اور بعد میں امام المسلمین نے وقف شدہ فئے کی حیثیت قرار نہ دی ہو بلکہ مال غنیمت قرار دے کر اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کردیا اور چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم کردیا جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی اراضی کے معاملہ میں کیا تھا، ایسی زمینیں بھی اشخاص کی ذاتی ملک ہیں جن میں عشر ہی واجب ہوگا، اسی طرح اگر سرحدی مقامات کی اراضی فاتحین میں تقسیم کردی گئی ہوں اور ان کا خمس نکالا جا چکا ہو تو بقیہ حصہ کا عشر ہی ادا کرنا ہوگا۔

۳۔ تیسری قسم عادیہ یعنی ان قدیم اراضی کی ہے جن کا نہ کوئی مالک ہو اور نہ کوئی آباد کرنے والا، اگر اسی قسم کی اراضی امام المسلمین نے اسلامی ریاست کی طرف سے کسی شخص کو جاگیر کے طور پر دے دی ہو جیسے جزیرۃ العرب اور اس سے باہر کی اراضی، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے یمن، یمامہ اور بصرہ وغیرہ کی اراضی جاگیر کے طور پر اشخاص کو دے دی تھیں۔ اس قسم کی اراضی پر بھی عشر ہی واجب ہوگا۔

۴۔ چوتھی قسم مردہ (بنجر) زمین کی ہے جسے کسی مسلمان نے پانی اور اپنی محنت کے ذریعہ قابل کاشت بنا دیا ہو۔ ان اقسام کی زمینوں میں عشر یا نصف عشر سنت نبوی سے ثابت ہے اور ان سب قسموں کا احادیث میں ذکر ہے۔

علامہ ابو عبید القاسم بن سلام نے کتاب الاموال میں عشری اراضی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

أحدها كل ارض أسلم عليها أهلها فهم مالكون لرقابها كالمدينة والطائف واليمن والبحرين وكذلك مكة إلا انها كانت افتتحت بعد القتال ولكن رسول الله صلى الله عليه وسلم منّ عليهم فلم يعرض لهم في أنفسهم ولم يغنم أموالهم.

والنوع الثاني: كل ارض اخذت عنوة ثم ان الامام لم يران يجعلها فيئا موقوفاً ولكن رأى أن يجعلها غنيمة فخمسها وقسم اربعة أخماسها بين الذين افتتحوها خاصة كفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم بأرض خيبر..... وكذلك الثغور كلها إذا اقسمت بين الذين افتتحوها خاصة.

والنوع الثالث: كل ارض عادية لارب لها ولاعامر اقطعها الامام رجلاً اقطاعاً من جزيرة العرب أوغيرها.

والنوع الرابع: كل أرض ميتة رجل من المسلمين فأحياها بالماء والنبات فهذه الارضون التي جاءت فيها السنة بالعشر أونصف العشر وكلها موجود في الحديث۔ (۱)

قاضی ابو یوسف نے خلیفۂ وقت ہارون الرشید کے ایک سوال کے جواب میں عشری اراضی کی تفصیل کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

"ہر وہ زمین جس کے مالکان نے اسلام قبول کر لیا ہے وہ عرب کی زمین ہو یا عجم کی تو اس کے باشندے زمین کے مالک ہوں گے اور ان کی زمین عشری قرار پائے گی، جیسے مدینہ اور یمن کی زمین کہ جب ان دونوں کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کی زمین عشری قرار پائی۔

اسی طرح مشرکین عرب جن سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا ہے اور ان سے اسلام کا مطالبہ ہوتا ہے یا قتال کا، ان کی اراضی بھی عشری قرار پائے گی، اگرچہ ان کی اراضی پر امام المسلمین کا غلبہ ہو جائے کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی زمینوں پر اپنے قبضہ و تسلط کے باوجود ان کے مالکان

(۱) کتاب الأموال لأبی عبید ۶۲۷

کے پاس چھوڑ دیا۔ اگر ان پر خراج عائد نہیں کیا تو قیامت تک یہ اراضی عشری ہی رہیں گی۔ (۱)

الخراج یحییٰ بن آدم القرشی میں امام مجاہد سے عشری زمین کے بارے میں یہ فتویٰ منقول ہے:

وکل من أسلم من خلق اللہ تبارک وتعالیٰ فہم أحرار مسلمون وأرضہم أرض عشر لأنہم أسلموا قبل أن یظہر علیہم المسلمون وقبل أن یجری علیہم الخراج۔ (۲)

شمس الائمہ سرخسی نے عشری اراضی کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے:

۱۔ عرب کی ساری زمین عشری ہے۔ اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مکہ کی زمین خراجی ہو کیونکہ رسول اکرمﷺ نے اسے جنگ کے ذریعہ فتح کیا ہے۔ لیکن آپ نے خراج عائد نہیں کیا۔ پس جس طرح اہل عرب کو غلام نہیں بنایا جا سکتا اسی طرح ان کی اراضی پر خراج عائد نہیں ہو سکتا۔

۲۔ دوسری قسم کی وہ زمین ہے جس کے مالکان نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا ان سے جنگ کرنے کی نوبت نہیں آئی تو یہ زمین بھی عشری ہوگی۔

۳۔ وہ ملک جسے امام نے جنگ و قتال کے ذریعہ فتح کیا اور اس کی اراضی کو فاتحین کے درمیان تقسیم کر دیا تو یہ اراضی بھی عشری قرار پائے گی۔

۴۔ مسلمان نے اپنے مکان کو باغ بنا لیا یا بنجر زمین کو اپنی محنت سے قابل زراعت بنا لیا تو یہ زمین بھی عشری قرار پائے گی۔

نو آباد زمین میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ زمین عشری زمین کے قریب ہو تو عشری قرار پائے گی اور اگر خراجی زمین کے قریب ہو تو خراجی قرار پائے گی۔ امام محمدؒ کے نزدیک پانی کا اعتبار ہے اگر اس زمین کی سینچائی بارش کے پانی یا دریاؤں سے نکالی جانے والی نہروں کے پانی سے کی گئی تو زمین عشری قرار پائے گی اور اگر خراجی نہروں کے پانی سے سینچائی کی گئی تو خراجی قرار پائے گی۔ (۳)

---

(۱) کتاب الخراج لابی یوسف ص ۶۷

(۲) کتاب الخراج للقرشی ص ۱۷

(۳) المبسوط للسرخسی ۳/۲۰۵، بدائع ۲/۵۷

دارالحرب کے مسلمانوں کی اراضی کا حکم

اراضی عشر کے ذیل میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر دارالحرب کے کچھ باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کی اراضی کا حکم کیا ہوگا۔ انھیں عشری قرار دیا جائے گا یا خراجی ——— اسی طرح کا ایک سوال ہارون الرشید نے قاضی ابویوسف سے کیا تھا۔ انھوں نے اس سوال کے جواب میں تحریر فرمایا:

فإن دماءهم حرام وما أسلموا عليه من أموالهم فلهم وكذلك أرضهم لهم وهي أرض عشر بمنزلة المدينة حيث أسلم أهلها مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت أرضهم أرض عشر وكذلك الطائف والبحرين۔[1]

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسے دارالحرب میں اسلام قبول کرنے والے افراد کی جان و مال محفوظ ہوگا وہی زمینوں اور اموال کے مالک ہوں گے اور ان کی زمینیں عشری ہوں گی جس طرح سے اہل مدینہ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کی زمین عشری قرار پائی، اسی طرح طائف اور بحرین والوں کے قبولیت اسلام کے بعد ان کی زمین کو عشری قرار دیا گیا۔

اراضی خراج

اراضی کے خراجی ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) اسلامی ریاست کی طرف سے کسی غیر اسلامی ریاست پر حملہ کیا گیا اور صلح کی شرائط کے ساتھ ملک فتح ہو گیا تو اس ملک کی اراضی کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق انجام پائیں گے، جن پر دونوں ملکوں کے درمیان معاہدہ صلح ہوا ہے، اگر اس صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر باقی رہیں گے اور اراضی بدستور انھیں لوگوں کی ملک رہیں گی تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج عائد کر دیا جائے گا، اور یہ زمینیں ہمیشہ کے لیے خراجی ہو جائیں گی کیوں کہ ان کے مالکان غیر مسلم ہونے کی وجہ سے وجوب عشر کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں، اس لیے ان کی اراضی پر خراج متعین ہے

---

(۱) کتاب الخراج لأبي يوسف /٦٣

اور اس ملک کے باشندے کی حیثیت ذمی کی ہوگی جو جزیہ دے کر اسلامی ریاست میں رہیں گے۔

(۲) خراجی اراضی کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی ملک جنگ اور قتال کے ذریعہ فتح ہوا اور اس ملک پر امام المسلمین کو پوری طرح قبضہ و اقتدار اعلیٰ حاصل ہوگیا مگر امام نے اس ملک کی اراضی کو غانمین کے درمیان تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت میں بدستور قائم رکھی اور ان کی اراضی پر خراج مقرر کیا، تو یہ اراضی بھی خراجی قرار پائیں گی، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عجم کی مفتوحہ اراضی کے ساتھ کیا کہ انھیں مالکان کی ملکیت میں رہنے دیا اور ان پر خراج لگایا۔

قاضی ابو یوسف رح نے خراجی اراضی کی تعریف کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

وأيما دار من دور الأعاجم قد ظهر عليها الإمام وتركها في أيدي أهلها فهي أرض خراج وإن قسمها بين الذين غنموها فهي أرض عشر، ألا ترى أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ظهر على أرض الأعاجم وتركها في أيديهم فهي أرض خراج۔ وكل أرض من أراضي الأعاجم صالح عليها أهلها وصارت ذمة فهي أرض خراج۔ (۱)

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں غیر مسلم رعایا کے قبضہ میں رہنے والی اراضی کی حیثیت وقف شدہ کی ہوگی اور ان کی اراضی سے ملنے والے خراج کو مصارف خراج میں صرف کیا جائے گا جن سے عامۃ المسلمین کو فائدہ پہنچے گا۔

اراضی خراج کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی ملک کے غیر مسلم باشندے بلا جنگ و قتال محض مسلمانوں کے خوف اور ان کے ڈر سے اپنی اراضی چھوڑ کر بھاگ جائیں، اس طرح کی اراضی بھی وقف شدہ کے حکم میں ہوں گی اور ان کے مالکان سے خراج وصول کر کے اراضی ان کے پاس رہنے دی جائیں گی۔ المغنی لابن قدامہ میں ہے:

فأما ما جلا عنها أهلها خوفا من المسلمين فهذه تصير وقفا بنفس الظهور عليها لأن ذلك متعين فيها إذ لم يكن لها غانم فكان حكمها حكم الفيء يكون للمسلمين كلهم۔ (۲)

---

(۱) کتاب الخراج لابی یوسف ۶۳/ (۲) المغنی لابن قدامۃ ۲/۷۱۹

علامہ ابو عبید نے اراضی خراج کے بارے میں لکھا ہے:

خراجی اراضی کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) کسی ملک کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا گیا ہو تو اس کی اراضی فئے کے حکم میں ہوں گی، جیسے ارضِ عراق اہواز اور فارس وغیرہ۔

(۲) اس ملک کی زمینیں جسے صلح کے ذریعہ فتح کیا ہو، جیسے نجران، ایلہ، اذرح، دومۃ الجندل، فدک اور اس قسم کے دیگر ممالک جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا آپ کے بعد امت نے صلح کی، جیسے بلاد جزیرہ، ارمینیہ کے بعض شہر اور خراسان کے بہت سے علاقے تو ان دونوں قسموں کی زمینیں فئے قرار پائیں گی جو عامۃ المسلمین کے نفع کے لیے ہوں گی۔ (۱)

علامہ شمس الدین سرخسی نے اراضی خراج کی دو قسمیں ذکر کی ہیں۔

(۱) ہر وہ ملک جسے امام المسلمین نے جنگ و قتال کے ذریعہ فتح کیا پھر وہاں کے باشندوں پر احسان کرتے ہوئے ان کی اراضی کو بدستور سابق ان کی ملکیت میں باقی رہنے دیا، تو اس کی زمینیں خراجی ہوں گی اس لیے کہ کافر پر خراج ہی واجب ہوتا ہے اس پر وجوب عشر ممکن ہی نہیں، کیونکہ عشر صدقہ واجبہ ہے اور کافر اس کا اہل نہیں ہے اس لیے اس پر خراج ہی متعین ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ زمین کا خراج جزیہ کی طرح ہے جو کافر پر عائد کیا جاتا ہے۔

(۲) ذمی نے اپنے مکان کو باغ بنا لیا یا امام المسلمین کی اجازت سے بنجر زمین کو قابل کاشت بنایا تو یہ بھی خراجی زمین قرار پائے گی اور اس پر خراج واجب ہوگا۔ (۲)

علامہ سرخسی نے صلح والی صورت کا تذکرہ نہیں کیا ہے اس لحاظ سے اراضی کی تین صورتیں ہوں گی۔

(۱) مفتوحہ اراضی جو غیر مسلم رعایا کے قبضے میں باقی رکھی گئی اور ان پر خراج لگایا گیا۔

(۲) وہ اراضی جن پر صلح کی گئی اور خراج عائد کیا گیا۔

(۳) وہ بنجر اراضی جنہیں غیر مسلم رعایا نے امام کی اجازت سے قابل کاشت بنایا

شمس العلماء کاسانی نے اراضی خراج کی سات صورتیں ذکر کی ہیں۔

---

(۱) کتاب الأموال لأبی عبید ۲۱۶، ۲۱۷ (۲) المبسوط للسرخسی ۱۰/

(۱) وہ اراضی جنھیں جنگ اور قتال کے ذریعہ فتح کیا گیا، امام نے احسان کرتے ہوئے اراضی کو ان کے سابق مالکان کے قبضے میں رہنے دیا اور ان کی ذات پر جزیہ اور ان کی اراضی پر خراج لازم کیا۔

(۲) کسی ملک سے اس شرط پر صلح کی گئی کہ ان کے اموال اور اراضی ان کی ملکیت میں رہیں گی اور وہ اپنی اراضی کی طرف سے ایک مخصوص رقم جو آپس میں معاہدہ سے طے ہو جائے خراج کے نام پر ادا کریں گے اور اپنی جانوں کی طرف سے جزیہ ادا کریں گے۔
جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نجران کے نصاریٰ سے جزیہ اور ان کی اراضی پر دو ہزار جوڑے بہ طور خراج ادائے گی کی شرط کے ساتھ صلح کیا تھا۔

(۳) بنی تغلب کے نصاریٰ کی زمین خراجی قرار پائے گی، اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے دو گنے عشر کی ادائے گی کی شرط کے ساتھ صلح کیا تھا جو درحقیقت خراج ہی ہے۔

(۴) بنجر اراضی جنھیں مسلمانوں نے خراجی پانی سے قابل کاشت بنایا تو امام محمدؒ کے قول کے مطابق وہ اراضی خراجی قرار پائیں گی۔

(۵) بنجر زمین جسے کسی ذمی نے قابل کاشت بنایا۔

(۶) کسی جنگ میں ذمی مسلمانوں کے ساتھ شریک رہا، غنیمت کی تقسیم کے وقت امام نے اسے بھی غنیمت میں سے کچھ اراضی دے دیا تو اس پر خراج واجب ہوگا۔

(۷) ذمی نے اپنے مکان کو باغ بنا دیا تو اس پر بھی خراج ہی واجب ہوگا۔ (۱)
ابن قدامہ حنبلی نے اراضی کے بارے میں لکھا ہے کہ زمین کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وہ زمین جس کے باشندگان نے خراج کی ادائے گی کی شرط کے ساتھ صلح کیا تو وہ اپنی اراضی کے مالک ہوں گے اور ان سے وصول کیا جانے والا خراج جزیہ کے حکم میں ہوگا۔ جب وہاں کے باشندگان اسلام قبول کرلیں گے تو ان سے خراج ساقط ہو جائے گا، اہل صلح کو اپنی اراضی کی فروختگی، ہبہ اور رہن رکھنے کا حق حاصل ہوگا، کیوں کہ یہ اراضی ان کی مملوکہ ہیں۔

(۲) جس ملک کو جنگ و قتال کے ذریعہ فتح کیا گیا ہو اور امام نے اس کی اراضی کو مال غنیمت قرار دے کر

---

(۱) عمدۃ الفقہ، ۲/۳۸۵

تقسیم کرنے کے بجائے وقف شدہ شے کی حیثیت سے مالکان کے قبضے میں باقی رکھا اور ان زمینوں پر خراج مقرر کیا تو یہ زمین بھی خراجی ہوگی اور جب تک وہ لوگ خراج ادا کرتے رہیں گے زمین ان کے قبضے میں رہے گی۔ اس قسم کی اراضی کا خراج بہر صورت باقی رہے گا اگرچہ یہ مسلمانوں کی ملکیت میں چلی جائے تو بھی خراج ہی وصول کیا جائے گا۔(۱)

حاصل یہ ہے کہ جن علاقوں کے غیر مسلم باشندے اہل اسلام سے صلح کریں گے وہاں کی اراضی حسب سابق ان کے مالکان کی ملکیت میں باقی رہیں گی اور حسب معاہدہ اسلامی ریاست کو خراج ادا کرتے رہیں گے۔ اس کے برخلاف اگر کسی ملک کو مسلمانوں نے جنگ کے ذریعہ فتح کیا اور امام نے وہاں کی اراضی کو مال غنیمت قرار دے کر فاتحین کے درمیان تقسیم نہیں کیا، بلکہ اراضی کو وقف قرار دے کر قدیم مالکان کے پاس رہنے دیا اور ان اراضی پر خراج مقرر کیا تو یہ اراضی بھی خراجی ہوں گی۔

عشری زمین ذمی کی ملکیت میں آ جائے اس کا حکم

اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جب زمین کا ایک بار وظیفہ مقرر ہو جاتا ہے چاہے وہ عشر ہو یا خراج وہ ملکیت اور مالک کی تبدیلی سے نہیں بدلتا ہے لیکن اگر زمین پر ضرورت داعی ہو تو ملکیت کی تبدیلی سے وظیفہ میں بھی تبدیلی آجاتی ہے ۔ ۔ ۔ مثلاً اسلامی ریاست میں رہنے والے ایک غیر مسلم ذمی نے کسی مسلمان کی عشری زمین خریدی تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ذمی پر عشر واجب ہوگا جیسا کہ مسلمان پر واجب ہوتا تھا یا اس زمین کا وظیفہ عشر سے خراج میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں علامہ ابو عبید نے فقہاء کے چار اقوال ذکر کیے ہیں۔

۱۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ زمین عشری سے خراجی میں تبدیل ہو جائے گی۔

۲۔ امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ اس پر دوگنا عشر واجب کیا جائے گا اور یہ وظیفہ بمنزلہ خراج ہی ہوگا۔

۳۔ سفیان بن سعید کا خیال ہے کہ حسب سابق اس پر عشر ہی واجب ہوگا۔

۱۔ المغنی لابن قدامہ، جلد ۲، ص ۷۲۰

۳۔ یحییٰ بن بکیر کا رجحان اس طرف ہے کہ اس زمین پر نہ تو عشر واجب ہوگا اور نہ ہی خراج۔ حسن بن صالح کی بھی رائے یہی ہے۔ (۱)

امام سرخسی اس سلسلے میں ائمہ مجتہدین کے چھ اقوال نقل کیے ہیں۔

۱۔ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک وہ خراجی ہو جائے گی۔

۲۔ امام ابویوسف رح کے قول کے مطابق دوگنا عشر وصول کیا جائے گا۔

۳۔ امام محمد رح کی رائے یہ ہے کہ حسب سابق وہ زمین عشری ہی رہے گی۔

۴۔ امام مالک رح فرماتے ہیں کہ ذمی کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس زمین کو مسلمان کے ہاتھ فروخت کردے۔

۵۔ امام شافعی رح کی ایک روایت اور ابن ابی لیلیٰ کی رائے یہ ہے کہ اسے عشر و خراج دونوں ادا کرنا پڑے گا۔

۶۔ شریک بن عبداللہ کا خیال ہے کہ اس پر نہ تو عشر ہی واجب ہوگا اور نہ ہی خراج۔ (۲)

راقم الحروف کے نزدیک امام ابوحنیفہ رح کی رائے زیادہ مناسب اور معقول اور افراط و تفریط سے پاک ہے اسی پر عمل ہونا چاہیے اور اسی رائے کو اختیار کرنے میں ذمی کے ساتھ بھی عدل و توازن برقرار رہے گا۔

ارض خراجی مسلمان کی ملکیت میں آجائے

اگر کسی مسلمان نے کسی غیر مسلم سے ارض خراجی خریدلی تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زمین کا سابقہ وظیفہ خراج عشر میں تبدیل ہو جائے گا یا خراج ہی باقی رہے گا اور مسلمان سے بھی اس زمین کا خراج ہی وصول کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں ائمہ مجتہدین کے تین اقوال ملتے ہیں۔

۱۔ امام ابوحنیفہ رح اور ان کے ہم خیال فقہاء کی رائے یہ ہے کہ زمین کا سابقہ وظیفہ خراج باقی رہے گا، اور مسلمان سے بھی خراج ہی وصول کیا جائے گا۔ امام صاحب کے پاس اس سلسلے میں احادیث آثار صحابہ اور اجماع صحابہ کے علاوہ قیاسی دلیل بھی ہے۔ ابن مسعودؓ کا اثر ہے کہ ان کے پاس

---

(۱) کتاب الاموال لابی عبید/۱۱۹-۱۲۰ (۲) مبسوط للسرخسی ۶/۳

عراق میں خراجی زمین تھی جس کا وہ خراج ادا کرتے تھے۔ حسن بن علی اور حضرت ابوہریرہ سے بھی خراج کا علم ثابت ہے۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ ابتداءً کسی مسلمان کی زمین پر خراج لگانا یقیناً ذلت اور صغار کی وجہ سے درست نہیں ہے۔ مگر جب ابتداء ہی خراج کسی غیر مسلم پر عائد کر دیا گیا تو اسے کسی مسلمان پر باقی رکھنے میں عقوبت اور صغار کا پہلو نہیں پایا جاتا۔ یہ ایسے ہی ہے کہ استرقاق (غلام بنانا) کی ابتداء میں تو بلاشبہ عقوبت کا پہلو پایا جاتا ہے مگر اس کے بقاء میں نہیں پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ غلام مسلمان ہو جانے کے باوجود بھی غلام ہی باقی رہتے ہیں۔[1]

اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رح نے ابن مسعود کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یجتمع عشر وخراج فی ارض مسلم۔ (۲)

امام صاحب کہتے ہیں کہ عشر و خراج کے ایک ساتھ جمع نہ ہونے کی دلیل دور فاروقی میں صحابہ کا اس بات پر اتفاق کر لینا ہے کہ ارض عراق پر صرف خراج لگایا گیا۔ اگر کسی مسلمان کی ملکیت میں بھی وہ زمین چلی گئی تو اس سے بھی خراج وصول کیا گیا۔ عشر و خراج دونوں جمع نہیں کیا گیا جیسا کہ ابن مسعود کا اثر گذر چکا ہے۔ (۳) شعبی اور عکرمہ کی رائے بھی یہی ہے کہ عشر و خراج ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ (۴)

۲ــــ علامہ سرخسی کی صراحت کے مطابق امام مالک کا فتویٰ یہ ہے کہ خراجی زمین مسلمانوں کی ملکیت میں آجانے کے بعد عشری ہو جائیں گی۔ (۵)

مگر ابو عبید کی تصریح کے مطابق امام مالک کی رائے وہی ہے جو جمہور فقہاء کی ہے۔ (۶)

۳ــــ جمہور ائمہ کی رائے یہ ہے کہ مسلمان سے عشر اور خراج دونوں ایک ساتھ وصول کیا جائے گا۔ خراج زمین پر واجب ہوگا اور عشر زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار پر۔ امام مالک بن انس، اوزاعی، ثوری، لیث بن سعد، سفیان، عبداللہ بن مبارک، شافعی، ابن ابی لیلیٰ، شریک وغیرہم کی رائے یہی ہے۔ ابو عبید نے بھی اسی کو

---

(۱) المبسوط سرخسی ۳/۸ (۲) قال فی فتح القدیر [illegible] ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم عن علقمۃ عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجتمع علی المسلم عشر وخراج فی ارضہ (۳) فتح القدیر [illegible] (۴) کتاب الاموال لابی عبید [illegible]

(۵) المبسوط للسرخسی ۳/۸ (۶) کتاب الاموال لابی عبید ۱۱۴/

کی رائے کو راجح قرار دیا ہے[۱] ۔۔۔۔ جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ عشر ایک واجبی حق ہے جو مسلمانوں کی زمینی پیداوار پر واجب ہوتا ہے، لہذا وجوب خراج وجوب عشر کے لیے مانع نہیں ہوگا، نیز وہ حضرات کہتے ہیں کہ عشر اور خراج دو مختلف حق ہیں جن کے وجوب کا سبب بھی الگ ہے، لہذا ایک کے وجوب سے دوسرے کے وجوب کی نفی نہیں ہوگی۔[۲]

خراجی اور عشری پانی کی تفصیل

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خراجی اور عشری پانی پر بھی قدرے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جائے، کیوں کہ بعض ائمہ کے نزدیک بعض صورتوں میں زمین کے عشری اور خراجی ہونے کا دارومدار پانی کے اوپر ہوتا ہے، اگر اسے عشری پانی سے سینچ کر قابل کاشت بنایا جائے تو وہ عشری کہلاتی ہے اور اگر اسے خراجی پانی سے کاشت کے لائق بنایا جاتا ہے تو اسے خراجی زمین قرار دیا جاتا ہے۔

۱۔۔۔۔ بارش، کنوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی، اسی طرح بڑے بڑے دریا اور ندیاں اور سمندر جو دنیا کے طول وعرض میں قدرتی طور سے جاری ہیں، نہ ان کے جاری کرنے میں کسی انسان کے عمل وارادہ کو دخل ہے اور نہ وہ عادۃً کسی کی ملک ہوتے ہیں، جیسے مصر میں دریائے نیل، عراق میں دجلہ وفرات، خراسان میں سیحون جیحون اور ہندوستان میں گنگا، جمنا اور پنجاب کے بڑے دریا، ان سب کا پانی عشری ہے۔

۲۔۔۔۔ وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت اور خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں اور وہ عادۃً نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں، جیسے نہر الملک، یزدجرد وغیرہ ۔۔۔۔ اور جیسے ان دریاؤں سے نکلنے والی نہریں، نہر گنگ وتمین وغیرہ، چوں کہ فتح اسلامی سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھی، اس لیے ان کا پانی خراجی پانی ہے۔

علامہ کاسانی نے عشری اور خراجی پانی کے بارے میں لکھا ہے:

وقال محمد إن أحياها بماء السماء أو ببئر استنبطها أو بماء الأنهار العظام التي لا تملك مثل دجلة والفرات فهي أرض عشر وإن شق لها نهرا من أنهار

---

(۱) احکام القرآن للجصاص ۳/۱۰۵   (۲) فقہ الزکاۃ ۱/۴۱۳

لأنها جُعلت ضمن الملك ونهر يزدجرد فهي أرض خراج ۔ (١)

اور مبسوط سرخسی میں ہے:

إن جيحان وسيحان استحقتها أرض شقته لهم من الأودية العظام

كالفرات ودجلة وسيحون وجيحون فهي عشرية وإن شق لها نهر من بعض الأنهار

الخراجية فهي خراجية ۔ (٢)

زمین کے عشری اور خراجی ہونے کے بارے میں رسول اکرم کے چند اہم فیصلے

کسی بھی زمین کے بارے میں عشری اور خراجی ہونے کے بارے میں فیصلہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت اور آپ کے قضایا کی طرف رجوع کریں کہ آپ نے کن زمین کو عشری قرار دیا ہے اور کن کو خراجی ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں پورا جزیرۃ العرب بحرین یمن کے علاوہ بہت سارے ممالک جن میں جنگ و قتال کے ذریعے فتح کیا گیا اور جن کے باشندگان سے جزیہ اور خراج کی ادائیگی کی شرط پر معاہدہ صلح کیا گیا ۔ جب عہد رسالت کی اراضی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس دور میں پانچ قسم کی اراضی نظر آتی ہیں ۔ ان اراضی کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ جن بلاد کے لوگوں نے جنگ و قتال کے بغیر دعوت اسلام پر لبیک کہا آپ نے حسب سابق ان کی زمین پر ان کی ملکیت کو برقرار رکھا اور اراضی کی پیداوار سے صرف عشر وصول کیا گیا جیسے مدینہ بحرین اور اس قسم کے دیگر بلاد اسلامیہ ۔ صرف مکہ میں یہ استثنائی صورت رکھی گئی کہ اسے جنگ کے ذریعے فتح کیا گیا مگر آپ نے حرم مکہ کے تقدس و حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے وہاں کی اراضی اہل مکہ کو مال غنیمت قرار نہیں دیا بلکہ احسان کرتے ہوئے اراضی پر ان کی ملکیت کو باقی رکھا ۔

کتاب الاموال ابی عبید میں ہے:

حدثنا كل أرض أسلم عليها أهلها وهم مالكون لرقابها كالمدينة والطائف

واليمن والبحرين وكذلك مكة إلا أنها كانت افتتحت بعد القتال ولكن

---

(١) بدائع ۲/۵۸ (٢) المبسوط للسرخسي ۳/

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علیھم فلم یعرض لھم فی انفسھم ولم یقتسم اموالھم۔(۱)

کتاب الاموال لحمید بن زنجویہ میں ہے:

حدثنا حمید قال ابو عبید وجدنا الآثار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء بعدہ وقد جاءت فی افتتاح الأرضین بثلاثۃ احکام أرض اسلم علیھا أھلھا فھی لھم ملک أیمانھم وھی أرض عشر لا شیء علیھم فیھا غیرہ۔(۲)

عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں عرب کی ساری زمینیں عشری قرار دی گئی تھیں اور مسلمانوں نے ہمیشہ انھیں عشری برقرار رکھا ہے۔ امام محمدؒ نے لکھا ہے:

ارض العرب کلھا ارض عشریۃ وحدھا من العذیب إلی مکۃ وعن عدن أبین الی أقصی حجر با لیمن بمھرۃ۔(۳)

ارضِ عرب کی حد

علامہ ابن عابدین شامی نے باب العشر والخراج کتاب السیر میں تقدیم البلدان کے حوالے سے لکھا ہے:

۱۔ جزیرۃ العرب میں پانچ خطے شامل ہیں، تہامہ۔ نجد۔ حجاز۔ عروض۔ یمن۔ حجاز کی جنوبی جانب کا نام تہامہ ہے۔ حجاز اور عراق کے درمیانی حصہ کو نجد کہا جاتا ہے اور حجاز وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شروع ہو کر حدودِ شام تک پھیلا ہوا ہے اور اسی میں مدینہ طیبہ اور شام کا ساحل عمان شامل ہے اور عراق کا علاقہ یمامہ سے بحرین تک ہے۔ یمن میں عدن کے علاقے بھی شامل ہیں۔(۴)

۲۔ عہدِ رسالت میں دوسری قسم کی وہ اراضی تھیں جن کے مالکان سے آپ نے اس شرط کے ساتھ صلح فرمایا کہ وہ اپنی جانوں کی طرف سے جزیہ ادا کریں گے اور اپنی اراضی کی طرف سے خراج ادا کریں گے، گویا صلح کے ذریعہ فتح کی گئی اراضی پر خراج کا حکم لگا کر انھیں خراجی قرار دیا گیا۔

---

(۱) کتاب الاموال لأبی عبید/۶۱۵ (۲) کتاب الاموال لحمید بن زنجویہ ۱۹۴/۱

(۳) مبسوط للسرخسی ۱۰/۳ (۴) رد المحتار ۱۶۹/۲

اس سلسلہ میں دور رسالت کا ایک مشہور واقعہ جو نصاریٰ بنی نجران کے ساتھ پیش آیا تھا، یہ تھا کہ آپ نے ان سے ایک خاص طرح کے خراج پر صلح فرمائی تھی، وہ یہ کہ دو ہزار جوڑے کپڑے سالانہ ادا کیا کریں گے نصف کی ادائے گی ماہ صفر میں اور نصف کی ادائے گی ماہ رجب میں کرنی ہوگی۔ آپ نے نصاریٰ بنی نجران کے ساتھ جو معاہدۂ صلح فرمایا تھا اس کے الفاظ یہ تھے۔

"عن ابی الملیح ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صالح أھل نجران وکتب لھم کتابا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا کتاب النبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لأھل نجران اذ کان علیھم فی کل سوداء وبیضاء وصفراء وثمرة ورقیق أو أفضل علیھم وترك لھم علی الفی حلة فی کل صفر ألف حلة وفی کل رجب الف حلة۔ کل حلة اوقیة مازاد الخراج أو نقص فعلی الاواق یحسب وما قضوا من رکاب او خیل أودرع أخذ منھم بحساب وعلی نجران مثوی رسلی عشرین لیلة فما دونھا وعلیھم عاریة ثلاثین فرسًا وثلاثین بعیرًا وثلاثین درعًا إذا کان کید بالیمن ذو معذرة وما ھلك مما أعاروا رسلی فھو ضامن علی رسلی حتی یؤدوہ الیھم ولنجران وحاشیتھا ذمة اللّٰہ وذمة رسولہ علی دمائھم واموالھم وملتھم وبیعھم ورھبانیتھم واساقفتھم وشاھدھم وغائبھم وکل ما تحت ایدھم من قلیل وکثیر لا یغیر واسقفا من سقیفاہ ولا واقفا من وقیفاہ الخ۔ (۱)

نصاریٰ بنی نجران سے جو خراج رسالت مآب نے وصول فرمایا تھا اس کی حیثیت خراج موظف کی تھی کہ ان کی تمام قابل کاشت اراضی پر خراج کی ایک مقررہ مقدار طے کر دی گئی تھی، جسے وہ سالانہ ادا کیا کرتے تھے۔

اسی طرح آپ کے قاصد نے بھی اہل بحرین سے خراج کی ادائے گی کی شرط کے ساتھ صلح فرمائی تھی اور ان کی زمین کو خراجی قرار دیا تھا۔

---

(۱) کتاب الاموال لحمید بن زنجویہ ۱/ ۴۵۳۔۴۴۹

مشہور مؤرخ یاقوت الحموی کی معجم البلدان میں اہل بحرین سے کئے گئے معاہدہ صلح کی اس طرح تفصیل کی گئی ہے:

"ہجرت کے آٹھویں سال رسول کریم ﷺ نے العلاء بن عبداللہ بن عماد الحضرمی کو اہل بحرین کے پاس بھیجا کہ انھیں دعوت اسلام دیں یا جزیہ کی ادائے گی پر آمادہ کریں اور ان کے ذریعہ منذر بن ساوہ اور سیبخت مرزبان کے پاس دعوتی خطوط ارسال فرمائے کہ یا تو وہ دونوں دعوت اسلام پر لبیک کہیں یا جزیہ کی ادائے گی پر آمادہ ہو جائیں، چنانچہ ان دونوں نے دعوت اسلام قبول کرلی اور ان کے ساتھ تمام اہل عرب اور بعض عجمیوں نے دعوت اسلام کو سینے سے لگایا، مگر وہاں کے مجوسی، یہودی اور نصاریٰ نے صلح پر آمادگی ظاہر کی اور قاصد رسول اور ان کے درمیان اس طرح صلح نامہ لکھا گیا:

بسم الله الرحمن الرحيم هذا ما صالح عليه العلاء بن الحضرمي أهل البحرين صالحهم على أن يكون العمل ويقاسمونا التمر فمن لا يفي بهذا فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين وجزية الرؤس فانه اخذ لها من كل حالم دينارا - (۱)

صلح نامہ کی رو سے اہل بحرین کی اراضی پر خراج تھا اور ان کی جانوں پر جزیہ اس طرح مقرر کیا گیا کہ ہر بالغ پر ایک دینار مقرر کیا گیا۔

اسی طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجر، ایلہ، دومۃ الجندل، اذرح اور ملک شام کے بعض شہروں کے باشندگان سے خراج کی ادائے گی کی شرط پر صلح فرمائی تھی۔

المغنی میں ہے:

فأما أرض الصلح فأرض هجر والبحرين وأيلة ودومة الجندل وأذرح فهذه القرى التي ردت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الجزية ومدن الشام ما خلا أرضها إلا فيما رأيه - (۲)

مذکورہ بالا احادیث وآثار سے اراضی صلح کا حکم یہ ثابت ہوا کہ جن شرائط صلح کے ساتھ معاہدہ کیا گیا

---

(۱) معجم البلدان ۱/۳۴۷ (۲) المغنی لابن قدامہ ۲/۷۱۶

پندرہ سو تھی جن میں تین سو گھوڑ سوار تھے ان میں تقسیم فرمایا اور خیبر کے [illegible] صرف اہل حدیبیہ ہی کو مخصوص کیا گیا(۱)

یحییٰ بن سعید بن بشیر بن یسار کے حوالے سے اراضی خیبر کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نقل کیا ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما افاء اللہ علیہ خیبر قسمها علی ستة وثلاثین سهما جمع کل سهم منها مائة سهم وعزل نصفها لنوائبه وما ینزل به من امر وقسم النصف الباقی بین المسلمین۔ (۲)

اور اراضی خیبر کے بارے میں ابن شہاب نے لکھا ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افتتح خیبر عنوة بعد القتال وکانت مما افاء اللہ علی رسوله فخمسها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقسمها بین المسلمین۔ (۳)

اراضی خیبر کو مال غنیمت قرار دے کر آپ نے غانمین میں تقسیم فرمایا — مگر صحابہ کرام جن میں زیادہ تر تجارت پیشہ تھے اور زراعت و کاشت کاری کے طریقوں سے واقف نہیں تھے اور آپ کے پاس اتنا عملہ تھا جو خیبر کی اراضی کی دیکھ بھال کر سکیں تو آپ نے خیبر کے یہودیوں سے آدھی پیداوار اور آدھے پھلوں کے عوض بٹائی کا معاملہ فرمایا کر زمین ان کے حوالے کر دی چنانچہ ابن عمر کی روایت میں صراحت ہے:

عامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اهل خیبر علی شطر ما یخرج منها من ثمر او زرع۔ (۴)

بعض لوگوں نے اسے یہ سمجھا کہ آپ نے یہودیوں کو ان کی اراضی واپس فرما دی اور ان پر خراج مقاسمہ یعنی زمین کی آدھی پیداوار عائد کیا۔

چنانچہ ابن عباس کی روایت میں ہے:

---

(۱) کتاب الاموال لحمید بن زنجویہ ۲/۶۸۶ (۲) کتاب الخراج لابی یوسف ... البخاری ۲/...

(۳) کتاب الاموال لابی عبید ... (۴) حوالہ بالا ۹/۱

ودفع رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر أرضها ونخلها إلى أهلها مساقاة على النصف۔ (١)

مذکورہ تمام وضاحت کے نزدیک واضح بات یہ ہے کہ آپ نے پہلے خیبر کی اراضی کو مال غنیمت قرار دے کر مسلمانوں میں تقسیم فرمادی اور اس بنیاد پر وہ اراضی عشری قرار پائی البتہ آزادی کی گئی کہ انہیں بٹائی کے طور پر اراضی دے دی گئی پھر جب دور فاروقی آیا اور اسلامی ریاست کے پاس منتظم عملہ ہو گیا جو خیبر کی اراضی کے انتظام کو سنبھال سکیں تو انھوں نے یہود خیبر سے اراضی لے کر مسلمانوں کو واپس کر دی، جیسا کہ ابن یسار کی روایت ہے:

فلما صارت الأموال في أيدي رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن له من العمال ما يكفون عمل الأرض فدفعها رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى اليهود يعملونها على نصف ما خرج منها فلم تزل على ذلك حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم وحياة أبي بكر حتى كان عمر فكثر العمال في أيدي المسلمين وقووا على عمل الأرض فأجلى عمر اليهود إلى الشام وقسم الأموال بين المسلمين إلى اليوم۔ (٢)

خیبر کی اراضی کے بارے میں مختلف روایات ہیں، اس لیے فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہو گیا ہے کہ عنوۃ فتح کی گئی اراضی کا حکم شرعی کیا ہوگا۔

۱۔ حنفیہ، سفیان ثوری اور ان کے ہم خیال فقہاء کی رائے یہ ہے کہ عنوۃ فتح کی گئی اراضی کے بارے میں امام کو اختیار ہے، اگر وہ چاہے تو مال غنیمت قرار دے کر اس کا خمس بیت المال میں داخل کر دے اور باقی ۴/۵ فاتحین کے درمیان تقسیم کر دے اور اگر چاہے تو مفتوحہ اراضی کو وقف شدہ فئے قرار دے کر سابق مالکان کی ملکیت میں رہنے دے اور ان پر خراج لگا دے۔ اس صورت میں وہ اراضی حسب سابق مالکان کی ملکیت میں رہے گی اور انھیں بیع و فروختگی اور دیگر تصرفات کا اختیار حاصل ہوگا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اراضی عراق اور دیگر مفتوحہ اراضی کے ساتھ

(۱-۲) کتاب الاموال لابی عبید /۵۸

کیا۔ امام جصاص صاحب کہتے ہیں اس طرح کی اراضی کے بارے میں امام کو اختیار کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سلف ثابت ہے۔ (۱)

۲ــــــ دوسری رائے یہ ہے کہ اس کی حیثیت مال غنیمت کی ہوگی۔ لہٰذا پانچواں حصہ بطور خمس نکال کر باقی فاتحین میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

کتاب الاموال لابی عبید میں ہے:

وارض اخذت عنوة فهي التي اختلف فيها المسلمون فقال بعضهم سبيلها سبيل الغنيمة تخمس وتقسم فيكون اربعة اخماسها خططا بين الذين افتتحوها خاصة ويكون الخمس الباقي لمن سمى الله تبارك وتعالى وقال بعضهم بل حكمها والنظر فيها الى الامام، ان رأى ان يجعلها غنيمة فيخمسها كما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم بخيبر فذلك له وان رأى ان يجعلها فيئا فلا يخمسها ولا يقسمها ولكن تكون موقوفة على المسلمين عامة ما بقوا كما صنع عمر بالسواد۔ (۲)

خیبر کے علاوہ عہد رسالت میں قریظہ، نضیر قبائل یہود اور عرب کے مختلف علاقے فتح ہوئے مگر آپ نے ان کی اراضی کو تقسیم نہیں فرمایا۔ امام ابو یوسف رح نے لکھا ہے:

وظهر على قريظة والنضير وعلى دارمن دور العرب فلم يقسم شيئا من الارض غير خيبر۔ (۳)

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے بنو نضیر کی اراضی کو مہاجرین کے درمیان تقسیم فرمایا اور انصار میں سے دو صحابی جو بہت ضرورت مند تھے انھیں اس میں شریک فرمایا۔ (۴)

۳ــــــ عہد رسالت میں چوتھی قسم کی وہ اراضی ملتی ہیں جنھیں مسلمانوں نے اپنی محنت سے قابل کاشت بنایا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بطور جاگیر دے دی، جیسے حضرت وائل کو حضر موت میں قطعہ زمین، بلال بن حارث مزنی کو قابل زراعت زمین کا ایک بڑا حصہ، حضرت زبیر کو مدینہ

---

(۱) احکام القرآن جصاص ج ۱ ص ۳۲ (۲) کتاب الخراج لابی عبید ص ۹۹ (۳) کتاب الخراج ص ۸۷ (۴) سیرۃ ابن ہشام

کے پاس اور حضرت عمر کو خیبر میں جاگیریں عطا کی گئیں (۱) ـــــ اس طرح کی اراضی عشری قرار پائیں اور ان کے ساتھ مسلمانوں نے عشری اراضی کا معاملہ فرمایا۔ احیاء اموات کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

من أحیا أرضاً میتة فهی له ومن احاط حائطاً علی أرض فهی له ۔ (۲)

اور حضرت عائشہ رضی کی حدیث میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من أحیا أرضاً لیست لأحد فهو أحق بها ۔ (۳)

۵ ـــــ اراضی کی ایک قسم وہ بھی ہے جسے عادیہ کہا جاتا ہے یعنی وہ اراضی جن کے مالک ختم ہو گئے اور اب ان کا کوئی مالک نہیں ہے۔ اس طرح کی اراضی کے بارے میں نبی کریم کا ارشاد گرامی ہے:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عادی الأرض للہ ولرسوله ثم هی لکم ۔ (۴)

ابو عبید نے عادیہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

والعادی: کل أرض لها ساکن فی آباد الدهر فانقرضوا فلم یبق منهم انیس فصار حکمها الی الإمام ۔ (۵)

یعنی اس طرح کی زمین کی مالک اسلامی ریاست ہوگی اور وہ جسے دے گی وہ اس کا مالک ہوگا، پس آپ نے اس قسم کی اراضی مسلمانوں کو عنایت فرمائیں، وہ ان کے مالک ہوئے اور ان کے ذمہ عشر کی ادائیگی لازم ہوئی۔ یہ عہد رسالت کی اراضی کے بارے میں رسول اکرم ص کے فیصلوں کا خلاصہ ہے۔

زمین کے عشری اور خراجی ہونے کے سلسلے میں تعامل صحابہ

دور فاروقی میں فتوحات کے دروازے کھل گئے، عراق، ایران اور مختلف عجمی ممالک اسلام کے زیر نگیں ہو گئے۔ پس ہمیں دیکھنا چاہیے کہ خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رض نے ان مفتوحہ ممالک کی اراضی کے بارے میں کیا فیصلہ فرمایا۔ اس سلسلے میں آثار صحابہ اور کتب سیرو تاریخ سے جو تفصیلات سامنے آتی ہیں وہ یہ ہیں۔

---

(۱) کتاب الأموال لأبی عبید ۲۸۷/ (۲) ابوداؤد باب قسم الفیٔ (۳) کتاب الأموال لأبی عبید ۲۸۶

(۴) حوالہ بالا ۲۸۶/ (۵) حوالہ بالا ۲۵۳/

دورِ فاروقی میں جب عراق، مصر، شام اور دیگر ممالک فتح ہوئے تو بعض صحابہ جن میں بلال بن حارث، زبیر بن العوام اور بعض دیگر بھی تھے خلیفۃ المسلمین سے یہ مطالبہ کیا کہ ہم نے ان ممالک کو جنگ و قتال کے ذریعہ فتح کیا ہے اس لیے آپ مال غنیمت قرار دے کر خمس بیت المال میں داخل کر دیں اور باقی فاتحین کے درمیان تقسیم کر دیں، جیسا کہ ارض خیبر کے ساتھ رسول اکرم نے معاملہ کیا تھا ——— بعض آثار سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے مطالبہ پر حضرت عمر رض نے ارض عراق اور دیگر مفتوحہ ممالک کی اراضی کو مال غنیمت قرار دے کر تقسیم کرنے کا ارادہ بھی فرمایا تھا مگر جب حضرت علی ابن ابی طالب سے مشورہ فرمایا تو انھوں نے یہ مشورہ دیا:

"دعهم يكونوا مادة للمسلمين" (1)

عبداللہ بن ابی قیس کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رض مقام جابیہ میں تشریف لائے اور مفتوحہ اراضی کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا مگر معاذ بن جبل نے انھیں تقسیم سے منع فرمایا اور یہ مشورہ دیا۔

انك ان قسمتها صار الريع العظيم في ايدي القوم ثم يبيدون فيصير ذالك إلى الرجل الواحد أو المرأة ثم يأتي من بعدهم قوم يسدون من الاسلام مسدا وهم لا يجدون شيئا فانظر امرا يسع اولهم وآخرهم۔ (2)

ان اراضی کے بارے میں حضرت عمر فاروق، علی بن ابی طالب اور معاذ بن جبل اور ان کے ہم خیال صحابہ کی رائے یہ تھی کہ اگر ان اراضی کو اس وقت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے تو اس سے آنے والی مسلم نسل کا نقصان ہوگا اور یہ دولت صرف چند مسلمانوں کی ذات تک محدود ہو کر رہ جائے گی۔ اس کے برخلاف اگر اراضی کو فئے قرار دے کر عامۃ المسلمین کے مفادات و مصالح پر وقف کر دیا جائے تو اس کے فائدے زیادہ ہوں گے اور قیامت تک آنے والے مسلمان اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اور اسلامی ریاست بھی مستحکم ہوگی۔ ان حضرات نے آیت فئے سے استدلال کیا جس میں فرمایا گیا ہے:

ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل كي لا يكون دولة بين الأغنياء منكم ......

والذين جاءوا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا الخ (3)

---

(1) کتاب الخراج لابی عبید ص ... (2) ایضاً ص ... (3) الحشر ...

"والذین جاؤا من بعدھم" سے حضرت عمر فاروقؓ نے یہ مراد لیا کہ مال فئے میں آنے والے مہاجروں کا بھی حصہ ہے اس لیے آیت فئے میں مصارف فئے ذکر کیے گئے ہیں، حضرت عمرؓ نے اپنے مختلف ارشادات میں اسی مصلحت عامہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے ——— ایک جگہ فرمایا:

ولکن احبسه فیما یجری علیهم وعلی المسلمین - (۱)

اور کہیں فرمایا:

لولا آخر الناس ما افتتحت قریة الا قسمتها - (۲)

اور فاتح عراق سعد بن ابی وقاص کو لکھا:

فانا لو قسمناها بین من حضر لم یکن بعدهم شئ - (۳)

ابو عبید نے مال فئے قرار دینے کی مصلحت یہ ذکر کی ہے:

أراد ان تکون فیئاً موقوفاً للمسلمین ما تناسلوا یرثه قرن بعد قرن فتکون

قوة لهم علی عدوهم - (۳)

حاصل یہ ہے کہ آپ نے اراضی مفتوحہ کو فئے قرار دیا اور ان اراضی کو سابق مالکان کے پاس رہنے دیا اور ان پر خراج موظف مقرر کیا ——— ارض عراق کے بارے میں انھوں نے عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان کو پیمائش کا حکم دیا اور فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع گندم یا جو، اور ترکاری پر فی جریب ۵ درہم اور کھجور یا انگور کا باغ جو گھنا ہو اس پر فی جریب ۱۰ درہم مقرر فرمایا۔

امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج میں ہے:

فترك الارض واهلها وضرب علیهم الجزیة واخذ الخراج من الارض - (۵)

۲ ——— حضرت عمر فاروق نے اپنے دور خلافت میں نصاریٰ بنو تغلب سے دوگنا عشر کی ادائیگی کی شرط پر صلح کی تھی، یہ بھی درحقیقت خراج ہی تھا ——— بدائع میں ہے:

منها ارض نصاری بنی تغلب لان عمر رضی الله عنه صالحهم علی أن یاخذ من

(۱، ۲) کتاب الاموال لابی عبید/ ۶۰ (۳) حوالہ بالا/ ۶۳ (۴) احکام القرآن للجصاص ۳/ ۴۳۰ - ھدایہ ۲/ ۵۹۲ (۵) کتاب الخراج لابی یوسف/ ۲۴

أراضيهم العشر مع ما أن ذلك خراج في الحقيقة لأن في تغيير وتغيير حال الكافر كالخراجي ۔ (۱)

ائمہ مجتہدین کے اقوال وفتاویٰ

طوالت کے خوف سے صرف چند ائمہ مجتہدین کے اقوال زمین کے عشری اور خراجی ہونے کی بابت نقل کرنا کافی ہوگا۔

۱۔ مشہور تابعی حضرت مجاہد سے منقول ہے:

أيما مدينة أخذت عنوة فأسلم أهلها قبل أن يقتسموا فهم أحرار وأموالهم للمسلمين وكل من أسلم من خلق الله قبل أن يقاتل فهم أحرار محفوظون وأرضهم أرض عشر ۔ (۲)

۲۔ حسن بن صالح کا فتویٰ ہے:

إذا أسلم عليها أهلها ومن أحيى أرضا ميتة أو استخرجها فهذه أرض عشر وفيها الصدقة قال ومن أسلم من أهل الصلح الذين لم يوضع على أرضهم الخراج فأرضه أرض عشر (۳)

۳۔ حسن بصری کا قول ہے:

عن الحسن البصري أنه كان يقول ما كان في العسكر فهو للذين غلبوا عليه والأرض للمسلمين ۔ (۴)

۴۔ اور اراضی خراج کے بارے میں خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز نے اپنے پیش رو خلفاء کی تائید میں یہ فرمان جاری کیا تھا۔

طلب أناس من أهل السواد إلى عبد الحميد فكتب فيهم إلى عمر بن عبد العزيز

---

(۱) بدائع ۲/۵۸ (۲) کتاب الخراج للقرشی ۶۲

(۳) حوالہ بالا ۶۳ (۴) حوالہ بالا ۱/۶۶

عشر و خراج کی حقیقت

(محورِ اوّل)

از:— مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مدرسہ احمدیہ ابابکرپور، ویشالی

اللہ رب العزت نے زمین کو مخلوقات کے لیے وجود بخشا اور اسے خوراک کے حصول کا بہترین ذریعہ بنایا، اس کی قوت نمو کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت تھی سارے فراہم کیے اور ان بے پایاں انعامات و نوازشات کے بعد پیداوار میں کچھ حصہ متعین کیا کہ اسے نکال کر سائل اور محروم لوگوں کو دے دیا جائے تاکہ اللہ کے غریب بندوں کے لیے بھی کفاف کا سامان ہو سکے اور کچھ ٹیکس لگایا تاکہ رفاہ عام کے دیگر کاموں میں اسلامی حکومت کو مالیات کی کمی نہ ہونے پائے، غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ تقسیم دولت کے ثانوی مدات میں اور اسلامی اقتصادیات کو متوازن کرنے میں ان دونوں چیزوں کی بڑی ضرورت ہے، ورنہ پورا سماج اس سے متاثر ہوگا اور مالیات کے بحران سے نت نئے مسائل پیدا ہوں گے۔

عشر کی حقیقت

عشر کے معنی دسویں حصہ کے ہیں اور اصطلاح میں یہ زرعی پیداوار پر لگائے گئے زکوٰۃ کا دوسرا نام ہے، اسی لیے فقہاء محدثین نے اس کے لیے زکوٰۃ الزروع والثمار کا لفظ استعمال کیا ہے، البتہ یہ دیگر زکوٰۃ سے اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ اس میں حولانِ حول کی قید نہیں ہے۔

یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

وهذه الزكاة تمتاز عن زكوة الاموال الاخرى من مواشي ونقود و عروض تجارة بانها لا يشترط فيها حولان الحول بل تجب بمجرد الحصول عليها اذهي نماء الارض و غلتها۔ (۱)

قرآن اور عشر

قرآن کریم کی دو آیتوں سے واضح طور پر عشر کی فرضیت کا ثبوت ملتا ہے۔

۱۔ یاایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ، ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون ولستم بآخذیه إلا ان تغمضوا فيه ، واعلموا ان الله غنى حميد ۔ (۲)

۲۔ وهو الذى انشأ جنٰت معروشٰت و غير معروشٰت والنخل والزرع مختلفا اكله والزيتون والرمان متشابها وغير متشابه كلوا من ثمره إذا أثمر وآتوا حقه يوم حصاده ولا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين۔ (۳)

پہلی آیت کے بارے میں سارے مفسرین متفق ہیں کہ " انفقوا " امر کا صیغہ وجوب کے لیے ہے اور مراد اس سے صدقہ ہے۔ آیت کا دوسرا جز " ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون " انفاق سے صدقہ مراد ہونے پر خاص طور سے دلالت کرتا ہے۔

احکام القرآن میں ہے :

ولم يختلف السلف والخلف فى ان المراد به الصدقة - (۴)

دوسری آیت پہلی آیت سے زیادہ واضح اور صاف ہے ، ابن العربی لکھتے ہیں :

و قد افادت هذه الآية وجوب الزكاة فيما سمى الله سبحانه و افادت بيان ما يجب فيه من مخرجات الارض التى جملها فى قوله ومما اخرجنا لكم من الارض وفسرها هنا فكانت آية البقرة عامة فى

---

(۱) فقہ الزکاۃ ۳۳۴/۱ (۲) البقرۃ : ۲۶۷ (۳) الانعام : ۱۴۱

(۴) احکام القرآن للجصاص ۵۴۳/۱

المخرج كله محدد في القدر هذه الآية خاصة في مخرجات الأرض مطلقة

في القدر۔ [1]

دیگر تفسیر میں مختلف حضرات مثلاً ابن عباس رض، طاؤس، حسن، جابر بن زید، سعید بن مسیب، زید بن اسلم، قتادہ، ضحاک، انس بن مالک، ابن الحنفیہ وغیرہ سے منقول ہے کہ آیت میں "آتوا حقہ" سے مراد وہ فرض زکوٰۃ ہے جو عشر اور نصف عشر کی صورت میں ہے۔

اس بارے میں مفسرین کی دوسری آراء بھی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت میں "حق" سے مراد وہ صدقہ متعینہ ہے جو عشر اور نصف عشر کی فرضیت سے پہلے فرض تھا عشر اور نصف عشر کے احکام نے اسے منسوخ کر دیا کیوں کہ زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی تھی، عام مفسرین اس سے اتفاق نہیں کرتے بلکہ وہ اسے مجمل گردانتے ہیں جس کی تفصیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بیان کی۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وفي تسمية هذا نسخا نظر لانه قد كان شيئا واجبا في الأصل ثم

انه فصل بيانه وبين مقدار المخرج وكميته۔ [2]

عشر اور احادیث

متعدد احادیث میں بھی عشر کا ذکر ہے جو صراحۃً "وآتوا حقه يوم حصاده" کی تفصیل ہے، یہاں ان میں سے چند ذکر کی جاتی ہیں:

1. عن ابن عمر رض: ان النبي صلى الله عليه وسلم قال فيما سقت السماء والعيون او كان عثريا العشر وفيما سقي بالنضح نصف العشر۔ رواه البخاري۔

---

(1) احکام القرآن ۱۳۰/۳ (2) تفسیر طبری، ابی جعفر محمد بن جریر طبری، تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی ۲۳/۱۳، تفسیر جصاص، ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی ۹۹/۷، تفسیر ابن کثیر ۱۸۱/۲، احکام القرآن: ابوبکر جصاص، تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی ۳۰۲/۴، تفسیر روح المعانی: علامہ محمود آلوسی ۳۸/۸

(3) تفسیر ابن کثیر ۱۹۲/۲

۱۔ عن معاذ ان النبي صلى الله عليه وسلم: فيما سقت السماء والبعل والسيل العشر، وفيما سقي بالنضح نصف العشر. رواه البيهقي والحاكم وصححه۔

۲۔ عن جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم: فيما سقت الانهار والغيم العشور، وفيما سقي بالسانية نصف العشور. رواه احمد ومسلم والنسائي وابوداؤد۔

عشر اور اجماع

ان آیات و احادیث کی روشنی میں ہر مسلک کے علماء و فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ کھیت کی پیداوار میں زکوٰۃ ہے۔ اس طرح بالفاظ دیگر اس مسئلہ پر امت کا اجماع ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے:

اجمع العلماء على وجوب العشر في النخل والكروم وفيما يقتات من الحبوب۔ (۱)

عشری زمین

عشر کی فرضیت کے لیے سب سے پہلی اور بنیادی شرط زمین کا عشری ہونا ہے۔ اس سلسلے میں سنت، آثار صحابہ، تابعین اور فقہائے امت کے اجتہادات سے جو روشنی ملتی ہے اس کے پیش نظر درج ذیل اراضی عشری قرار دی گئی ہیں۔

۱۔ ایسی زمین جس کے مالک ابتداءً مسلمان ہو گئے، کتاب الخراج لابی یوسف میں ہے:

كل ارض اسلم عليها اهلها فهي ارض عشر۔ (۲)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

فكل ارض أسلم اهلها عليها وهي من ارض العرب أو ارض العجم فهي لهم وهي ارض عشر بمنزلة المدينة حين أسلم عليها أهلها وبمنزلة اليمن۔ (۳)

(۱) تفسیر مظہری ۴/۱۹۳ (۲) کتاب الخراج ۶۹ (۳) کتاب الخراج لابی یوسف ۶۲

٢ ـــ جس ملک کو بزور شمشیر فتح کیا گیا ہو اور باشندگان کے لیے اسلام کے علاوہ دوسرا چارہ کار نہ رہ گیا ہو ایسے ملک کی اراضی عشری ہوں گی۔

امام ابو یوسف رح لکھتے ہیں:

وكذلك كل من لا تقبل منه الجزية ولا يقبل منه إلا الإسلام أو القتل من عبدة الأوثان من العرب فأرضهم أرض عشر (١)

٣ ـــ ایسی زمین جو بزور طاقت فتح کی گئیں اور مجاہدین میں تقسیم کر دی گئیں وہ بھی عشری ہوں گی۔

وأيما أرض افتتحها الإمام عنوة فقسمها بين الذين افتتحوها ......

فهي أرض عشر۔ (٢)

٤ ـــ ہر وہ زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو اور خلیفۂ وقت نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔

كل أرض عادية (قديمة) لا رب لها ولا عامر أقطعها الإمام رجلاً إقطاعاً (٣)

٥ ـــ ہر وہ بنجر اور مردہ زمین جسے کسی مسلمان نے آباد کیا ہو اور اس کی سینچائی عشری پانی سے کی جا رہی ہو۔

كل أرض ميتة استخرجها (استحياها) رجل من المسلمين فأحياها بالماء والنبات۔ (٤)

خراج کی حقیقت

خراج کے لغوی معنی کے بارے میں متعدد رائیں ہیں۔ قرآن کریم میں ایک جگہ لفظ آیا ہے ـــ أم تسألهم خرجاً فخراج ربك خير ـــ اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ـــ خرجاً بمعنى أجراً۔

ابو عبیدہ کہتے ہیں:

الخراج في كلام العرب إنما هو الغلة ألا تراهم يسمون غلة الأرض

---

(١) كتاب الخراج لأبي يوسف /٦٨ (٢) ايضاً /٦٩ (٣) الأموال /٥١٣ (٤) كتاب الخراج /٦٣

والمسلم لك خراجا ومنه حديث النبي صلى الله عليه وسلم أنه قضى بالخراج بالضمان ۔ (۱)

امام رازی کہتے ہیں :

الخراج اسم لما يخرج من الفرائض في الأموال ويقع على الضريبة وعلى مال الفيء ويقع على الجزية وعلى الغلة ۔ (۲)

اور بعضوں کی رائے ہے :

هو المال الذي يجبى ويؤتى به لأوقات محدودة ۔ (۳)

بہرکیف معنی جو بھی ہوں شریعت کی اصطلاح میں یہ اراضی کا ٹیکس ہے جو حکومت اسلامیہ ابتداءً غیر مسلموں پر لگاتی ہے اور بعض مخصوص حالات میں مسلمانوں کو بھی ادا کرنے ہوتے ہیں ۔

خـــراج کی حیثیت

خراج کی حیثیت عقوبت کی ہے یا وہ محض ایک ٹیکس ہے اس سلسلے میں متقدمین کی رائے یہ ہے کہ اس میں یک گونہ عقوبت کی حیثیت ہے ۔ ہدایہ میں ہے :—— وهو عقوبة تليق بحاله ۔ (۴)

لیکن عام فقہا کی رائے یہ ہے کہ خراج میں صرف عبادت کی حیثیت نہیں ہے چوں کہ غیر مسلم عبادت کے اہل نہیں ہیں ۔ (۵)

یوسف قرضاوی لکھتے ہیں :

ان الخراج اجرة الارض والعشر زكاة الزرع ۔ (۶)

مغنی کے حوالے سے یوسف قرضاوی لکھتے ہیں :

واما قولهم ان الخراج وجب عقوبة بسبب الكفر ، ... [illegible]

---

(۱) کتاب الخراج ۲/۲۰۵ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) ہدایہ ۴۳۳/۱

(۵) معارف القرآن ۳۴۹/۱ (۶) فقہ الزکاۃ ۴۱۷/

لأنه إنما وجب باعتبار الأرض سواء كانت في يد مسلم أو كافر ولو كان العشر عقوبة ما يجب على مسلم كالجزية ۔ (۱)

خراجی زمین

کچھ زمینیں ایسی ہیں جو خراجی کہلاتی ہیں اور ان پر عشر کے علاوہ کچھ محصولات مقرر ہیں۔ ایسی زمینوں کی شناخت کے لیے فقہاء نے مختلف تعریفیں اور صفت بیان کی ہیں:

۱۔ وہ زمین جسے بزور قوت فتح کیا گیا اور اسے مفتوح قوم کے قبضے میں چھوڑ دیا گیا ہو۔

وهي الأرض التي فتحت عنوة وتركت في أيدي أهلها۔ (۲)

امام ابو یوسف رح لکھتے ہیں:

ما افتتح من ذلك عنوة فهو أرض خراج وما صولح عليه فعلى ما صولحوا عليه۔ (۳)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ جزیرۃ العرب کے سوا جس ملک میں امام المسلمین کا غلبہ ہو گیا اور زمین کو وہاں کے باشندگان کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا وہ خراجی ہے۔

بيما دار من دور الأعاجم ظهر عليها الإمام وتركها في أيدي أهلها فهي خراج ۔ (۴)

۲۔ اس ملک کی زمینیں جو صلح کے ساتھ فتح ہوئیں اور زمین بدستور انھیں کے قبضے میں رہنے پر صلح ہوئی وہ بھی خراجی ہوں گی۔

وما صولح عليه فعلى ما صولحوا عليه — كل أرض من أرض الأعاجم صالح عليها أهلها وصارت ذمة فهي أرض خراج ۔

۳۔ وہ زمینیں جو غیر مسلموں کی ملکیت رہی ہوں اور وہ مذکورہ بالا دونوں طریقوں کے خلاف مسلمان کو منتقل ہو گئی ہوں، بیع و شراء وغیرہ کے ذریعہ تو وہ بھی خراجی رہیں گی۔ اس سلسلے میں اصول یہ ہے کہ خراجی زمین بہرصورت خراجی رہے گی عشری نہیں ہوگی۔

ولا يحل لأحد أن يحول أرض خراج إلى أرض عشر ۔ (۵)

---

(۱) المغنی ۲/۳۰۳ (۲) فقہ السنہ ۳/۱۰۹ (۳) کتاب الخراج ۶۷ (۴) ایضاً (۵) ایضاً ۶۹

خراجی ہیں اور زمینوں پر غیر مسلم مالکان سابق کی ملکیت برقرار رکھا اول فتح میں معروف و مشہور ہو۔ (۱)

ان فتاویٰ کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ ہندوستان کی ساری زمینوں کا ایک حکم نہیں ہے بلکہ کچھ عشری ہیں اور کچھ خراجی۔ البتہ ایک بات جو بار بار ذہن میں کھٹکتی ہے وہ یہ کہ خراج دارالاسلام کی خصوصیات سے ہے لہٰذا جو ملک دارالاسلام نہیں رہا مثلاً ہندوستان، وہاں خراج کا وجوب عقلاً و نقلاً سمجھ میں نہیں آتا۔

قال في السعاية في بيان الجزية والخراج ان كلا منهما من احكام دارنا

فما رضي بوجوب الخراج عليه رضي بان يكون من اهل دارنا۔ (۲)

وقال شمس الائمة سرخسي ان خراج الارض لايجب على من هو من اهل

دارالاسلام لانه حكم من احكام المسلمين وحكم المسلمين لايجري الا

على من هو من اهل دارنا۔ (۳)

فقہاء کی ان عبارات کی روشنی میں ہندوستان کی زمین کی ایک قسم جو کافر سے مسلمان کی طرف منتقل ہونے کی وجہ سے خراجی تھیں ان کو بھی عشری ہونا چاہیے اس لیے کہ ہندوستان دارالاسلام تو یقیناً نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ ہم اسے دارالمعاہدہ کہہ سکتے ہیں جس کے تحت ہم سرکاری ٹیکس ادا کرتے ہیں اور حکومت دستوری طور پر ہماری جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کرتی ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ نے ہندوستان کی اراضی جو مملوکہ مسلمین ہیں ان پر مطلقاً عشر کا فتویٰ دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں جو اراضی مملوکہ مسلمین ہیں وہ عشری ہیں کیونکہ اصل وظیفہ مسلمانوں کی زمین کا عشر ہے لیکن بحالت اشتباہ احوط عشر نکالنا ہے۔" (۴)

ایک دوسرے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"ہندوستان کی تمام زمینوں کا ایک حکم نہیں ہے البتہ جو زمین مملوکہ مسلمین ہے اس میں عشر

---

(۱) عیون الفقہ ۲/۲۵۹ (۲) علی هامش الهداية تحت قوله ما دام وضع عليه الخراج

(۳) سیر کبیر ۴/ (۴) امداد الفتاوی باب العشر والخراج ۲/۵۲

واجب ہے، مسلمانوں کو عشر نکالنا چاہیے۔ (۱)

راقم الحروف کا بھی خیال ہے۔ کہ ہندوستان کی زمینیں جو مسلمانوں کی ملکیت ہیں قطع نظر اس سے کہ وہ بھی خراجی تھیں یا نہیں مسلمانوں کو عشر نکالنا چاہیے، سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں نہیں ہے، البتہ اگر یہ خراج کسی وجہ سے مسلمانوں کو ادا کرنا پڑتا ہے تو امر شرعی کی تعمیل کے نقطہ نظر سے یہ عبادت ہوگی، اور اجر کی امید بھی رکھنی چاہیے۔

عشر اور نصف عشر

احکام عشر میں آب پاشی کی وجہ سے عشر نصف عشر میں بدل جاتا ہے اس سلسلے میں بہت ساری احادیث وارد ہیں۔

۱۔ عن ابن عمرؓ: ان النبي صلى الله عليه وسلم قال فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر وفيما سقي بالنضح نصف العشر، رواه البخاري۔

۲۔ عن أنس قال: فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما سقت السماء العشر وفيما سقي بالدوالي والسواني والغرب والناضح نصف العشر

۳۔ عن معاذ: بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى اليمن فأمرني أن آخذ مما سقت السماء وما سقي بعلا العشر وما سقي بالدوالي نصف العشر۔ أخرجه ابن ماجة۔

ان احادیث کی روشنی میں امت کا اجماع ہے کہ پانی کے قدرتی ذرائع سے جو پیداوار ہوگی اس میں عشر نکالا جائے گا اور سینچائی اگر خود کرنی پڑتی ہو تو نصف عشر میں بدل جائے گا یہی حکم آب پاشی کے ان تمام ذرائع کا ہے جن میں مختلف مشقت اور اضافی اخراجات ہیں۔

قال في المغني: وفي الجملة كل ما سقي بكلفة ومؤنة من دالية أو سانية

---

(۱) امداد الفتاوی باب العشر والخراج ۲/۶۸

أو دولاب أو ناعور أو غيره ذلك ففيه نصف العشر وماسقي بغير مؤنة ففيه العشر.(۱)

امام نووی نے ابو عبید کا قول نقل کیا ہے کہ بارانی سینچائی کا مطلب وہ تمام ذرائع ہیں جن میں محنت ومشقت نہیں ہوتی:

وهذا كل ماسقي بغير آلة وكلفة سواء كان من المطر ومن ماء ينصب إليه من جبل أو نهر أو عين كبيرة أو يشرب بعروقه فكله فيه العشر(۲)

جدید طریق زراعت کے غیر معمولی اخراجات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور بعد کے ادوار میں غیر معمولی محنت ومشقت اور اضافی اخراجات کا تعلق صرف آب پاشی سے تھا، اس لیے عشر کو نصف عشر میں بدل دیا گیا۔

لأنه عليه السلام حكم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ـــــ لأنه لم ينزل إلى نصفه إلا للمؤنة.(۳)

مگر اب حالات بدل گئے ہیں، اب اضافی اخراجات پانی کے ساتھ ساتھ کھاد اور دواؤں وغیرہ پر بھی آتے ہیں اور کھیتی بہت مہنگی ہوگئی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان غیر معمولی اخراجات کی وجہ سے عشر کی مقداروں میں کمی کی جاسکتی ہے؟ یا اصل پیداوار میں سے ان اخراجات کو منہا کرنے کے بعد عشر عائد کیا جاسکتا ہے؟

اس سلسلے میں جو شکلیں بنتی ہیں ان میں سے دو شکل تو یہ ہے کہ قدرتی ذرائع سے سینچائی ہوتی ہے یا آب پاشی کے دیگر ذرائع سے، دونوں کے ساتھ جو اضافی اخراجات کھاد، دوا وغیرہ کے لیے ہوتے ہیں اس کے پیش نظر عشر یا نصف عشر کی مقداروں میں کمی نہیں کی جاسکتی کیوں کہ مسئلہ منصوص ہے مجتہد فیہ نہیں۔

---

(۱) المغنی ۲/۶۹۹ (۲) الروضۃ للنووی ۲/۲۳۳

(۳) فتح القدیر بحوالہ شامی ۲/۵

رہ گئی بات منہائی کی تو اس سلسلہ میں کوئی نص موجود نہیں ہے۔ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

اما التفاوت الاخرى فلم يات نص باعتبارها ولا بالغائها ۔ (۱)

فقہاء نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دیگر اخراجات منہا نہیں کیے جائیں گے۔ امام ابویوسف رح لکھتے ہیں:

ولا تحتسب منه اجرة العمال ولا نفقة البقر كان يسقى سيحا او تسقيه بدلو۔ (۲)

شامی میں ہے:

بلا رفع مؤن الزرع إلى مكث الزرع وبلا اخراج البذر لتصريحهم بالعشر في كل الخارج ۔ (۳)

الفقہ علی المذاہب الاربعۃ میں ہے:

وما ينفق على الزرع من الكلف يحسب على الزارع فتجب الزكاة في كل الخارج بدون ان تخصم منه النفقات ۔ (۴)

یوسف قرضاوی کی رائے ہے کہ شریعت کی روح کا منشا یہ ہے کہ اخراجات کے منہائی کے بعد عشر نکالا جائے، اس سلسلے میں ان کے جو دلائل ہیں وہ درج ذیل ہیں:

ولكن الاشبه بروح الشريعة اسقاط الزكاة عما يقابل المؤنة من الخارج والذي يؤيد هذا امران:

الأول: ان الكلفة والمؤنة تاثيرا في نظر الشارع فقد تقلل مقدار الواجب كما في السقي بالآلة جعل الشارع فيه نصف العشر فقط وقد تمنع الوجوب أصلا كما في الانعام المعلوفة اكثر العام فلا عجب ان يؤثر في اسقاط ما يقابلها من الخارج من الأرض.

الثاني: ان حقيقة النماء هو الزيادة ولا يعد المال زيادة وكسبا الا كان قد

---

(۱) فقہ الزکوٰۃ ۱/۳۹۶ (۲) کتاب الخراج /۵۲ (۳) شامی ۲/۶۹

(۴) الفقه على المذاهب الأربعة كتاب الزكاة ۱/۶۱۸

اپنے اپنے حصہ کے بقدر عشر واجب ہوگا، صاحبین کا یہی مسلک ہے:

شامی میں ہے:

ان المزارعة جائزة عندهما والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما۔ [1]

اگر دونوں میں سے ایک مسلم اور دوسرا غیر مسلم ہو تو مسلمان پر بقدر حصہ عشر واجب ہوگا، کیوں کہ احکام عبادات اسی کی طرف راجع ہیں، غیر مسلم پر کچھ نہیں ہوگا اس لیے کہ وہ عبادات کا مکلف نہیں اور عشر کی ادائے گی عبادت ہے۔

محور پنجم

نصاب عشر

ائمہ ثلاثہ، صاحبین اور جمہور کے نزدیک زکوۃ کی طرح عشر کا بھی ایک نصاب ہے جو حدیث "ليس فيما دون خمسة اوسق صدقة" سے مستفاد ہے، لیکن حضرت ابن عباس، امام ابو حنیفہ، عطا، عمر بن عبد العزیز، ابراہیم نخعی، مجاہد اور امام زفر کے یہاں اس کا کوئی نصاب نہیں ہے۔ قلیل و کثیر میں بقدر مقدار عشر واجب ہے اور دلائل "ومما اخرجنا لكم من الارض (البقرة)" اور حدیث "فيما سقت السماء العشر" کی عمومیت ہیں۔ اور یہ کہ اس میں حولان حول شرط نہیں اس لیے نصاب بھی ضروری نہیں ہوگا۔

یہاں پر دو اور مذاہب قابل ذکر ہیں، ایک داؤد ظاہری کا جن کا کہنا ہے کہ جن چیزوں میں کیل ہے ان میں پانچ وسق کو نصاب مانا جائے، اور جو کیلی نہیں ہیں جیسے روئی، زعفران اور سبزیاں، ان کے قلیل و کثیر میں عشر ادا کرنا ضروری ہے۔ اس مذہب کی بنیاد دونوں احادیث "فيما سقت السماء العشر" اور "ليس فيما دون خمسة اوسق" میں تطبیق پر ہے۔ [2]

صاحب بحر نے باقر اور ناصر سے ایک دوسرا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ کھجور، کشمش، گیہوں اور جو میں نصاب معتبر ہے اور دوسری چیزوں میں نہیں، اس مذہب پر تبصرہ کرتے ہوئے شوکانی نے لکھا ہے:

---

[1] شامی ۲/۵۵ [2] نیل الاوطار ۴/۱۵۱

جہاں تک حولان حول کی شرط کے نہ ہونے سے عدم نصاب کا تعلق ہے تو یہ بات دل کو اس لیے نہیں لگتی کہ زراعت میں کھیتی کٹ جانے سے نمو تام ہو جاتا ہے جب کہ دیگر اموال میں سال بھر نمو کا امکان باقی رہتا ہے اسی لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں:

إنما لم يعتبر الحول لانه يكمل نماءه باستحصاده لا ببقائه واعتبر الحول في غيره لانه مظنة لكمال النماء في سائر الأموال والنصاب اعتبر ليبلغ المواساة منه فلهذا اعتبر فيه. يحققه: ان الصدقة انما تجب على الاغنياء ولا يحصل الغنى بدون النصاب كسائر الاموال الزكوية۔ (۱)

یہاں پر یہ بات بھی قابل غور معلوم ہوتی ہے کہ آیت يا ايها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما اخرجنا لكم من الارض۔ ایک ہی آیت کے دو جز ہیں اور دونوں کا اسلوب اور حرف عام یکساں ہے، علماء و فقہاء متفق ہیں کہ ما کسبتم کا عموم متبادل بخصوص ہے اور اموال کا نصاب مقرر ہے، پھر آیت کے دوسرے جز کو خاص کرنے میں کیا قباحت ہے جب کہ اس سلسلے کی واضح روایت موجود ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

ان دلائل کی روشنی میں عشر پانچ وسق سے کم پر نہیں ہونا چاہیے، جیسا کہ صاحبین کا قول ہے زیادہ سے زیادہ اس قول کو راجح قرار دینے میں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ یہ انفع للفقراء نہیں ہے لیکن میرے خیال میں انفع للفقراء کا مقام تحقق غنا کے بعد ہے، جب تحقق غنا ہی پانچ وسق سے کم میں نہیں ہوگا تو انفع للفقراء کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

وسق کی تحقیق

علماء کا اجماع ہے کہ ایک وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے، البتہ صاع کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ حضرت مولانا مدنی رح کی تحقیق کے مطابق صاع ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک وسق

---

(۱) المغنی ۲/۲۹۳ – ۲۹۵

۲سو دس سیر کا ہوا جس کے پانچ من دس سیر ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی نے ۵ وسق = ۲۰ من یا ۱۸ کنٹل کے برابر لکھا ہے[1] لیکن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی تصنیف "اردو فتاوی مع احکام اراضی و ملکیات" میں ایک وسق بحساب درہم پانچ من ڈھائی سیر اسی تولہ کے سیر سے اور بحساب مثقال پانچ من پانچ سیر لکھا ہے[2] اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

عشر کن چیزوں میں ہے؟

نصاب عشر کے ساتھ ساتھ یہ سوال بھی بڑا اہم ہے کہ عشر کن چیزوں میں ہے؟ فقہاء کے درمیان اس میں خاصا اختلاف ہے۔ امام صاحب چونکہ عموم کے قائل ہیں اس لیے ان کے یہاں یہ عموم باقی ہے اور اس کے پیش نظر "کل ما اخرج اللہ من الارض" میں عشر واجب ہے بشرطیکہ قصداً کھیتی کی گئی ہو۔ سید سابق لکھتے ہیں:

رأی ابی حنیفة: ان الزکوٰة واجبة فی کل ما انبتت الارض لا فرق بین الخضروات وغیرها واشترط ان یقصد بزراعته[3]

قصداً زراعت کی قید امام صاحب کے نزدیک اتنی اہم ہے کہ ایندھن کی لکڑی، حشیش اور بانس کی بھی کھیتی قصداً کی جائے تو ان میں عشر ہوگا۔

حتی لو اتخذ ارضه مقصبة او مشجرة او منبتا للحشیش یجب فیه العشر[4]

بلکہ اگر پودے خودرو بھی ہوں لیکن ان کی دیکھ ریکھ کی جاتی ہو اسے نقصان پہونچانے سے روکا جاتا ہو اور سینچائی وغیرہ کی جاتی ہو تو ان پر بھی عشر ہے۔

وفی الظهیریة اذا اتخذ ارضه مقصبة او مشجرة للحشیش وساق الیه الماء ومنع عنه الناس یجب فیه العشر[5]

---

(۱) اسلام کا نظریۂ ملکیت ۲/۳۵ (۲) جواہر الفقہ اول /۳۴۰ (۳) فقہ السنۃ ۱/۳۴۹

(۴) ہدایہ [illegible] (۵) بحر شرح ۲/۲۳۸

" الزکوٰۃ فی الحنطۃ والشعیر والتمر والزبیب " ہے لیکن شوکانی نے کہا ہے کہ محمد بن عبداللہ العرزمی اس حدیث کی سند میں موجود ہیں اور وہ متروک ہیں۔ (۱)

ان حضرات کی ایک اور دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوسف قرضاوی نے لکھا ہے:

ولان غیر ھذہ الاربعۃ لانص فیہ ولا اجماع ولا ھو فی معناھا فی غلبۃ الاقتیات بہا وکثیرۃ نفعہا ووجودھا فلم یصح قیاسہ علیہا ولا الحاقہ بہا فیبقیٰ علی الاصل۔ (۲)

مدار اختلاف

دراصل یہ اختلاف اس بنیاد پر ہے کہ احادیث میں جن اشیاء میں عشر کا ذکر ہے وہ شیٔ معین ہے یا مراد معلول بہ علت ہے اس لیے جن لوگوں نے حدیث میں مذکور اشیاء کو شیٔ معین سمجھا انھوں نے انھیں اشیاء میں خاص کر دیا اور جنھوں نے معلول بہ علت گردانا انھوں نے علت کی عمومیت سے حکم کو عام کر دیا پھر جن چیزوں میں علت کے وجود اور عدم کا اختلاف ہوا اس کا حکم بھی مختلف فیہ ہو گیا جیسا کہ زیتون کے بارے میں امام مالکؒ کا قول ہے کہ اس میں زکوٰۃ ہے اور امام شافعیؒ کا آخری قول اس کے خلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے نہ تو شیٔ معین سمجھا اور نہ معلول بعلت گردانا۔ " مما اخرجنا لکم من الارض اور فیما سقت السماء العشر " کی عمومیت کو دیکھتے ہوئے سب میں عام کر دیا۔

فلم یشترط ان یکون الخارج من الاقوات ولا ان یکون مما ییبس ویدخر ولا ان یکون مما یکال ولا ان یکون ما کولا۔ (۳)

ترجیح

تمام اقوال اور سارے ادلہ پر غور کرنے کے بعد امام ابو حنیفہؒ کا مسلک اس سلسلے میں زیادہ واضح اور صحیح معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ حصر والی جتنی حدیثیں ہیں وہ سب کی سب یا تو منقطع ہیں یا ضعیف اور اگر ان کی صحت تسلیم کر لیا جائے تو بھی ان کا حصر اضافی ہوگا نہ کہ حقیقی یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے

---

(۱) نیل الاوطار ۴/۱۴۳ (۲) فقہ الزکوٰۃ ۱/۳۵۰ (۳) ایضاً ۱/۳۵۳

کسی نے بھی اسے اپنا مسلک نہیں بنایا۔

رہ گئیں وہ حدیثیں جن میں حصر تو نہیں مگر چند اشیاء کا ذکر ہے۔ اس کے بارے میں یاد رکھنا چاہیے کہ ذکر شئی نفی ما عداہ کو مستلزم نہیں ہوتا، ان کے علاوہ کچھ احادیث وہ ہیں جن میں بعض چیزوں میں عشر کی نفی کی گئی ہے جیسے "لیس فی الخضروات صدقة" وغیرہ وہ قابل حجت نہیں ہیں۔

امام ترمذی نے لکھا ہے:

اسناد هذا الحديث ليس بصحيح فلا يصح في هذا الباب شئ عن النبي صلى الله عليه وسلم.

ابن عربی نے شرح ترمذی میں لکھا ہے:

واقوى المذاهب في المسئلة مذهب أبي حنيفة دليلا وأحوطها للمساكين وأولاها قياما بشكر النعمة وعليه يدل عموم الآية والحديث.

ان تفصیلات کی روشنی میں محترم کے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱۔ عشر کے لیے نصاب کا اعتبار ہوگا اور وہ پانچ وسق ہے۔

۲۔ گھاس، بانس، درخت، جانوروں کے لیے اگائے جانے والے چارہ پر عشر ہوگا اگر وہ ملک ہوں، سینچائی کی جاتی ہو اور نقصان پہونچانے سے روکا جاتا ہو، چوں کہ مکھانا اور سنگھاڑہ کی کھیتی بھی ان دنوں اسی انداز میں کی جاتی ہے اس لیے اس پر عشر واجب ہوگا۔

۳۔ مچھلی کی کاشت پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا۔

۴۔ ریشم پر عشر کے بارے میں فقہاء کی رائے عام طور پر یہی ہے کہ اس میں عشر نہیں ہے، لیکن بحر زخار میں ایک اصول لکھا ہے، اس کی روشنی میں میرا خیال ہے کہ ریشم پر عشر واجب ہے، اصول یہ ہے:

ان ما لم تجب الزكاة في أصله تجب في نمائه ما أشبهه كالزرع بالنسبة للأرض والعسل بالنسبة للنحل والألبان بالنسبة للأنعام والبيض بالنسبة للدجاج والحرير بالنسبة للدود.

---

(۱) البحر الزخار ۲/۱۹۱

اسی طرح صاحب بحر کے بعد ردالمحتار میں صراحتاً لکھا ہے:

وجب العشر في الثمرة لحصول التولد منها من الشجر لا في [illegible] ولا يحصل

لا في [illegible] منفعة به (۱)

۵۔۔۔ بانس نرکل وغیرہ جو بیلدار ہوں یا ایندھن، عمارت، فرنیچر وغیرہ میں ان کی لکڑیوں کو استعمال کرنے کے لیے کاشت کی گئی ہوں ان پر عشر ہوگا کیوں کہ ان کی کاشت بالقصد ہوئی ہے اور ملکیت متعین ہو کر آئی ہے۔

۶۔۔۔ برائے تجارت کے لیے اگائی جانے والی سبزیوں پر عشر واجب ہے، مال تجارت کی حیثیت سے زکوٰۃ واجب نہیں۔

ولهذا لو اشترى أرضاً زراعية للتجارة فزرعها أخرجت ما يجب فيه العشر

لكن بزكاة العشر عن الخارج ولم تجب زكاة التجارة عن الأرض نفسها حتى

لا تكرر الزكاة في مال واحد (۲)

۷۔ گھر یا مکان کے گرد و پیش کی افتادہ اراضی یا اپنے صحن میں اگائی جانے والی سبزیوں اور ترکاریوں میں عشر نہیں ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

والشجرة المثمرة إن كانت في الدار لا عشر فيها بخلاف ما كانت في الأراضي

لأن المساكن مع ما يتبعها عفو لا الأراضي (۳)

۸۔۔۔ وقف علی الاولاد کی اراضی پر عشر ہے۔

---

(۱) الدر المختار ۲/ ۳۲۸

(۲) شامی ۲/ ۱۹، البحر ۲/ ۲۳۶ [illegible] فقہ الزکوٰۃ ۱/ ۳۷۲

(۳) فتاویٰ بزازیہ علی ہامش فتاویٰ ہندیہ ۴/ ۹۱

ہندوستان میں عشر و خراج کے شرعی احکام

از: مولانا محمد زبیر
جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ

عشر و خراج کی تعریف

شریعت نے جن مالوں پر زکوٰۃ واجب کی ہے ان میں حقیقی پیداوار بھی ہے، فقہی اصطلاح میں اسی کو عشر کہتے ہیں، فقہاء کی تصریح کے مطابق زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ کا نام عشر ہے، زمین کی زکوٰۃ کا نام نہیں۔ خراج خالص زمین کا وظیفہ ہے جو بطور ٹیکس کے زمینوں پر عائد کیا جاتا ہے۔[1][2]

وجوب عشر کا سبب

وجوب عشر کا سبب قابل کاشت زمین کی حقیقی پیداوار ہے، البتہ وجوب خراج کے لیے حقیقی پیداوار کے ساتھ تقدیری پیداوار بھی کافی ہے، مثال کے طور پر قابل کاشت عشری زمین جس میں کاشت ہو سکتی تھی لیکن کھیت والے نے نہیں کی تو حقیقی پیداوار نہ ہونے کی وجہ سے عشر واجب نہ ہوگا، البتہ خراجی زمین میں خراج ہو جائے گا اور یہی مطلب تقدیری کا علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں اس

---

(۱) اصطلاحات الفقہ [illegible] (۲) [illegible] باب العشر [illegible] والعشر زکوٰۃ الخارج لا زکوٰۃ الارض (تفسیر مظہری [illegible]) (۳) فان الخراج وظیفۃ الارض [illegible]

[illegible]

وجوب عشر کے اسباب

کسی بھی حکم شرعی کے لیے اسباب بھی ہوتے ہیں اور شرائط بھی لیکن سبب پایا جائے اور شرط نہیں یا شرطیں پائی جائیں مگر سبب نہیں تو دونوں حالتوں میں حکم نہیں پایا جائے گا۔ مثلاً عشر کے وجوب کے لیے زمین کا عشری ہونا شرط ہے اور پیداوار یا اراضی کا مالک ہونا سبب ہے۔ زمین اگر پیداوار والی ہو لیکن اراضی عشری نہ ہو یا اراضی عشری ہو لیکن پیداوار کا مالک نہ ہو تو عشر واجب نہیں ہوگا۔

غلط فہمی کا ازالہ

تنبیہ اس واسطے ضروری تھی کہ بعض حضرات نے وجوب عشر کو صرف لفظی سبب کے قرار دے دیا یا بعض نے زمین کی شرط نہ ہونے کو دلیل بنا کر وجوب عشر کا فیصلہ صادر فرما دیا۔ زمین کے عشری غیر عشری کی بحث ہی درمیان سے ختم کر دی اور محض اتنا کہنا کافی سمجھا کہ:

"وجوب عشر کا اصل سبب تو پیداوار ہے ملک ارض شرط نہیں۔ البتہ ملک عارض شرط ہے اور وہ حاصل ہے سبب موجود شرط حاصل لہٰذا ہندوستان جیسی زمینوں پر مطلقاً وجوب عشر ہوگا۔"

لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ سبب اور شرط دونوں ضروری ہیں حکم صرف سبب کے پائے جانے سے ثابت نہ ہوگا جب تک کہ دیگر شرائط بھی متحقق نہ ہوں اور وجوب عشر کے لیے زمین کا عشری ہونا شرط ہے لہٰذا وجوب عشر کے لیے جب زمین کا عشری ہونا شرط ہے تو ضروری ہے کہ عشری غیر عشری زمین کی تحقیق کی جائے۔

عشری و خراجی زمین کی تحقیق

عشری و خراجی زمین سے متعلق کتاب و سنت اور آثار صحابہ و تابعین اور ان کے اقوال سے جو کچھ ملتا ہے وہ جمع کر کے ہمارے فقہاء نے ضبط فرما دیا ہے۔ ان سب کے دلائل احادیث و آثار صحابہ و تابعین اور کتاب الخراج وغیرہ کتب میں اور ہدایہ، شرح وقایہ، شامی، مبسوط سرخسی، عمدۃ الرعایہ وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

فقہاء کی تصریحات کے مطابق زمینیں دو قسم کی ہیں۔ بعض وہ جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل یا اجماع صحابہ سے ان کا عشری و خراجی ہونا طے کر دیا گیا ہے۔ ایسی زمین ہمیشہ تا قیامت اسی حال پر باقی رہیں گی۔ ان کے متعلق ضابطہ یا قیاس آرائی کرنا درست نہیں۔ علامہ کاسانی اور مفتی محمد شفیع صاحب نے اس کی تفصیل ذکر فرمائی ہے۔ (بدائع ۲/۵۷، جواہر الفقہ ص ۲۹)۔

البتہ ان مخصوص زمینوں کے علاوہ عام زمینوں کے متعلق فقہاء نے چند ضابطے بیان فرمائے ہیں جن سے زمین کے عشری و خراجی ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

عشری و خراجی زمین کا معیار

۱۔ عشری زمین ایک تو وہ کہلاتی ہے جس کے باشندے طوعاً یعنی از خود اسلام لے آئے ہوں اور اس طرح دارالاسلام میں شامل ہو گئے ہوں۔ یدل علیہ قولہ طوعاً۔ منہا الارض التی اسلم علیہا اہلہا طوعاً۔ (۱)

۲۔ ایسا ملک جس کو امام نے عنوۃً یعنی اپنی قوت سے فتح کیا ہو اور مجاہدین کے مابین اس کی زمین کو تقسیم کر دیا ہو، ایسی زمین بھی عشری کہلاتی ہے۔ (۲)

۳۔ ایسی زمینیں جس پر امام نے غلبہ حاصل کر لیا لیکن اس کے باشندوں نے اسلام قبول نہ کیا ہو البتہ امام نے احسان کر کے ان کی زمینیں ان ہی کے حوالہ کر دیں ایسی زمینیں خراجی کہلاتی ہیں۔ (۳)

۴۔ ایسا ملک جس کو امام نے قہراً نہیں بلکہ بطور صلح کے فتح کیا ہو اور اس ملک کے باشندوں نے اسلام کی ماتحتی اور ذمی بن کر جزیہ دینا قبول کر لیا ہو، ایسی زمینیں بھی خراجی کہلاتی ہیں۔ (۴)

اس کے علاوہ ارض موات اور بستان وغیرہ میں تفصیل ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے۔ (۵)

عشری و خراجی زمینوں کا یہ معیار عام طور پر فقہاء نے ذکر فرمایا ہے اس معیار کے مطابق جس زمین پر عشری کی تعریف صادق آئے گی وہ عشری اور جس پر خراجی کی تعریف صادق آئے گی وہ خراجی ہوگی[۶] ورنہ نہ خراجی ہونا چاہیے نہ عشری عبارات فقہاء کے مفہوم کا یہی مقتضیٰ ہے۔

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ عشری و خراجی زمین کی تعریف کرتے ہوئے فقہاء نے جتنی صورتیں ذکر فرمائی ہیں وہ سب غلبہ اسلام کی ہیں۔ باقی ایسی زمینیں جس پر غیر مسلم حکومتیں قابض رہ چکی ہوں اور وہ ان ہی کے زیر اقتدار ہوں یا ایسا ملک جس پر غیر مسلموں نے بطور قہر یا صلح کے قبضہ کر رکھا ہو اور مسلمان مغلوب و ماتحتی

---

(۱) بدائع ۲/۵۸ (۲) خانیہ ص۲۷۰، بدائع ص۵۷ (۳) ایضاً وکتاب الخراج۔

(۴) ایضاً (۵) خانیہ (۶) امداد الفتاویٰ ۲/۶۶ جواہر الفقہ ۲/۲۹۶

میں ہوں، جیسا کہ ہندوستان کی حالت ہو چکی ہے، ایسے مسلمانوں کے زیر تصرف یا مملوکہ زمینیں عشری ہوں گی یا خراجی؟ اور غیر مسلم کے تسلط واقتدار کے بعد ایسی زمینوں کا کیا حکم ہوگا؟ اس موقع پر فقہاء نے ایسی صورتوں کا ذکر نہیں فرمایا، البتہ اس کی تصریح فرمائی ہے کہ عشری زمین پر کسی کافر کی ملکیت ثابت ہو جانے سے وہ زمین غیر عشری ہو جاتی ہے۔[۱] اور تسلط واستیلاء کافر کی جملہ صورتوں کا یہ حکم ذکر فرمایا ہے کہ غیر مسلم کے استیلاء وتسلط سے وہ شئی ہماری ملک سے خارج ہو کر ان کی ملک میں داخل ہو جائے گی۔[۲] اس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔

عشری زمین کی جامع ومانع تعریف

اکابر علماء نے فقہاء کے بیان کردہ معیار کے مطابق مختلف صورتوں وحالات کو مدنظر رکھتے ہوئے عشری زمین کی جو تعریف فرمائی ہے وہ یہ ہے:

الأرض العشرية ما فتحها المسلمون عنوة وقسموها بين الغانمين أو أسلم أهلها برضاهم وأقروا عليها ولم يملكها كافر منذ فتحها إلى الآن والخراجية ما فتحها صلحاً وأقر أهلها عليها أو كانت عشرية فملكها كافر في وقت۔[۳]

یعنی عشری زمین وہ ہے جس کو مسلمانوں نے عنوۃ فتح کیا ہو اور غانمین کے درمیان اس کو تقسیم کر دیا ہو یا اپنی مرضی سے کسی ملک کے باشندے اسلام لے آئے ہوں اور اسی زمین پر برقرار رکھے گئے ہوں اور جب سے مسلمانوں نے فتح کیا ہو کوئی کافر آج تک اس کا مالک نہ ہوا ہو اور خراجی زمین وہ ہے جس کو بطور صلح کے حاکم نے فتح کیا ہو اور اس کے باشندوں کو اسی پر برقرار رکھا ہو یا عشری زمین ہو اور کسی وقت بھی کسی کافر کے زیر ملک آچکی ہو ایسی زمین خراجی کہلاتی ہے۔

محقق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ عشری زمین کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عشری زمین وہ ہے کہ جب سے مسلمانوں نے اس کو فتح کیا ہے تو وہ زمین کسی کافر کے قبضہ میں نہ آئی ہو۔[۴]

---

(۱) لو اشترى مسلم من ذمي أرضاً خراجية فعليه الخراج ولا تنقلب عشرية لأن الأصل أن مؤنة الأرض لا تتغير بتبدل المالك ... (۲) لأن ملك المسلم يزول عن ماله باستيلاء الكفار عليه۔ بدائع ۷/۱۲۹

(۳) امداد الاحکام ... مولانا ظفر احمد صاحب (۴) رفع العشر ملحقہ حقوق وفرائض ص۵۵۔

عشری زمین کی حقیقت کا حاصل یہ ہے کہ جو زمین اس وقت مسلمان کی ملک میں ہو اور اس کے قبل کبھی کسی کافر کی ملک میں آنا معلوم نہ ہو، بس ایسی زمین عشری ہے۔ (۱)

اور جو زمین ایسی ہے کہ کوئی کافر مالک ہوگیا تھا وہ عشری نہ رہی (۲) ـــــ حضرت گنگوہیؒ نے بھی یہی تعریف فرمائی ہے۔ (۳)

کافر کی ملک میں آجانے سے زمین غیر عشری ہو جاتی ہے

عشری زمین کی مندرجہ بالا تعریف میں تو کسی کو کلام نہ ہونا چاہیے۔ اس تعریف میں یہ قید بھی ہوتا ہے کہ عشری زمین اسی وقت تک عشری رہے گی جب تک کہ کسی کافر کی ملکیت میں نہ آئی ہو، ورنہ غیر عشری ہو جائے گی۔ فقہاء نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ذمی اپنی زمین کو کسی مسلمان سے فروخت کردے تو بالاتفاق وہ خراجی ہی رہے گی۔ (۴) خراجی ہو جانے کے بعد خود مالک کے اسلام لے آنے یا کسی مسلمان کو فروخت کر دینے سے اس میں کچھ تبدیلی نہ ہوگی کیوں کہ زمین کی نوعیت مالک کے بدلنے سے متغیر نہیں ہوتی۔ (۵)

کفار کا تسلط ہو جانے سے بھی زمین غیر عشری ہو جاتی ہے

مندرجہ بالا تصریحات کے مطابق عشری زمین کسی کافر کی ملک میں آجانے سے جب غیر عشری ہو جاتی ہے تو اگر کسی ملک کی زمین پر کفار کا استیلاء و تسلط ہو جائے تو بدرجہ اولیٰ ایسی زمینیں غیر عشری ہو جائیں گی کیوں کہ تسلط و استیلاء کی وجہ سے کفار اس کے مالک ہو جائیں گے۔ چنانچہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ استیلاء سبب ملک ہے جس کی وجہ سے مسلمان کافر کے مال کا مالک بن جاتا ہے لہٰذا کافر (بھی) مسلمان کے مال کا مالک ہو جائے گا۔ (۶)

---

(۱) اصلاح انقلاب ج ۲ ص ۱۲ (۲) امداد الفتاوی ج ۲ ص ۵ (۳) فتاوی رشیدیہ ص ۴۵۷

(۴) [illegible] (۵) [illegible]

(۶) [illegible]

علامہ کاسانی ؒ فرماتے ہیں:

استیلاء کفار کی وجہ سے مسلمان کی ملک اس کے مال سے ختم ہوجاتی ہے[1]۔ البتہ اس میں ایک شرط بھی ہے[2] وہ یہ کہ کفار ان املاک کو اپنے قبضہ میں اس طرح کرلیں کہ مسلمانوں کے لیے فی الحال یا فی المآل (یعنی آئندہ) واپسی کی امید نہ رہے، فقہی اصطلاح کے مطابق احراز کامل ہونا چاہیے، جس کی حقیقت اقتدار کامل ہے۔

• استیلاء منقولات میں اس کا تحقق اس وقت ہوگا جب کہ کفار دارالاسلام سے دارالحرب میں منتقل کرلیں، البتہ غیر منقولات مثلاً زمین میں انتقال کا تو امکان نہیں اس لیے یہاں استیلاء کا تحقق اور احراز کامل اسی وقت سمجھا جائے گا جب کہ اس کی حقیقت و معنی پائے جائیں یعنی یہ کہ غیر مسلموں کے لیے مسلمانوں کی طرف سے فی الوقت یا آئندہ واپسی کا خدشہ باقی نہ رہے اور وہ املاک کلی طور پر انھیں کے زیر اقتدار ہوں، وہی اس پر قابض و متصرف ہوں جس طرح چاہیں حسب منشا اس میں تصرف کریں، ایسی صورت میں واقعۃً اس کو احراز کامل کہا جائے گا اور استیلاء کامل کی وجہ سے ایسے اموال و جائداد مسلمانوں کی ملک سے خارج ہوکر غیر مسلم کی زیر ملک آجائیں گی اور ایسی صورت میں لامحالہ عشری زمینیں بھی تحقق ملک غیر مسلم کی وجہ سے غیر شرعی ہوجائیں گی۔

ماقبل میں جو کچھ عرض کیا گیا کتب فقہ ہدایہ و شروح ہدایہ وغیرہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ان الاستیلاء لایتحقق الا بالاحراز بالدار لانہ عبارۃ عن الاقتدار علی المحل (المحل عام المنقولات وغیر المنقولات) حالاً ومآلاً۔

وفی الکفایۃ یعنی ان الکفار اذا استولوا علی اموال المسلمین فھم مادامو فی دار الاسلام ان اقتدروا علیھا حالاً لم یقتدروا مآلاً لأن الظاھر ان المسلمین یغلبون علیھم ویاخذون الاموال واما اذا احرزوھا بدار الحرب فقد اقتدروا علیھا حالاً ومآلاً لانقطاع ولایۃ المسلمین[3]

عبارت کے خط کشیدہ الفاظ قابل غور ہیں، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ استیلا کی شرط احراز ہے

---

(۱) لان ملک المسلم یزول عن مالہ باستیلاء الکفار علیہ (بدائع ۷/۱۲۹)

(۲) تاتارخانیہ ۵/۳۶۲ (۳) کفایہ شرح ہدایہ ۵/۴۵۹

اور احراز نام ہے اقتدار کے منتقل ہو جانے کا۔ یعنی ایسا اقتدار کہ مسلمانوں کے لیے اس کی واپسی مشکل ہو جائے، اور ان کی ولایت اس سے منقطع ہو جائے۔ ایسی حالت میں کفار اس کے مالک ہو جائیں گے اور ملک کفار ثابت ہو جانے سے عشری زمین غیر عشری ہو جاتی ہے۔ کما سیأتی۔

اراضی دار الکفر اور غیر عشری غیر خراجی زمینوں کی تحقیق

اب تک کی ساری بحث کا حاصل و خلاصہ یہ تھا کہ عشری زمینیں استیلاء کفار کی وجہ سے غیر عشری ہو جاتی ہیں۔ البتہ غیر عشری ہو جانے کے بعد وہ خراجی ہوں گی یا غیر عشری و غیر خراجی؟ یعنی ایسی زمینوں کا وظیفہ عشر ہوگا یا خراج یا کچھ بھی نہ ہوگا؟

علامہ شامی نے اس سے تعرض نہیں فرمایا اور دیگر فقہاء نے فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی زمینیں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی۔ تصریحات فقہاء کے علاوہ اصولی حیثیت سے اگر دیکھا جائے اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اراضی دار الکفر نہ عشری ہوں گی نہ خراجی، مگر کسی سلطان کی زیر ملک ہوں جس کی تفصیل عنقریب آ رہی ہے۔

عبارات فقہاء کا مقتضیٰ

بعض فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ مسلمانوں کی زمینوں پر اگر مشرکین غالب آ جائیں اور امام پھر ان کو فتح کرے اور مسلمان ان زمینوں پر غالب آ جائیں تو ایسی زمینیں سابقہ حالت کی طرف عود کر آئیں گی۔ اگر عشری تھیں تو عشری، خراجی تھیں تو خراجی رہیں گی۔

فی العالمگیریۃ ولو افتتحہا الامام عادت الی الحکم الاول۔ ان خراجیۃ یصیر خراجیا والعشری یصیر عشریا، ھکذا فی السراج الوہاج (۱)۔

و شاد انہ یعود علی حکمہ الاول الخراجی عاد خراجیا والعشری عاد عشریا (۲)۔

اس کا مفہوم یہ نکلا کہ جب امام کے فتح کے بعد زمینیں حسب سابق عشری یا خراجی ہو جائیں گی تو قبل از فتح غلبہ کفار کے وقت نہ عشری ہوں گی نہ خراجی۔ ہکذا ثبت۔

---

(۱) عالمگیری ج۲/۲۳۱ (۲) بدائع الصنائع ج۲/۱۴

مولانا ظفر احمد صاحب اس قسم کی عبارتوں کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ،

قلت فیہ دلالۃ علی ان ارض الاسلام اذا صارت دار الحرب لاتبقیٰ خراجیۃ و لاعشریۃ دل علیہ قولہ عادت الی الحکم الاول فافہم ۔ (۱)

عالمگیری کی مذکورہ بالا عبارت ہی سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ امام المسلمین کے فتح کیے بغیر غیر مسلم حکمراں کے استیلاء و تسلط کے بعد ان کے توسط یا احسان سے جو زمینیں مسلمانوں کی مملوکہ ہوں گی وہ بھی نہ عشری ہوں گی نہ خراجی ۔ کیوں کہ عشری و خراجی کی طرف واپس آنے کی شرط اور اس کا معیار فقہاء کے بیان کردہ معیار و تصریح کے مطابق فتح امام ہے ۔ واللہ اعلم ۔

اصول کا مقتضیٰ

اصولی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو فقہاء کے بیان کردہ معیار کے مطابق ایسی زمینیں نہ عشری ہوں گی ، نہ خراجی ۔ عشری نہ ہونے کی تفصیل تو ماقبل میں گذر چکی ۔ اور خراجی اس وجہ سے نہ ہوں گی کہ خراجی زمین تو وہ کہلاتی ہے جس کو امام نے فتح کر کے غیر مسلموں ہی کے حوالہ ان کی زمینیں کر دی ہوں اور غیر مسلموں نے اسلام کی ماتحتی جزیہ دینا قبول کر لیا ہو ایسی زمینیں خراجی کہلاتی ہیں ۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے :

کل بلدۃ فتحت صلحاً وقبلوا الجزیۃ فہی ارض خراج ۔ (۲)

قاضی ابو یوسف خراجی زمین کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وکل ارض من اراضی الاعاجم صالح علیہا اہلہا وصاروا ذمۃ فہی ارض خراج (۳)

فقہاء کے ذکر کردہ معیار میں یہ قید بھی ملحوظ ہے کہ ایسے خطہ کی زمین خراجی ہوگی جس کے باشندوں نے اسلام کی ماتحتی اور جزیہ دینا قبول کر لیا ہو اور وہ ذمی بن گئے ہوں اور ظاہر ہے کہ اراضی ہند میں یہ ممکن نہیں بلکہ جزیہ و خراج کہتے ہی اس کو ہیں جو ذمیوں سے وصول کیا جائے جس میں انقیاد و ذلت کی شان ہوتی ہے ؟ (۴)

---

(۱) قاضی خاں ص۲۵۸ (۲) کتاب الخراج لابی یوسف ص ۶۹ (۳) الذی فی الفروع من الصغار وہو [illegible] قال تعالیٰ : حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وہم صاغرون ای ذلیلون [illegible] مرقاۃ شرح مشکوۃ باب الجزیۃ [illegible]

دوم خراج کا حکم تو ان لوگوں سے متعلق ہوتا ہے جو ذمی بن کر اسلام کی ماتحتی میں رہتے ہوں اور وصولیابی کا حکم مسلمانوں سے متعلق ہے کہ مسلمان حکمراں اس کو وصول کریں گے۔[۱] ظاہر بات ہے کہ غیر دار الاسلام میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اولاً تو زمین غیر خراجی، دوسرے مسلمان حکمراں کے لیے جو حکم ہے وہ غیر دار الاسلام میں عائد نہیں ہو سکتا۔

فقہاء کرام کی واضح تصریحات

اسی وجہ سے فقہاء نے واضح الفاظ میں تصریح فرما دی ہے کہ عشر ہو یا خراج اراضی مسلمین ہی میں اس کا وجوب ہوتا ہے، اراضی حرب نہ عشری ہوتی ہیں نہ خراجی۔ چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

۱ــــ الأرض النامية لا تخلو عن وظيفة في دارنا والوظيفة إما الخراج أو العشر۔ (۱)

۲ــــ لأن العشر والخراج انما يجب في اراضي المسلمين وهذه اراضي اهل الحرب وأراضي اهل الحرب ليست بعشرية وخراجية۔ (۲)

۳ــــ لأن خراج الارض لا يجب إلا على من هو من اهل دار الاسلام لانه حكم من احكام المسلمين وحكم المسلمين لا يجري إلا على من هو اهل دار الاسلام۔ (۳)

۴ــــ وصرح الشامي عن القهستاني وشرح الشيخ اسماعيل وغيرهما بان ارض الحرب ليست ارض خراج وعشر۔ (۴)

فقہا کی عبارتوں کا مصداق

یہ ہیں فقہاء کی تصریحات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اراضی دار الکفر نہ عشری ہوں گی نہ خراجی اور یہ حکم عام ہے ہر دار الکفر کو خواہ وہ دار الحرب اصل سے ہو یا دار الاسلام کے بعد پھر دار الحرب بنا ہو اور مسلمانوں کی زمینیں ان کی ملک سے خارج ہو چکی ہوں یا باقی ہوں، بہر صورت اراضی دار الحرب نہ عشری ہوں گی نہ خراجی۔ کیوں کہ عام فقہاء کی عبارتیں عام ہیں اور تخصیص کی کوئی وجہ اور دلیل نہیں، نیز عشری یا خراجی کی تعریف بھی ایسی زمینوں پر صادق نہیں آتی، اس لیے ایسی

---

(۱) مبسوط سرخسی ۶/۱۰ (۲) شرح سیر کبیر ۴/۲۴۳ (۳) ایضاً

(۴) شامی باب المرکاز ۲/۴۷، اعلاء السنن ۹/۲۲

زمینیں غیر عشری غیر خراجی ہوں گی۔

جس طرح دارالاسلام میں بسنے والے کفار کے مخصوص احکام ہیں اسی طرح دارالکفر میں جو مسلمان رہتے ہیں ان کے بھی کچھ احکام ہیں، بہت ممکن ہے کہ فقہاء نے دارالکفر میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے یہ حکم بیان فرمایا ہو کہ ایسے ملک کی زمینیں ان کے حق میں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی۔

عبارات فقہاء کا صحیح محمل و با معنیٰ مفہوم یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ حکم دارالکفر میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے ہے کہ ان کی زمینیں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی، ورنہ ظاہر ہے کہ کفار کے لیے یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ ان کی زمینیں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی کیوں کہ فروع کے لیے مکلف نہ ہونے کی وجہ سے ان پر عشر و خراج کا حکم عائد ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے فقہاء کا یہ فرمان اصلاً دارالکفر میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے ہے کہ ان کی مملوکہ زمینیں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی۔ ظاہر عبارت کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

مذکورہ بالا شرح سیر کبیر کی عبارت لان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین الخ کو نقل کرنے کے بعد حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس عبارت میں اراضی المسلمین سے مراد وہ اراضی ہیں جو اسلامی حکومت و اقتدار میں داخل ہوں خواہ ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو۔" (۱)

اسی طرح اس کا برعکس بھی سمجھنا چاہیے کہ اراضی غیر مسلمین سے مراد وہ اراضی ہوں گی جو غیر اسلامی حکومت و اقتدار میں داخل ہوں (جیسا کہ فی الوقت ہندوستان میں ہیں) خواہ ملکیت کسی مسلم کی ہو۔

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ محض ملکیت مدار نہیں بلکہ حکومت مسلم یا غیر مسلم کے اقتدار کا اعتبار ہے جیسا کہ حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب رح کے کلام سے ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

اکابر علماء و فقہاء کی آراء

یہی رائے اکابر علماء و فقہاء کی بھی ہے جیسا کہ ان کے فتاویٰ سے ظاہر ہے کہ اراضی دارالکفر نہ عشری ہیں نہ خراجی، اور ایسی زمینوں پر نہ عشر واجب ہوگا نہ خراج۔

---

(۱) جواہر الفقہ ۲/۲۶۶

۱ــــــ محقق تھانوی ؒ سے سوال کیا گیا کہ اراضی عشری وخراجی دارالاسلام میں منحصر ہیں یا غیر دارالاسلام میں بھی عشری وخراجی ہے؟ اس کے جواب میں حضرت تھانوی رح نے شامی کی یہی عبارت ذکر فرمائی ہے: دار الحرب لیست ارضہا ارض عشر وخراج۔ یعنی اراضی حرب نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ (۱)

۲ــــــ ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: "ہندوستان اگر غیر دارالاسلام ہے تو اس کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔ (۲)

۳ــــــ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رح فرماتے ہیں: "روایات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب میں عشر نہیں" اور فرماتے ہیں: "ہندوستان کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔ (۳)

۴ــــــ حضرت اقدس مفتی عزیز الرحمن صاحب ؒ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ اراضی دارالحرب نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ اور فرماتے ہیں: اراضی دارالحرب کو علامہ شامی نے عشری وخراجی ہونے سے خارج کیا ہے۔ (۴)

غالباً اسی بناء پر حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ؒ نے "مالا بد منہ" میں اراضی ہند کو عشری قرار نہیں دیا۔

۵ــــــ حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ دارالحرب کی زمینیں نہ عشری ہوتی ہیں نہ خراجی۔ (۵)

۶ــــــ علامہ انور شاہ کشمیری ؒ، نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح کی بھی یہی رائے ہے۔ (۶)

الغرض فقہاء کی تصریحات کے مطابق جمہور اکابر علماء وفقہاء کی یہی رائے اور فتویٰ ہے کہ اراضی دارالحرب نہ عشری ہوں گی نہ خراجی اور ایسی زمینوں پر عشر وخراج کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتاویٰ دارالعلوم جدید۔

ہندوستان دارالحرب ہے

دارالحرب ودارالاسلام کی تعریف کرتے ہوئے فقہاء نے جو کچھ فرمایا ہے اس کے بموجب موجودہ حالات میں ہندوستان بے شک دارالحرب ہے۔ دارالحرب کی تعریف میں امام صاحب رح وصاحبین رح کا اختلاف بھی منقول ہے

---

(۱) امداد الفتاویٰ ۱/۱۱ (۲) ایضاً (۳) امداد الاحکام ۲/۳۶

(۴) عزیز الفتاویٰ ملحقہ فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۸/۲۹ (۵) امداد المفتیین ملحقہ فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۲/۹۶

(۶) فتاویٰ دارالعلوم جدید، باب العشر، سوال ۴۵، ۶/۳۳۔

رہ گئے امام صاحب رہ کے ذکر کردہ شرائط ثلاثہ سو اس کا ذکر امام صاحب رہ نے بہ طور علامات کے فرمایا ہے جس میں تغیر و تخلف بھی ہوتا رہتا ہے۔ اجمل میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اکابر علماء و فقہاء ہند کی بھی یہی رائے ہے۔

اکابر علماء و فقہاء کی تصریحات

۱ــــ حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ دار الحرب وہ ہے کہ حاکم متصرف اس کا کافر ہو جیسا کہ تمام کفار کے ملک میں ہوتا ہے۔ اور فرماتے ہیں: صاحبین اور امام صاحب کا اس میں اتفاق ہے کہ دار الاسلام جب مغلوب کفار ہو جائے گا، دار الحرب ہو جاوے گا۔ (۱)

۲ــــ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رہ فرماتے ہیں:

• شرعی اصطلاح میں دار الحرب کی تعریف یہ ہے کہ جہاں پورا تسلط غیر مسلم کا ہو تعریف تو یہی ہے آگے جو کچھ فقہاء نے لکھا ہے وہ علامات ہیں اور ہندوستان میں غیر مسلم کا تسلط ہونا ظاہر ہے۔ (۲)

۳ــــ علامہ انور شاہ کشمیری رہ فرماتے ہیں: جس ملک میں کفر کی شوکت ہو، ملک کا براہ راست غیر مسلم ہو اور وہاں تنفیذ احکام اسلامیہ (مثل حدود و قصاص) کی کوئی بھی صورت ممکن نہ ہو وہ دار الحرب ہے، خواہ وہاں مسلمانوں کو ادائے احکام شرعیہ کی اجازت ہو جیسے انگریزی دور میں تھی۔ (۳)

۴ــــ شاہ عبد العزیز رہ کا بھی یہی رجحان ہے۔ جیسا کہ ان کے فتاویٰ سے ظاہر ہے۔ (۴)

۵ــــ نیز مولانا ظفر احمد صاحب، حضرت مدنی و گنگوہی کی بھی یہی رائے ہے۔ (۵)

الغرض ہندوستان، ہمارے تمام اکابر علماء و فقہاء کے یہاں کے نزدیک دار الحرب ہے۔

۶ــــ چنانچہ حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب اس سوال کے جواب میں کہ ہندوستان دار الحرب ہے یا نہیں؟ فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرات کے نزدیک ہندوستان دار الحرب ہے۔ (۶)

---

(۱) مجموعہ تحذیر الاخوان/ ۱۵ (۲) حسن العزیز ۴/ ۲۱ (۳) ملفوظات محدث کشمیری ۴۹/، انوار الباری ۹/ ۴۹ (۴) فتاویٰ عزیزی ص ۱۱۰/۱، فتاوی محمودیہ ۴/ ۲۹۶ (۵) حضرت مدنی رہ فرماتے ہیں: ہندوستان دار الحرب ہے وہ اس وقت تک دار الحرب ہی رہے گا جب تک اس میں کفر کو غلبہ حاصل رہے گا، دار الحرب کی جس قدر تعریفات کی گئی ہیں اور جو شروط بیان کی گئی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں (اسیران مالٹا / ۱۵۲) (۶) امداد المفتین ملحقہ فتاوی دار العلوم قدیم ۲/ ۹۶

اور اکابر علماء وفقہاء کا ہندوستان کو دار الحرب فرمانا اس وقت تھا جب کہ ہندوستان کی حالت مسلمانوں کے حق میں موجودہ حالات کی بہ نسبت بدرجہا بہتر تھی، مسلمان قاضی ہوتے تھے جو شرع کے مطابق فیصلے کرتے اور ان کے فیصلوں کی تنفیذ ہوتی، مسلمانوں کی جان و مال، مساجد و مقابر محفوظ تھیں اور اب تو کچھ بھی نہیں ان حتی کہ تحفظ جان و مال کی خاطر ضرورۃً جمہور علماء ہند نے جواز بیمہ کا فتویٰ دیدیا، اس لیے اب موجودہ حالات میں تو ہندوستان کے دار الحرب ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

جب ہندوستان کا دار الحرب ہونا متعین ہے نیز فقہاء کی تصریحات کے مطابق یہ بھی ثابت ہے کہ اراضی حرب نہ عشری ہوتی ہیں نہ خراجی تو بقاعدہ اذا ثبت الشیٔ ثبت بجمیع لوازمہ موجودہ حالات میں ہندوستانی زمینیں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی، اور یہاں کی زمینوں پر نہ عشر واجب ہوگا نہ خراج۔ واللہ اعلم۔

ہندوستانی زمینوں کے مختلف ادوار

اسلامی دور ہندوستان اور سندھ کی زمین کو محمد بن قاسم الثقفی نے ۹۳ھ میں فتح کیا تھا[1] اور محققین کی تصریح کے مطابق محمد بن قاسم الثقفی نے مفتوحہ اراضی پر خراج مقرر فرمایا تھا[2] لیکن تاریخ سے ثابت ہے کہ بعض مجاہدین کو کچھ جاگیریں بطور ملک کے بھی دی گئی تھیں[3] نیز یہ بھی ثابت ہے کہ سندھ کی بہت سی ریاستوں کے راجہ باغی ہو کر خود مختار بن گئے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ نے اپنے دور خلافت میں ان کو اسلام کی دعوت دی چنانچہ وہ اسلام لے آئے اور عمر بن عبد العزیز رحمہ نے ان کی تمام اراضی پر ان کی ملکیت برقرار رکھی[4] ظاہر ہے کہ فقہی نقطۂ نظر سے ایسی زمینیں عشری ہوں گی۔

ادھر محمد بن قاسم اور مسلم فاتحین کا خراج مقرر کرنا بھی ثابت ہے نیز اس طویل مدت تقریباً تیرہ سو برس کے انقلابات کے بعد کسی زمین کی صحیح صورت حال معلوم کر کے کسی نتیجہ تک پہنچنا امر مستبعد بلکہ عادۃً ناممکن ہے اس لیے اس تحقیق کی بنیاد پر تو فیصلہ کرنا مشکل ہے، یہی رائے مفتی رشید احمد صاحب نے اپنے فتاویٰ میں ذکر فرمائی ہے۔ (۵)

---

(۱) فتح القدیر ج۵/ ۳۵ (۲) سراج الہند فی تحقیق خراج سندھ (۳) فتوح البلدان للبلاذری/ ۴۳۵

(۴) کامل ابن اثیر ج۴/ ۲۲۳ (۵) احسن الفتاویٰ ج۴/ ۴

انگریزی دَور

ہندوستانی زمینوں کا انقلاب پذیر دور برطانوی دور ہے، سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد برطانوی حکومت نے سلطنت کی باگ ڈور اپنے قبضہ واقتدار میں لے لی تھی، اور عام اعلان کر دیا گیا تھا کہ تمام زمینیں ضبط کر لی گئیں اور کسی کا کوئی حق نہیں، جس کو جو زمین دی جائے گی، دعوی ثبوت کے بعد حاکم کی تجویز سے دی جائے گی، چنانچہ جن زمینوں کے مالکوں نے دعوی کر کے بینہ پیش کئے ان کو وہی زمینیں یا اس کے عوض دوسری زمینیں عطا کی گئیں، اور بعض لوگوں کو محض کسی صلہ میں بطور انعام کے عطا ہوئیں اور سرکاری مال گذاری جو سالانہ زمین داروں سے لی جاتی ہے، اس کو مقرر کر دیا اور بعض سے معاف کر دیا۔(۱)

برطانوی دَور حکومت میں اراضی کا نظام و دستور یہ تھا کہ زمین دار اپنی مملوکہ زمین کو برائے کاشت کاشتکار کو دیا کرتا، جس کا لگان خود زمین دار کاشت کار سے وصول کرتا تھا، البتہ حکومت برطانیہ نے خود زمین دار یعنی زمین کے اصل مالک پر خاص قسم کا ٹیکس (مال گذاری) رقبہ زمین کے لحاظ سے عائد کر رکھا تھا جس کو حکومت خود وصول کرتی اور کاشت کی لگان سے حکومت کو کچھ واسطہ نہ ہوتا تھا۔

اس صورت حال میں بکثرت زمین دار خیانت سے بھی کام لیتے تھے اور وہ اس طرح سے کہ حکومتی بکاغذی کارروائی میں زمین دار کے نام زمین کم لکھی ہوتی حالاں کہ وہ اس سے زائد پر قابض ہوتا تھا۔ مثلاً ایک زمین دار تیس بیگھہ زمین پر قابض ہے اور کاغذی کارروائی میں صرف بیس بیگھہ درج ہے، اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ کاشتکاروں سے تو زمین دار کو پوری زمین کی لگان حاصل ہوتی تھی، لیکن حکومت جو زمین دار سے مال گذاری وصول کرتی وہ صرف بیس بیگھہ کے مطابق۔ گویا حکومت کی نگاہ میں وہ صرف بیس ہی کا مالک ہے حالاں کہ اس کی مملوکہ زمین تیس بیگھہ ہوتی۔

اور زمین دار اپنی مملوکہ زمین میں سے بعض زمین کو تو کاشت کار کو دیتا جس کا لگان وصول کرتا اور بعض زمینوں میں خود ہی کاشت کرواتا اور بعض کو یوں ہی پڑا رہنے دیتا۔

یہ صورت حال اور نوعیت تھی انگریزی دَور کی، اس صورت حال کا شرعی حکم عنقریب ذکر کیا جائے گا۔

---

(۱) استفتاء، اسرار الفتاوی ۲/۴

ملک کفار متحقق ہونے کے بعد از سر نو زمین دار کی ملکیت ثابت ہوئی ورنہ وہ بالکلیہ بے دخل بھی کر سکتے تھے ایسی صورت حال میں واقعۃً ایسی زمین ملک کفار ہو جانے کی وجہ سے غیر عشری ہو جائیں گی۔ واللہ اعلم۔

مختلف ادوار کے لحاظ سے ہندوستانی زمینوں کے شرعی احکام

جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا کہ محمد بن قاسم سے لے کر برطانوی دور کے مابین جو تغیرات ہوئے اس کی بنیاد پر صحیح صورت حال معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کسی نتیجہ تک پہنچنا مشکل ہے، البتہ انگریزی دور میں جو تغیر واقع ہوا، اس کے متعلق اکابر علماء و فقہاء کی آراء مختلف ہیں، اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ ساری زمینیں انگریز کے زیر اقتدار و تصرف آچکی تھیں اور ساری زمینیں انگریز نے ضبط بھی کر لی تھیں جس کی تفصیل عنقریب ذکر کی جا چکی۔

ظاہر ہے کہ فقہی نقطہ نظر سے غیر مسلم حکومت کے استیلاء و تسلط کی وجہ سے وہ زمینیں اب نہ عشری رہیں گی نہ خراجی جس کی تفصیل و دلائل ماقبل میں ذکر کیے جا چکے۔ چنانچہ علاوہ چند حضرات کے جملہ اکابر علماء و فقہاء کا فتویٰ یہی ہے کہ انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد ہندوستان کی زمینیں نہ عشری رہیں گی نہ خراجی۔

(۱) لیکن حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انگریزوں کے زمینوں کو ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک قبضہ مالکانہ اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری نہیں رہیں۔ دوسرا قبضہ ملکانہ و حاکمانہ اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اسی کو ترجیح ہے، اگر ایسا ہوا تو اراضی عشریہ بحالہا عشری رہیں، البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس کے عوض میں دے دی یا کسی صلہ میں اس کو کوئی زمین دی سو چوں کہ وہ دینے کے قبل استیلاء سے سرکار کی ملک ہو گئی لہٰذا وہ عشری نہ رہی[1]

یہی رائے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی طرف منسوب ہے۔[2]

ان حضرات کے نزدیک ہندوستان کی عشری زمینیں ضبط انگریز کے بعد بھی عشری ہی رہیں کیوں کہ یہ ضبط منتظمانہ تھا نہ کہ مالکانہ، اس کے برخلاف تمام اکابر علماء و فقہاء انگریز کے اس تصرف کے بعد سے ہندوستانی زمینوں کو علی الاطلاق غیر عشری غیر خراجی قرار دیتے ہیں۔

---

(۱) امداد الفتاویٰ جلد ۲ (۲) [illegible]

[illegible] ۳۹/۲

شاہ عبدالعزیز صاحب اور علامہ انور شاہ کشمیری کی رائے

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی رائے کو اختیار فرمایا ہے کہ اراضی ہند نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب، شیخ محمد علی تھانوی، شیخ جلال الدین تھانیسری کا بھی یہی رجحان ہے۔ (۱)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح کی رائے

یہی رائے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح کی ہے۔ ہندوستان کی زمینیں غیر عشری ہیں، چنانچہ اپنی کتاب "ما لا بد منہ" میں فرماتے ہیں "احکام عشریہ کہ دریں دیار نیست" اس کا حاصل یہی ہے کہ ہندوستان کی زمینیں عشری نہیں۔ (۲)

مولانا عبدالحی لکھنوی رح کی رائے

حضرت مولانا عبدالحی رح کی کوئی مفصل تحریر یا فتویٰ اس بابت نہیں مل سکا تاہم عمدۃ الرعایہ میں مولانا نے تصریح فرمادی ہے کہ ہندوستان کی اکثر زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی چنانچہ غیر عشری غیر خراجی زمینوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فمثل هذه الارض لا تكون عشرية ولا خراجية فلا يكون المأخوذ منها عشراً ولا خراجاً وهذا هو حكم كثير من اراضي بلاد الهند على ما حققه القاضي محمد اعلى ابن الشيخ علي التهانوي۔ (۳)

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رح و مولانا عبدالکریم صاحب کا فتویٰ

مولانا ظفر احمد صاحب نیز مولانا عبدالکریم صاحب کا بھی فتویٰ یہی ہے کہ ہندوستانی زمینیں نہ عشری ہیں

---

(۱) اعلم ان الارض ببلاد الهند ليست بعشرية لانها اصبحت من دار الحرب ــ وكذا صرح قبله الشيخ عبد العزيز في فتاواه وقال وذكر الشيخ مولانا محمد اعلى التهانوي في رسالة بان اراضي الهند ليست بعشرية ولا خراجية الخ - معارف السنن ۵/۲۱۹

(۲) ما لا بد منہ کتاب الزکوۃ مجتبائی ص ۹۲ (۳) عمدة الرعاية حاشية شرح وقاية ۱/۲۱۸

عشری نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی ضروری ہے کہ قاضی صاحب کا یہ تحریر فرمانا کہ یہاں عشری
نہیں ہیں اس زمانہ کا متفقہ مسئلہ ہوگا کیونکہ قاضی صاحب حضرت شاہ ولی اللہ کے خاص خلیفہ اور
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وغیرہ حضرات کے ہم عصر تھے اور سب حضرات باہم متفق تھے باہم
کوئی اختلاف نہیں۔ ضروری ہے کہ یہ مسئلہ اس زمانہ کا متفق علیہ مسئلہ ہوگا کہ ہندوستان میں
عشری زمینیں نہیں ہیں۔

پھر اس کے ساتھ یہ معمول دیکھ کر کہ کوئی اپنے بزرگوں میں عشر کا اہتمام مثل زکوٰۃ کے نہیں
کرتا تعجب بھی ہوتا تھا اور تردد بھی ہوتا تھا اور گویا حضرت قاضی صاحب کی تحقیق کی تائید ہوتی
تھی کہ ایسا بھی کیا ہے کہ سب بزرگوں نے عشر کا اہتمام چھوڑ دیا، ضرور کوئی بات ہے جس کی
وجہ سے عملاً یہ متروک ہوگیا۔

اس کے بعد ایک اشکال یہ باقی رہتا ہے کہ حضرت اقدس گنگوہی وجوب عشر کا حکم
فرماتے ہیں اور تحریراً و تقریراً اس کو ظاہر فرمایا ہے لیکن چونکہ عشر کے وجوب کے لیے زمین کا عشری
ہونا ضروری ہے اور دارالحرب کی اراضی عشری نہیں ہوتی تو وجوب عشر کی کوئی وجہ نہ ہوگی اور
حضرت کا قول ذیل احتیاط پر بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے مرشد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب
قدس سرہ بھی اپنے خاص لوگوں کو عشر نکالنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔"(۱)

یہ سارے فتاوی سنہ ۴۷ء سے قبل آزادی ہند سے پہلے کے ہیں جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ہندوستان
کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی جب کہ انگریزوں کے ضبط و تسلط میں اس کا بھی احتمال تھا کہ شاید یہ ضبط
مالکانہ نہیں بلکہ مستقلانہ ہو جیسا کہ حضرت تھانوی کی رائے ہے لیکن جمہور علماء نے حضرت تھانوی کی رائے
سے اتفاق نہیں فرمایا۔

سنہ ۴۷ء آزادی ہند کے بعد جو تغیر واقع ہوا جس میں کہ واقعۃً حکومت نے زمینداری سلسلہ کو ختم
کر دیا اور خود ہی حکومت تمام زمینوں کی مالک بن گئی چنانچہ اس نے مالکانہ تصرفات بھی کیے اس وقت یہ احتمال
بھی باقی نہ رہا کہ یہ ضبط و تسلط مستقلانہ ہوگا۔

---

(۱) فتاویٰ دارالعلوم جلد ۶، ص ۲۲

اس انقلاب کے وقت بہت سے اکابر علماء و فقہاء حضرت تھانوی رح، علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت گنگوہی رح جیسے مشاہیر دنیا سے رخصت ہو چکے تھے ـــــ موجودہ دَور کے اہل علم وارباب افتاء نے آزادی ہند کے بعد جو فتاویٰ تحریر فرمائے اس میں بھی حتمی طور پر یہی فتویٰ دیا گیا کہ ہندوستان کی زمین اب نہ عشری ہے نہ خراجی۔

حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی مدظلہ کا فتویٰ

حضرت اقدس مفتی صاحب فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: قانون زمین داری کی تشریحات جو حکومت کی طرف سے شائع ہوئی تھیں ان میں واضح کر دیا گیا تھا کہ زمین دار مالک نہیں رہا، مالک حکومت ہے وہ جس کو چاہے دے اور جس طرح چاہے دے اس صورت میں جب کہ مالک مسلم نہیں اس میں عشر کا کیا سوال (۱)

اور فرماتے ہیں، موجودہ حالت میں جب کہ زمینیں ملک سرکار ہیں تو وہ نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ (۲)

حضرت اقدس مفتی نظام الدین صاحب کا فتویٰ

یہی فتویٰ حضرت مفتی نظام الدین صاحب کا بھی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"خاتمہ زمین داری میں جن زمینوں کو حکومت نے اپنے قبضہ و تصرف میں لے لیا اور ملک مالکان ختم کر دیا ـــــ وہ زمینیں چاہے پہلے عشری رہی ہوں لیکن اب عشری باقی نہیں رہیں اس لیے کہ عشریت باقی رہنے کے لیے شرط ہے کہ کبھی ملک غیر مسلم میں نہ جائیں۔ (۳)

اور اگر ذرا دیر کے لیے کافر اس کا مالک ہو جائے تو اس پر عشر واجب نہیں رہتا۔ (۴)

علماء مظاہر علوم سہارنپور کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ ہندوستان کی زمینیں اب نہ عشری ہیں نہ خراجی (۵)

احقر کی رائے گذشتہ مباحث میں فقہاء کی تصریحات سے یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ عشر ہو یا خراج دونوں ہی کے لیے زمین کا عشری یا خراجی ہونا شرط ہے اور فقہاء نے عشری یا خراجی زمین کا جو معیار مقرر فرمایا ہے اس کی

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۰۹ و ۹۲ (۲) ایضاً (۳) نظام الفتاویٰ ۱/۳۵۶ (۴) منتخبات نظام الفتاویٰ ۱/۲۵

(۵) میں اساتذہ الشیخ مفتی یحییٰ مدظلہ

بموجب یہاں کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی، نیز اراضی حرب ہونے کی وجہ سے یہاں کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی پہلے اگر عشری رہی بھی ہوں انگریزی دور کے انقلاب نے استیلا کفار کی وجہ سے اس کو غیر عشری بنا دیا، البتہ حضرت تھانوی رح نے اس میں کلام فرمایا ہے، لیکن ۱۹۴۷ء میں جو تغیر ہوا اور حکومت نے جس طرح اراضی ہند کو اپنے قبضہ و تصرف میں لیا جس کی وجہ سے اصل مالکان محروم کنگال ہو گئے۔ اور حکومت نے حسب منشاء جتنا چاہا اس کا معاوضہ دے دیا اور یہ معاوضہ بھی اس وجہ سے تھا کہ حکومت اس کی مالک بن گئی، اس صورت حال میں کفار کی ملک و استیلا، دونوں ہی شانیں باقی جاتی ہیں، اس لیے ملک کفار ثابت ہو جانے کی وجہ سے ہندوستان کی زمینیں اب نہ عشری ہیں نہ خراجی اور یہاں کی زمینوں پر نہ عشر واجب ہے نہ خراج واللہ اعلم۔

احتیاط کا تقاضا

البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ عشر کا ل ہی دینا چاہیے کیوں کہ اس میں نقصان کچھ نہیں اور صدقہ نفلی کا ثواب ملے گا۔ حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب رح فرماتے ہیں:

"زمین عشری و خراجی کے لیے جو اصول مقرر کیے گئے ہیں ان سے اشتباہ ہوتا ہے کہ بعض زمینوں میں عشر واجب ہو اس لیے اگر کوئی احتیاطاً ادا کر دے تو اولیٰ و افضل ہے خواہ اس کی یہ صورت کرے کہ جتنے صدقات نفلیہ ادا کرتا ہے سب میں عشر کی نیت کرے، اور اگر کوئی ادا نہ کرے تو اس کو تارک واجب بھی نہیں کہا جا سکتا۔" (۱)

اسی طرح مفتی عزیز الرحمن صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ اصولی حیثیت سے عشر کی ادائیگی واجب نہیں لیکن احوط یہ ہے کہ عشر دینا چاہیے۔ (۲)

شبہات کے جوابات

احقر کی رائے کے مطابق شرعی دلائل کی روشنی میں ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی اور جن دلائل سے وجوب عشر و خراج کا شبہ ہوتا ہے جن کا سہارا لے کر بعض اہل علم وجوب عشر و خراج کے قائل ہوئے ہیں ان کی تحقیق آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱) امداد المفتیین فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۲ (۲) ایضاً ص ۹۹

زمین کا وظیفہ ہر حال میں عشر یا خراج متعین نہیں

بعض اہل علم حضرات فرماتے ہیں کہ زمین کا وظیفہ عشر یا خراج ہر دو میں متعین ہے یعنی ایسا ممکن نہیں کہ کسی زمین میں نہ عشر ہو نہ خراج بلکہ عشر و خراج میں سے ایک تو ضرور ہی ہوگا۔[1]

لان الاراضی لا تخلوا عن مؤنة اما العشر واما الخراج ۔[2]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ عشر و خراج میں اس طرح کا تلازم کہ ایک کے معدوم ہونے سے دوسرا وظیفہ ضرور مقرر ہو جائے صحیح نہیں کیوں کہ عشر یا خراج ہر ایک کے کچھ شرائط ہیں اگر پائے جائیں گے تو وظیفہ بھی مقرر ہوگا ورنہ نہیں البتہ وظیفہ جو ہوگا وہ یا تو عشر ہوگا یا خراج ——— بلکہ احناف کے نزدیک تو دونوں میں اس معنی کر منافات یعنی تباین کی نسبت ہے کہ دونوں ایک ساتھ جمع تو نہیں ہو سکتے کہ بیک وقت ارض واحد میں عشر بھی ہو اور خراج بھی۔[3] البتہ ممکن ہے کہ دونوں نہ ہوں نہ عشر نہ خراج، چنانچہ بعض صورتوں کے متعلق فقہاء نے تحریر بھی فرمایا ہے:

هذا نوع ثالث لا عشرية ولا خراجية ۔[4]

اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ زمین میں عشر و خراج میں سے ایک ضرور ہی ہوگا اور کوئی زمین اس سے خالی نہیں، اور جن فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ اراضی مؤنت سے خالی نہیں یا تو ان میں عشر ہوگا یا خراج[5] ——— یہ حکم بھی دار الکفر کے لیے نہیں بلکہ دار الاسلام کے لیے ہے۔ چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے واضح الفاظ میں اس کی تصریح فرمائی ہے:

[6] الأراضي النامية لا تخلوا من وظيفة في دار الإسلام، الوظيفة إما الخراج أو العشر۔

یعنی دار الاسلام میں اراضی نامیہ وظیفے سے خالی نہ رہیں گی اور وظیفہ یا تو عشر ہوگا یا خراج۔

---

(۱) کفایۃ المفتی فتوی مولانا جمیل الرحمٰن (۲) بدائع الصنائع ۲/۵۷

(۳) و بينهما تناف من وجه فان الخراج يجب في ارض فتحت عنوة وقهرا والعشر في ارض أسلم أهلها طوعا والوصفان لا يجتمعان في ارض واحدة ۔ عمدة الرعاية ۲/۲۲۱ حاشیہ شرح وقایہ۔

(۴) شامی و ملتقی الابحر ۱/۶۴۳ (۵) بدائع ۲/۵۷ (۶) مبسوط سرخسی ۳/۳

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ غیر دارالاسلام میں نہ عشر ہوگا نہ خراج۔ ومفاهيم الكتب حجة۔ [۱]

اور وجہ اس کی یہی ہے کہ اراضی غیر دارالاسلام میں اقتدار و تسلط غیر مسلم کا ہوتا ہے گو زمینیں مسلمانوں ہی کی زیر ملک ہوں، کیوں کہ ایسی زمینوں پر نہ عشر کی تعریف صادق آتی ہے نہ خراج کی۔

اراضی دارالحرب میں تخصیص کی کوئی وجہ نہیں

فقہاء کی تصریح کے مطابق اراضی حرب نہ تو عشری ہیں نہ خراجی، یہ تو سب کو مسلم ہے اس کی صحت میں کسی کو کلام نہیں البتہ اس قسم کی عبارتوں میں بعض حضرات نے مختلف توجیہات و تاویلات کی ہیں، بعض اہل علم حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس دارالحرب کے لیے ہے جو اصل سے دارالحرب ہو اور جس دارالحرب میں ایک مدت تک مسلمان فاتح قابض رہے ہوں اور اب تک مسلمانوں کی املاک ان کے قبضے میں ہوں ایسے دارالحرب کا یہ حکم نہیں ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں اور فقہاء کی عبارات اس کی مؤید نہیں اور ان میں تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ عبارات فقہاء عام ہیں ان کو عام ہی رکھنا چاہیے، ورنہ فقہاء کی تخصیص بھی صراحۃً یا اشارۃً اسی مقام میں یا دوسرے مقام میں ضرور فرماتے۔

ظاہر تو یہی ہے کہ فقہاء کا یہ فرمان دارالحرب کے مسلمان باشندوں ہی کے لیے ہے کہ ان کی مملوکہ زمینیں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی، کیوں کہ اراضی کفار کے متعلق یہ حکم بیان کرنے کی کیا ضرورت کہ ان کی زمینیں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی، کیوں کہ وہ تو فروع کے مکلف ہی نہیں۔

حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب یہی تحریر فرماتے ہیں کہ اراضی مسلمین سے مراد وہ اراضی ہیں جو اسلامی حکومت و اقتدار میں داخل ہوں خواہ ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو۔ [۲]

اسی طرح اراضی غیر مسلمین سے مراد وہ اراضی ہوں گی جو غیر اسلامی حکومت و اقتدار میں داخل ہوں، خواہ ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) رسم المفتی /۹۲ (۲) جواهر الفقه ۲/۲۶۶

(۳) جواهر الفقه ۲/۲۶۶

حقیقت یہ ہے کہ زمین کے عشری ہونے سے صرف نظر کر کے صرف یہ کہنا کہ چونکہ دارالحرب میں مسلمان ہی زمین کا مالک ہوتا ہے، حتیٰ کہ ابو یوسف رح کے قول کے مطابق اس کا دار اور ارض مال غنیمت نہ بنے گا، لہٰذا ایسی زمین پر عشر واجب ہوگا، سمجھ میں نہیں آتا۔

دونوں مسئلے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ کسی مسلمان کے مال غنیمت ہونے نہ ہونے کا مسئلہ علیحدہ ہے، عشر و خراج کے وجوب کا اس سے کوئی تعلق نہیں (اور نہ ہی امام ابو یوسف رح نے عشر و خراج کے مسئلہ کو اس مسئلہ سے مربوط فرمایا ہے) یہ تو محض دوسرے حضرات کا قیاس ہے حالانکہ وجوب عشر کا مدار تو زمین کے عشری و خراجی ہونے پر ہے اور قاضی ابو یوسف رح کے قول کے مطابق بھی محض مسلمان کے لیے ملک ارض تسلیم کر لینے سے اس زمین کا عشری ہونا لازم نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔

رہ گیا مال تجارت وغیرہ میں وجوب زکوٰۃ کا حکم سو یہ اس وجہ سے ہے کہ اس کے شرائط پائے جاتے ہیں اگر اس کے بھی شرائط وجوب نہ پائے جائیں تو اس کا بھی وجوب نہ ہوگا اور وجوب عشر کے اگر شرائط پائے جائیں تو عشر واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ دونوں کے شرائط علیحدہ علیحدہ ہیں، اور شرائط ہی پر مدار وجوب ہے، شرائط سے قطع نظر ایک کو دوسرے کی نظیر بنانا درست نہیں۔ واللہ اعلم۔

کتاب الخراج کی ایک عبارت سے اشتباہ

اس سلسلے میں قاضی ابو یوسف رح کی ایک عبارت بھی پیش کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب کے باشندوں میں کوئی قوم یا اہل شہر اسلام قبول کر لیں تو ان کی جان و مال محفوظ اور ان کی مملوکہ زمین عشری ہوگی۔ اور وہ عبارت یہ ہے:

قال ابو یوسف رح وسألت یا امیر المؤمنین عن قوم من أهل الحرب أسلموا على أنفسهم وأراضيهم ما الحكم في ذلك؟ فان دماءهم حرام وما اسلموا عليه من اموالهم فلهم وكذلك ارضوهم لهم وهى ارض عشرية بمنزلة المدينة حيث اسلم اهلها مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت ارضهم ارض عشر وكذلك الطائف والبحرين

---

(۱) وأما شرائط المحلية فانواع منها ان تكون الأرض عشرية - بدائع ۲/۵۹

وکذلک اهل البادیة إذا اسلموا اقلهم ما اسلموا علیه وهو فی ایدیهم وارضهم

ارض عشر۔ (۱)

اس عبارت کے پیش نظر بعض محققین نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب میں بسنے والے مسلمانوں کی مملوکہ زمین عشری ہوں گی کیوں کہ جب حربیوں کے اسلام لے آنے سے ان کی زمین عشری ہو جاتی ہے تو دارالحرب کے وہ مسلمان جو اصالۃً دارالحرب ہی کے باشندے ہوں ان کی مملوکہ زمین بدرجہ اولیٰ عشری ہوگی۔ یہ استدلال ہے بعض اہل علم حضرات کا۔ (۲)

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ استدلال بھی ناکافی ہے، جس کے وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اولاً تو یہ استدلال ہی محل نظر ہے کیوں کہ مستدلین حضرات اس عبارت سے دارالحرب میں مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں کے عشری ہونے کا استدلال کر رہے ہیں اور یہ عبارت عام ہے جس سے بغیر کسی تفصیل کے مسلمانوں کی تمام زمینوں کا عشری ہونا لازم آتا ہے حالاں کہ خود مستدلین حضرات ہی اس کے قائل نہیں اور متعدد صورتوں میں دارالحرب میں مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں کے غیر عشری ہونے کے قائل ہیں، مثلاً وہ زمین جو حکومت یا کسی کافر کے زیر ملک آچکی ہو اس کو غیر عشری قرار دیتے ہیں، حالاں کہ اس عبارت کے پیش نظر مطلقاً مسلمانوں کی تمام زمینوں کو عشری ہونا چاہیے۔ اصل مسئلہ سے اس عبارت سے استدلال و انطباق ناقص ہے۔

(۲) ثانیاً اس عبارت کا وہ مطلب بھی نہیں جو سمجھا جا رہا ہے کہ ہر صورت میں دارالحرب میں اسلام قبول کرنے والے شخص کی مملوکہ زمین عشری ہوگی، بلکہ عبارت خاص صورت سے متعلق ہے جیسا کہ خود عبارت نیز دوسری عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

عبارت کا مطلب تو یہ ہے کہ اہل حرب کے شہروں، بستیوں میں سے کوئی شہر یا بستی یا کوئی قوم اسلام کرلے تو اس شہر و قوم پر دارالاسلام کے احکام نافذ ہوں گے اور وہ شہر دارالاسلام اور اس کے باشندے دارالاسلام کے باشندے ہو جائیں گے چنانچہ اسی عبارت میں بطور مثال و نظیر کے اہل مدینہ کے اسلام لانے کو پیش کیا گیا ہے کہ جوں کہ وہ از خود اسلام لے آئے تھے اس لیے ان کی زمینیں عشری ہوں گی

---

(۱) کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف ۶۳/ (۲) ۱۳۲۶/ اعلاء السنن وغیرہ

اور وجہ اس کی یہی ہے کہ مدینہ اب دارالاسلام بن گیا اس میں دارالاسلام کے احکام نافذ ہو چکے ہیں۔

اور یہاں جو صورت زیر بحث ہے وہ اس سے مختلف ہے یہاں کے مسلمان تو اصلاً دارالحرب کے باشندے ہیں یعنی ان کے مسلمان ہونے یا ان کے اسلام قبول کر لینے سے دارالحرب دارالاسلام نہیں بن گیا، بلکہ دارالحرب ہی ہے اور اہل حرب ہی کا اس پر پورا تسلط ہے۔ فافترقا۔ اس لیے اس عبارت سے یہ سمجھ کر دارالحرب میں اسلام قبول کرنے والوں یا اہل مسلمان باشندوں کی زمینیں عشری ہیں درست نہیں۔

(۳) کیوں کہ یہ اور اس قسم کی فقہاء کی دوسری عبارتوں سے اصل مقصود بتلانا یہ ہے کہ غلبہ اسلام وظہور مسلمین وامام کے قبل کوئی قوم اگر از خود اسلام لے آئے تو غلبہ اسلام و فتح امام کے بعد وہ مسلمان آزاد رہیں گے اور ان کی مملوکہ زمین عشری ہوگی، اور اگر غلبہ اسلام کے قبل اسلام نہ لائیں تو حسب قاعدہ ان کی زمین خراجی ہوگی اور وہ حربی شہر اور اس کے باشندے دارالاسلام کے ماتحت ہو جائیں گے چنانچہ فتاوی تاتارخانیہ وغیرہ کی عبارات میں صاف طور پر اس کی تصریح موجود ہے جو یہ ہے۔

واذا اسلم اھل مدینۃ من مدائن اھل الحرب قبل ظھور المسلمین علیھم کانوا احرارا ویوضع علی اراضیھم العشر دون الخراج وکذالک ان صاروا ذمۃ قبل الظھور علیھم۔ (۱)

ما قبل میں جو کچھ عرض کیا گیا علامہ کاسانی کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ عشری زمین کا معیار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۔۔۔۔ والارض التی اسلم علیھا اھلھا طوعاً۔ (۲)

یعنی عشری زمین وہ بھی ہے جس کے باشندوں نے طوعاً یعنی از خود اسلام قبول کر لیا ہو۔

لفظ طوعاً سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام لا کر وہ دارالاسلام کے تابع ہو گئے ہوں، قہر و جبر کو اس میں دخل نہ ہو ورنہ مقہور ہونے کی صورت میں ان کی زمین خراجی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

الغرض کتاب الخراج کی قاضی ابو یوسفؒ کی اس عبارت سے یہ استدلال وانطباق درست نہیں کہ دارالحرب میں اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کی مملوکہ زمین عشری ہوگی کیوں کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ

---

(۱) فتاوی تاتارخانیہ ۳۱۹/۳ (۲) بدائع ۲/۵۹

اسلام لانے والے شہر دارالاسلام بن گئے ہوں جیسا کہ اہل مدینہ کا حال تھا، یا پھر (دارالحرب سے آزاد ہوکر) دارالاسلام کے تابع ہو گئے ہوں جیسا کہ طائف وغیرہ کا حال تھا اور موجودہ حالات میں ہندوستان کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے کیوں کہ یہاں مسلمانوں کے اصلی باشندے ہونے کے باوجود یہ دار نہ تو دارالاسلام ہے نہ کسی دارالاسلام کے تابع، اس لیے اس عبارت سے اس صورت حال کا کوئی تعلق نہیں۔ واللہ اعلم۔

(۳) بالفرض والتقدیر اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو دوسری کتابوں مبسوط، سیر کبیر وغیرہ کی تصریحات اس کے خلاف ہیں جن میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اراضی حرب نہ عشری ہیں نہ خراجی اور عشر و خراج کا وظیفہ دارالاسلام سے متعلق ہے۔ (۱)

مبسوط وغیرہ کی یہ عبارتیں عام ہیں جن سے مطلقاً اراضی حرب کا غیر عشری غیر خراجی ہونا (۲) ثابت ہوتا ہے اور اس کے برخلاف کتاب الخراج کی ایک عبارت ہے جس کا مقتضی (بعض حضرات کے نزدیک) یہ ہے کہ دارالحرب میں مسلمانوں کی زمینیں عشری ہوں گی۔

تعارض کی صورت میں ظاہر ہے کہ اصول کے پیش نظر مبسوط، سیر کبیر کو کتاب الخراج پر ترجیح ہوگی کیونکہ اول مسائل اصول میں سے ہے اور ثانی نوادر میں سے اور تعارض کی صورت میں مسائل اصول کو ترجیح ہوگی۔ صرح به الفقهاء۔ (۱)

---

(۱) الاراضی النامیة لا تخلوا من وظیفة فی دارنا۔ مبسوط ۳/۶۔ لان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وهذه اراضی اهل الحرب لیست بعشریة ولا خراجیة۔ شرح سیر کبیر ۴/۲۴۳

حقيقة العشر والخراج

والفرق بين الأراضي العشرية والخراجية

از: مولانا عبد الله جرلم، جامعة دار السلام، عمر آباد

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين أما بعد :

فهذا جواب عن حقيقة العشر والخراج والفرق بين الأراضي العشرية والخراجية، فأقول وبالله التوفيق :

العشر في اللغة : هو جزء من عشرة أجزاء . (١)

وفي الاصطلاح : يطلق على ما يجب على المسلم من زكاة في الخارج من أرضه وهو مأخوذ من قول النبي صلى الله عليه وسلم فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر (٢)

والخراج في اللغة : المنفعة ومنه قول النبي صلى الله عليه وسلم الخراج بالضمان (٣).

---

(١) انظر المصباح المنير ٤١٠ .

(٢) أخرجه البخاري في الزكاة باب العشر فيما يسقي من ماء السماء و بالماء الجاري .

(٣) أخرجه ابو داؤد في البيوع فيمن يشتري عبدا فاستعمله ثم وجد به عيبا، والترمذي في البيوع باب فيمن يشتري العبد ويشتغله ثم يجد فيه عيبا، والنسائي في البيوع باب الخراج بالضمان وابن ماجة في التجارات باب الخراج والضمان .

الاسلام او القتال من عبدة الأوثان من العرب فأرضهم ارض عشر وان ظهر عليها الامام لان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد ظهر على ارضين من ارض العرب وتركها فهي ارض عشر حتى الساعة وايما دار من دور الاعاجم قد ظهر عليها الامام وتركها في ايدي اهلها فهي ارض خراج وان قسمها بين الذين غنموها فهي ارض عشر ، الا ترى ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه ظهر على ارض الاعاجم وتركها في أيديهم فهي ارض خراج وكل ارض من اراضي الاعاجم صالح عليها اهلها وصاروا ذمة فهي ارض خراج . (١)

وقال صاحب الاقناع ان الصلح على نوعين ، احدهما ان يصالحهم على ان الارض لنا ونقرها معهم بالخراج فهذه الارض تصير وقفا بنفس ملكنا لها ويكون الخراج اجرة لا يسقط باسلامهم ويؤخذ منهم وممن انتقلت اليه من مسلم ومعاهد .

الضرب الثاني : ان يصالحهم على انها لهم ولنا الخراج عنها فهذه ملك لهم خراجها كالجزية (التي تؤخذ على رؤوسهم) ان اسلموا سقط عنهم كما لو انتقلت الى مسلم . (٢)

اجتماع العشر والخراج في ارض واحدة

واذا علمنا الفرق بين الاراضي العشرية والخراجية فهل يمكن اجتماع العشر والخراج في ارض واحدة ؟ اختلف فيه العلماء الى قولين :

فمنهم من ذهب الى انهما يجتمعان وذلك اذا اسلم صاحب الارض الخراجية او اشتراها مسلم .

قال ابن المنذر : وهو قول اكثر العلماء ، وممن قال به عمر بن عبد العزيز وربيعة والزهري ويحيى الانصاري والاوزاعي والثوري واليه ذهب من الائمة الاربعة مالك والشافعي واحمد . (٣)

ومنهم من ذهب الى انهما لا يجتمعان واليه ذهب الامام ابو حنيفة واصحابه[٤] والليث ابن سعد

---

(١) كتاب الخراج / ٨٢ (٢) كشاف القناع ج٣ / ٨٨ - ٨٩ (٣) انظر المجموع ٥/٣٩٥ و المغني ٢/٧٤٠

(٤) انظر بدائع الصنائع ٢/٥٧

والشعبي وعكرمة . (١)

أدلة القول الأول

استدل أصحاب القول الأول بالكتاب والسنة والمعقول:

١ ـــ أما الكتاب فقول الله تعالى "يا أيها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض". (٢)

٢ ـــ وأما السنة فقول النبي صلى الله عليه وسلم فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر. (٣)

وجه الاستدلال بهذه النصوص انها عامة تشمل الأرض الخراجية والعشرية من غير تفريق . (٤)

٣ ـــ وأما المعقول فأولا ان العشر والخراج حقان يجبان بسببين مختلفين لمستحقين فلم يمنع احدهما وجوب الآخر، كالكفارة والقيمة في الصيد الحرفي المملوك. (٥)

قال القرضاوي: وذلك ان سبب الخراج التمكن من الانتفاع وسبب العشر وجود الزرع كما ان العشر يتعلق بعين الخارج من الأرض والخراج يتعلق بالذمة، ومصرف العشر هم الاصناف الثمانية في آية (إنما الصدقات......الخ) ومصرف الخراج رواتب الجند والموظفين والمصالح العامة للدولة . (٦)

٣ ـــ وثانيا ان العشر وجب بالنص فلا يمنعه الخراج الواجب بالاجتهاد .

واستدل أصحاب القول الثاني بما يأتي:

١ ـــ عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لا يجتمع عشر وخراج في أرض مسلم. (١)

---

(١) انظر فقه الزكاة ٤١٣/١ ، والأموال /١٠٧ ، والمصنف لابن ابي شيبة ٢٠/٣

(٢) البقرة : ٢٦٧ (٣) سبق تخريجه .

(٤) انظر المغني ٧٢٩/٢ ، المجموع ٥٤٩/٥ ، فقه السنة ٣٥٦/١ ، فقه الزكاة ٤١٤/١

(٥) انظر المرجع السابق . (٦) المجموع ج٥، انظر بدائع الصنائع ٥٧/٢

لكن قال النووي عن هذا الحديث انه حديث باطل مجمع على ضعفه انفرد به يحيى بن عنبسة عن ابي حنيفة عن حماد عن ابراهيم النخعي عن علقمة عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم قال البيهقي رحمه الله في معرفة السنن والآثار هذا المذكور انما يرويه ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم من قوله فرواه يحيى بن عنبسة هكذا مرفوعاً ويحيى بن عنبسة مكشوف الامر في الضعف لروايته عن الثقات الموضوعات قاله ابو احمد بن عدي الحافظ فيما اخبرنا به ابو سعيد الماليني عنه . (١)

ج ـــ عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم منعت العراق درهمها وقفيزها ومنعت الشام دينارها ومُدْيَها ومنعت مصر دينارها وإردبها وعدتم كما بدأتم قالها ثلاث مرات شهد بذلك لحم ابي هريرة ودمه . (٢)

وجه الاستدلال :

انه صلى الله عليه وسلم اخبر عما يكون في آخر الزمان من منع الحقوق الواجبة وبين تلك الحقوق بما ذكر في الحديث وهو عبارة عن الخراج المضروب عليهم من الدرهم والقفيز لا العشر فلو كان العشر واجبا معه لاقترن به في الاخبار . (٣)

ونوقش بانه ليس في الحديث دلالة على عدم اخذ الزكاة من الارض الخراجية فقد قال النووي فيه تأويلان مشهوران في كتب العلماء المتقدمين والمتأخرين، احدهما انهم سيسلمون وتسقط عنهم الجزية .

والثاني : انه اشارة الى الفتن الكائنة في آخر الزمان، حتى يمنعوا الحقوق الواجبة عليهم من زكاة وجزية وغيرها ولو كان معنى الحديث ما للزم ان لا تجب زكاة الدرهم والدنانير والتجارة وهذا لا يقول به احد . (٤)

د ـــ قال عمر بن الخطاب في دهقانة نهر الملك حين اسلمت دعوها في ارضها تؤدي عنها الخراج . (٥)

---

(١) المجموع ٥/٥٠٤ (٢) رواه ابو عبيد في الاموال /٨٥ ومسلم في كتاب الفتن حديث ٣٣

(٣) انظر فقه الزكاة ١/٣٤٤ (٤) المجموع ٥/٥٠٤ (٥) الاموال لابي عبيد /٨٩

وجه الاستدلال :

ان عمر بن الخطاب امر باخذ الخراج ولم يامر باخذ العشر ولو كان واجبا لامر به . (١)

واجيب بانه امر باخذ الخراج مشبها لانهما اخرته فلا يسقط باسلامها ولا يلزم من ذلك سقوط العشر وانما ذكر الخراج لانهم ربما توهموا سقوطه بالاسلام كالجزية واما العشر فمعلوم لهم وجوبه على كل حر مسلم فلم يحتج الى ذكره كما انه لم يذكر اخذ زكاة الماشية منها وكذا زكاة النقد وغيرها . (٢)

٤ ــــ ان احدا من ائمة العدل وولاة الجور لم ياخذ من ارض السواد عشرا الى يومنا هذا فالقول بوجوب العشر فيها يخالف الاجماع فيكون باطلا . (٣)

ونوقش بان دعوى الاجماع منقوضة بما نقل عن عمر بن عبد العزيز انه اخذ العشر والخراج معا، فقد روى عن يحيى بن آدم عن عمرو بن ميمون بن مهران قال سألت عمر ابن عبد العزيز عن المسلم يكون له الخراج قال خذ الخراج من ههنا واشار بيده الى الارض وخذ الزكاة من ههنا واشار بيده الى الزرع قال شريك لعل عمر لا يكون قال هذا حتى سأل عنه او بلغه فيه فانه كان ممن يقتدى به . (٤)

وروى ابو عبيد عن ابراهيم بن عبلة قال كتب عمر بن عبد العزيز الى عبد الله ابن عوف عامله على فلسطين فيمن كان في يده ارض يحرثها من المسلمين ان يقبض منها جزيتها ثم ياخذ منها زكاة ما بقي بعد الجزية قال ابن ابي عبلة انا ابتليت بذلك ومني اخذ واذلك . (٥)

اما القول بان عمر والصحابة رضي الله عنهم لم ياخذوا العشر مع الخراج فلأن أرض الخراج في عصرهم كانت في ايدي الكفار فان ادعى انهم لم ياخذوا العشر ممن اسلم فهذه دعوى لا دليل عليها . (٦)

---

(١) فقه الزكاة ٤١٣/١ (٢) المجموع ٥٥٦/٥ (٣) بدائع الصنائع ٥٧/٢ (٤) الخراج ليحيى بن آدم /١٦٥ نقلا عن فقه الزكاة ٤١٦/١ (٥) انظر المغني ٧٢٢/٢ (٦) فقه الزكاة ٤١٦/١

٥ ـــــ ان سبب وجوبهما واحد وهو الأرض النامية فلا يجتمعان في أرض واحدة كما لا يجتمع زكاتان في مال واحد وهي زكاة السائمة والتجارة والدليل على ان سبب وجوبهما الأرض النامية انهما يضافان الى الأرض يقال خراج الأرض وعشر الأرض والاضافة تدل على السببية فتثبت ان سبب الوجوب فيهما هو الأرض النامية . (١)

واجيب بأن الأمر ليس كذلك لأن العشر يجب في نفس الزرع والخراج يجب عن الأرض . (٢)

والذي يدل ذلك ان مقدار العشر يختلف بكثرة الغلة وقلتها بخلاف الخراج فانه لا يختلف بذلك .

٦ ـــــ ان الخراج ينافي العشر فان الخراج وجب عقوبة بينما العشر وجب عبادة ولا يمكن اجتماعهما في شخص واحد فيجبا عليه معا . (٣)

واجيب بأن الخراج لم يجب عقوبة وانما هو اجرة الأرض ولو كان عقوبة لما وجب على المسلم كالجزية . (٤)

قال القرضاوي : ومما يشهد لذلك ان الدول الحديثة تفرض على مواطنيها ضريبة تسمى "ضريبة الأملاك العقارية" وهي عندما لا تقصد بذلك عقوبتهم بل اسهامهم في نفقات الدولة واذن لا سبيل للقول بان بينهما تنافيا ان كان الخراج اجرة الأرض والعشر زكاة الزرع ولا تنافي بينهما كما اوضحنا فيما سبق . (٥)

الراجح : ويتضح بالنظر الى الأدلة ومناقشتها ان ما ذهب اليه الجمهور هو الراجح .

واذا قلنا ان العشر والخراج يجتمعان في أرض واحدة فيجب على المسلم في الهند ان يزكي فيما يخرج من ارضه اذا بلغ نصابا سواء تعين كون الأرض خراجية او عشرية ام لم يتعين .

وما تفرضه الحكومة على الأرض من مكس لا يكون مانعا من وجوب الزكاة هذا ما عندي والله اعلم بالصواب .

---

(١) بدائع الصنائع ٢/٥٧ (٢) المجموع ٥/٥٥٨ والمغني ٢/٧٢٦ (٣) فقه السنة ٣٥٧/١ وفقه الزكاة ٤١٦/١

(٤) المغني ٢/٧٢٦ (٥) فقه الزكاة ٤١٧/١

اسلام کا نظام عشر و خراج

از : ـــــــ مولانا سید مصلح الدین احمد بڑودوی القاسمی، دارالعلوم

بڑودہ، گجرات

حامداً و مصلیاً و مسلماً :

عشر اور خراج شریعت اسلامیہ کے دو اصطلاحی لفظ ہیں، ان دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں ہے۔

فرق یہ ہے کہ عشر کی حیثیت صرف ٹیکس کی نہیں بلکہ اس میں عبادت کا بھی پہلو ہے اسی لیے اس کو زکوٰۃ الارض کہا جاتا ہے اور خراج میں عبادت کا کوئی پہلو نہیں وہ خالص ٹیکس ہے، بنا بریں عشر مسلمانوں کی زمینوں کے ساتھ مخصوص ہے اور عملی فرق یہ ہے کہ عشر تو زمین کی پیداوار پر ہے اگر پیداوار نہ ہو خواہ اس کا سبب مالک زمین کی غفلت وکوتاہی ہو کر اس نے قابل کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا، کاشت نہیں کی، اس صورت میں بھی اس پر عشر واجب نہ ہوگا کیوں کہ عشر پیداوار ہی کے ایک حصہ کا نام ہے۔

بہ خلاف خراج کے کہ وہ قابل کاشت زمین پر عائد ہے چنانچہ اگر مالک نے غفلت برت کر قابل کاشت زمین میں کاشت نہ کی تو خراج اس حالت میں اس پر واجب ہوگا مطلقاً اس سے خراج موظف ہے یعنی جس زمین پر کچھ نقد رقم بطور خراج کے عائد کردی گئی ہے وہ اس صورت میں معاف نہ ہوگی بلکہ واجب الادا ہوگی۔ خراج کی دوسری قسم جس کو "خراج مقاسمہ" کہتے ہیں وہ اس صورت میں معاف ہو جائے گا کیوں کہ بٹائی تو پیداوار کا حصہ ہے پیداوار نہیں تو بٹائی بھی نہیں۔

قال فی البدائع اما سبب فرضیته (ای العشر) فالارض النامیة بالخارج حقیقة و سبب وجوب الخراج الارض النامیة بالخارج حقیقة او تقدیرا حتی لو اصاب الخارج آفة فهلك لا یجب فیه العشر ولا الخراج فی الارض الخراجیة لفوت النماء حقیقة او تقدیرا ولو کانت الارض عشریة فتمکن من زراعتها فلم یزرع لا یجب العشر لعدم الخارج حقیقة ۔(۱)

البتہ زمین کا قابل کاشت ہونا خراج میں بھی شرط ہے۔ بنجر زمین جس میں کاشت کی صلاحیت نہ ہو یا وہ زمین پانی سے اتنی دور ہو کہ پانی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اور بارش پیداوار کی مقدار کے مطابق نہیں ہوتی تو ایسی زمین میں خراج بھی واجب نہیں ہے۔

ولو کانت ارض خراج نزه او غلب علیه الماء بحیث لا یستطاع فیها الزراعة او سبخة لا یصل الیها الماء فلا خراج فیه لعدم الخارج حقیقة أو تقدیرا۔ (۲)

لفظ عشر کا مصداق

لفظ عشر کے معنی اصل دسواں حصہ، مگر حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تفصیل واجبات عشریہ کی بیان فرمائی ہے اس میں عشری زمینوں کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں، ایک میں پیداوار کا دسواں حصہ عشر واجب الادا ہے اور دوسری میں بیسواں حصہ نصف عشر واجب الادا ہوتا ہے۔ لیکن فقہاء کرام کی اصطلاح میں ان دونوں قسموں پر عائد شدہ زکوٰۃ کو عشر ہی کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ زمین کے واجبات دو قسم پر ہیں: عشر اور خراج۔ ان دونوں کے احکام میں فرق ہے، منجملہ ایک فرق یہ بھی ہے کہ عشر مسلمانوں پر واجب ہوتا ہے اور خراج غیر مسلموں پر۔

اور اصول یہ ہے کہ جو وظیفہ عشر یا خراج کسی زمین پر ابتداءً عائد ہو گیا پھر وہ وظیفہ مالک

(۱، ۲) بدائع الصنائع ج۲ ص۵۳

کی تبدیلی کی وجہ سے نہیں بدلے گا، اسی لیے اگر کوئی مسلم کسی کافر سے کوئی خراجی زمین خریدے گا تو اس پر خراج ہی واجب ہوگا، اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ اگر معاملہ برعکس ہو کہ مسلمان کی عشری زمین اگر کوئی غیر مسلم خریدے تو اس پر بھی عشر واجب رہے، لیکن چوں کہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور کوئی غیر مسلم عبادت شرعیہ کا اہل نہیں اس لیے جمہور کے قول کے مطابق عشری زمین جب کسی غیر مسلم کی ملکیت میں منتقل ہو جائے تو پھر اس کا وظیفہ عشر نہیں بلکہ خراج ہو جائے گا۔

قال فی البدائع: من باب العشر ولو اشتری مسلم من ذمی ارضا خراجیة فعلیه الخراج ولاتنقلب عشریة. لان الاصل أنه مؤنة الارض وهی لاتتغیر بتغیر المالك الا لضرورة وفی حق الذمی اذا اشتری من مسلم ارض عشر فلاضرورة لان الكافر لیس من اهل وجوب العشر واما المسلم فمن اهل وجوب الخراج فی الجملة فلاضرورة الی التغییر بتبدل المالك۔[1]

زمینوں کے عشری اور خراجی قرار پانے کا شرعی ضابطہ و معیار

خراجی زمینیں: اس معاملہ میں اصل ضابطہ شرعی یہ ہے کہ اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدۂ صلح ہوا ہے اگر اس صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ اس ملک کے لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور زمینیں بدستور انہیں لوگوں کی ملکیت رہیں گی، جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا اور یہ زمینیں ہمیشہ کے لیے خراجی ہو جائیں گی کیوں کہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں ان کی زمینوں کے لیے حکم خراج متعین ہے، اسی طرح اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا مگر فتح کے بعد مسلمانوں کے خلیفہ یا بادشاہ نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت بدستور باقی رکھی تو یہ زمینیں بھی سب خراجی زمینیں ہوں گی جیسے شام و عراق و مصر کی زمینوں کے ساتھ حضرت فاروق اعظم رضؓ نے یہی معاملہ فرمایا، بجز خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دے گئے

---

[1] بدائع ج۲ ص۵۵

بیت المال کے لیے رکھے گئے۔

عشری زمینیں: اور اگر صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہوگئے تو ان کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت ہی رہیں گی اور ان پر عشر واجب ہوگا۔ اور یہ زمینیں عشری قرار دی جائیں گی، جیسے کہ مدینہ منورہ کی زمین کہ یہاں کے باشندوں نے مسلمان ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں تشریف آوری کی دعوت دی اور آپ کی اطاعت قبول کی اس لیے مدینہ طیبہ کی زمینیں عشری قرار دی گئیں۔

یا کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور امام المسلمین نے ان کی زمینیں مال غنیمت کے قانون سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر کے پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دیا تو جو زمینیں تقسیم ہو کر مجاہدین کی ملکیت میں آگئیں وہ سب عشری ہوں گی، جیسے خیبر کی زمینوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدوں میں تقسیم فرمایا اور ان پر عشر لازم کیا گیا۔

اور ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی کی ملک تھیں نہ قابل زراعت، بعد میں اسلامی امیر کی اجازت سے ان کو قابل کاشت بنایا گیا یا آبادیوں میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا قابل کاشت زمین بنا دیا گیا تو اگر ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی اور اگر مسلمانوں نے قابل کاشت بنایا ہے تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسف رح کے نزدیک قرب و جوار کی زمینوں پر ہوگا، وہ عشری ہیں تو ان کو بھی عشری قرار دیا جائے گا اور اگر قرب و جوار کی زمینیں خراجی ہیں تو ان کو بھی خراجی سمجھا جائے گا اور اگر قرب و جوار میں دونوں قسم کی زمینیں ہیں تو یہ نو آباد زمینیں عشری ہوں گی۔ اور مسلمان یا ذمی کافر نے اس زمین کو لگا ہے عشری پانی سے اور لگا ہے خراجی پانی سے سیراب کیا ہے تو مسلمان کی زمین سے عشر اور کافر کی زمین سے خراج وصول کیا جائے گا۔

اور امام محمد رح کے نزدیک مدار اس پانی پر ہوگا کہ جس پانی سے اس کو سیراب کیا گیا ہے، وہ پانی عشری ہے تو وہ زمینیں عشری کہلائیں گی اور اگر وہ پانی خراجی ہے تو وہ زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں گی۔ علامہ شامی نے امام ابو یوسف رح کے قول کو معتمد قرار دیا ہے۔

الارض نوعان عشرية وخراجية. فالعشرية فهي التي يجب فيها

العشر الذي فيه معنى العبادة وتشتمل على ما يأتي:

وأما الخراجية ، فهي التي يجب فيها الخراج وأصلها في الأصل أرض الكفار وهي الأراضي التي فتحت عنوة وقهراً فمن الإمام على أهلها وتركها في يد أربابها بعد أن وضع على أشخاصهم الجزية إذا لم يسلموا وعلى أراضيهم الخراج أسلموا أو لم يسلموا .(١)

وأما الأراضي الخراجية ، فسواد العراق كلها خراجية .

وكل أرض فتحت عنوة وقهراً وتركت على أيدي أربابها ومن عليهم الإمام فإنه يضع على أعناقهم إذا لم يسلموا والخراج على أراضيهم إذا أسلموا أو لم يسلموا .

وكذلك إذا أجلاهم ونقل إليها آخرين فالجواب كذلك .

والمسلم إذا أحيى أرضاً ميتة وهي تسقى بماء الخراج فهي خراجية .

وكذلك الذمي إذا أحيى أرضاً ميتة بإذن الإمام أو رضخ له أرضاً في الغنيمة إذا قاتل مع المسلمين .

وكذلك الذمي إذا اتخذ داره بستاناً فإنها تكون خراجية .

وأما الذمي إذا اشترى من مسلم أرض العشر فإنها تصير خراجية عند أبي حنيفة وقال أبو يوسف عليه عشران وقال محمد عليه عشر واحد .

والصحيح ما قاله أبو حنيفة لأن العشر والخراج شرعاً لمؤنة الأراضي فمن كان أهلاً لأداء العشر يوضع عليه العشر ومن لم يكن يوضع عليه الخراج فأما الذمي إذا اشترى أرض المسلم وهو ليس من أهل العشر يجب أن تنقلب خراجية والمسلم إذا اشترى من الذمي أرضاً خراجية لا تنقلب عشرية لأن المسلم من أهل وجوب الخراج في

---

(١) الفقه الإسلامي وأدلته ٨٢٦/٤

لمصلحة، والأصل أن ما سقته الأرض لا تخلو عن مؤنة إما العشر وإما الخراج ولا حق فيه

عشر ولا لأنه ليس من أهل وجوب العشر۔ (۱)

خراجی اور عشری پانی کی تشریح

بارش کا پانی اور کنوؤں اور چشموں کا پانی نیز بڑے بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور پر جاری ہیں اور ان کے جاری کرنے میں کسی کے عمل کو دخل ہے اور نہ وہ عادۃً کسی کی ملک ہوتے ہیں، جیسے عراق میں دجلہ اور فرات، مصر میں دریائے نیل، خراسان میں سیحون و جیحون اور ہمارے ہندوستان میں گنگا، جمنا اور دوسرے بڑے دریا وغیرہ (مگر بڑے دریاؤں کے پانی میں امام ابو یوسف رح کا اختلاف ہے ان کے نزدیک وہ بھی خراجی ہیں) یہ سب عشری پانی ہیں۔

اور وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت و خرچ سے نکالی ہیں اور عادۃً وہ نہریں نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں جیسے مذکورہ بالا دریاؤں سے نکلنے والی نہریں، نہر گنگا و جمنا وغیرہ چونکہ فتح اسلامی سے پہلے وہ غیر مسلموں کی ملک تھی اس لیے ان کا پانی خراجی پانی ہے۔

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا اصل ضابطہ یہی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تعامل اس پر شاہد عدل ہے۔ (۲)

ثم الماء العشري ماء السماء والآبار والعيون والبحار التي لا تدخل تحت ولاية أحد والماء الخراجي ماء الأنهار التي شقها الأعاجم وماء سيحون و جيحون ودجلة والفرات عشري عند محمد وخراجي عند أبي يوسف لأنه يتخذ عليها القناطر ويد عليها۔ (۳)

عشر و خراج کے مذکورہ ضابطے سے استثناء

البتہ بعض مواقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل یا صحابہ کرام رض کے اجماع کی بنا پر اس ضابطہ

---

(۱) تحفۃ الفقہاء ۳/۳۲۰-۳۲۱ (۲) بدائع الصنائع ۲/۵۵ (۳) ہدایہ مع فتح القدیر ۵/۲۹۹

ہے کسی قدر استثنائی صورتیں بھی عمل میں آئی ہیں ان کا ہمیشہ اسی طرح قائم رکھنا لازم اور ضروری ہے مثلاً مکہ معظمہ قہراً فتح ہوا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں فرمایا بلکہ سابق مالکان کی ملکیت میں برقرار رکھا، لہٰذا مذکورہ بالا ضابطہ کا تقاضہ تو یہ تھا کہ مکہ معظمہ کی زمینوں پر خراج عائد ہوتا وہ ہمیشہ کے لیے خراجی قرار پاتیں لیکن صاحب بدائع صنائع وغیرہ نے فرمایا ہے کہ اس معاملہ میں قیاس کو اس لیے ترک کیا گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احترام حرم کی وجہ سے اس کی زمینوں پر خراج عائد نہیں فرمایا، اس لیے مکہ معظمہ کی زمینیں عشری ہیں۔

وکان ینبغی فی القیاس أن تکون أرض مکۃ أرض خراج لأن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتحہا عنوۃ وقہراً ولکنہ لم یوظف علیہ الخراج لکما لا رق علی العرب لا خراج علی ارضہم (۱)

اسی طرح شہر بصرہ جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں آباد کیا گیا، یہ ارض موات یعنی غیر آباد زمین تھی، مسلمانوں نے اس کا احیا کیا اور قابل کاشت بنایا مگر بصرہ کا محل وقوع عراق کی خراجی زمینوں سے متصل ہے اس لیے امام ابو یوسف رحمہ کے قول پر ضابطہ مذکورہ کا مقتضی یہ تھا کہ اس کی زمینیں بھی خراجی قرار دی جاتیں مگر باجماع صحابہ کرامؓ اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا اس لیے یہ ہمیشہ کے لیے عشری ہیں۔

والبصرۃ احیاھا المسلمون لانہا بنیت فی أیام عمر وہی فی حیز ارض الخراج فقیاس قول أبی یوسف أن تکون خراجیۃ الخ۔ (۲)

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے میں عہد نبوی اور عہد صحابہ و تابعین کا تعامل

پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشری قرار دیا ہے اور خلفاء راشدین نیز ان کے بعد کے سلاطین اسلام وارباب اقتدار نے بھی اسی طرح برقرار رکھا ہے۔

چنانچہ علامہ شامی رحمہ نے بحوالہ تقویم البلدان نقل کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ خطے

---

(۱) مبسوط سرخسی ج ۲ (۲) رد المحتار ج ۳ ص ۱۶۲

شامل ہیں، تہامہ، نجد، حجاز، عروض، یمن۔ حجاز کی جنوبی جانب کا نام تہامہ ہے اور حجاز و عراق کے درمیانی حصہ کا نام نجد ہے اور حجاز وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شروع ہو کر حدود شام تک پہنچتا ہے اسی میں مدینہ منورہ اور شام کا ساحل عمان شامل ہے اور عروض یمامہ سے بحرین تک ہے یمن میں عدن بھی داخل ہے۔ (۱)

بعض علماء نے جزیرۃ العرب کا طول عدن سے عراق تک اور عرض ساحل جدہ سے ملک شام تک ایک نظم میں ضبط کیا ہے۔ (۲)

اسی طرح عراق کی کل زمینیں خراجی ہیں، حضرت فاروق اعظم رضؓ نے جب اس ملک کو فتح کیا تو تمام صحابہ کرام رضؓ کے سامنے اس کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا۔ عراق کی حدود طولاً عذیب علاقہ کوفہ سے عقبہ حلوان قریب بغداد تک اور عرضاً ثعلث شرقی دجلہ سے ساحل عبادان تک ہے۔ (۳)

اسی طرح مصر و شام کی زمینوں میں بھی جن پر مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم رکھی گئی، ان پر خراج عائد فرمایا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ بنی نجران سے ایک خاص قسم کے خراج پر صلح فرمائی، وہ یہ کہ دو ہزار جوڑے کپڑے کے سالانہ ادا کیا کریں۔ نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں اور یہی طریق بعد تک جاری رہا۔ (۴)

نصاریٰ بنی تغلب سے حضرت عمر فاروق رضؓ نے اس پر مصالحت فرمائی کہ اُن سے خراج کے بجائے دوگنا عشر وصول کیا جائے، مگر شرعی حیثیت سے یہ دوگنا عشر بھی بحکم خراج تھا اور مصارف خراج ہی میں صرف ہوتا تھا۔ (۵)

عشر و خراج کے بارے میں ہندوستان کی زمینوں کی شرعی حیثیت

تقسیم ملک سے پہلے یا بعد میں ہندوستان کی وہ زمینیں جو قدیم سے مسلمانوں کے مالکانہ

---

(۱) رد المحتار ۳/۲۶۹ (۲) شامی ۳/۲۵ (۳) فتح القدیر ۵/۲۸۰

(۴) بدائع صنائع ۲/۵۷ و ہدایہ مع فتح القدیر ۵/۲۸۰ (۵) بدائع و دیگر کتب

اسی طرح شمس الائمہ سرخسی رح نے شرح سیر کبیر میں ایک مسئلہ کی وضاحت کے ذیل میں لکھا ہے:

"لان العشر والخراج انما یجب فی ارض المسلمین وھذہ ارض اھل الحرب

لیست بعشریۃ ولا خراجیۃ۔

کیوں کہ عشر و خراج تو مسلمانوں کی زمین پر لازم ہوتا ہے اور یہ زمین اہل حرب کفار کی ہیں اور اہل حرب

کی زمینیں نہ عشری ہوتی ہیں نہ خراجی

حضرات فقہاء کی درج بالا عبارات سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ جب انگریز کے تسلط کے بعد ہندوستان کو دارالحرب قرار دے دیا گیا تو اب ہندوستان کی زمینیں سب کی سب خواہ وہ غیر مسلموں کی ملک ہوں یا مسلمانوں کی ملک ہوں وہ نہ عشری ہیں اور نہ خراجی۔ لہٰذا خود یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ دارالحرب کی زمینوں کے عشری اور خراجی دونوں سے خارج ہونے کا کیا مطلب ہے؟۔

غور کرنے سے شرح سیر کبیر کی عبارت ہی سے مسئلہ کی حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ مذکورہ بالا عبارت سے وہ دارالحرب مراد ہے جو اصلاً ہی سے دارالحرب ہے، اس پر نہ کبھی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور ہے، ایسے دارالحرب کی زمینیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہ ہوں گی بلکہ اہل حرب کفار کی ملکیت ہوں گی جو احکام شرعیہ فرعیہ کے مخاطب نہیں بنائے گئے، ایسے اصلی دارالحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔

شرح سیر کبیر کی درج ذیل عبارت اس کا واضح ثبوت ہے:

"لان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وھذہ ارض اھل حرب"

کیوں کہ عشر و خراج تو مسلمانوں کی زمینوں پر واجب ہوتا ہے اور یہ زمینیں اہل حرب کی

ملکیت ہیں۔

اس عبارت میں اراضی المسلمین سے مراد وہ زمینیں ہیں جو اسلامی حکومت و اقتدار میں داخل ہیں خواہ اس پر ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو کیوں کہ یہ بات اپنی جگہ متعین ہے کہ خراج ابتداءً کسی مسلمان کی ملکیت پر نہیں لگایا جا سکتا اس لیے اراضی المسلمین سے اراضی حکومت مسلمہ مراد ہونا واضح و متعین ہے۔

لیکن یہ بخوبی واضح ہے کہ یہ حکم ایسے ہی خطۂ ملک کے لیے ہو سکتا ہے جہاں ابتداء سے مسلمانوں کی کوئی ملکیت نہیں ہے۔ ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ تقریباً آٹھ سو برس

دارالاسلام رہا ہے، یہاں بے شمار مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے اب تک مالک چلے آتے ہیں، غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ ملک کو دارالحرب کہا جائے گا لیکن یہ دارالحرب اصلی دارالحرب سے مختلف ہوگا، جو دارالاسلام کے بعد پھر دارالحرب بن گیا کہ اس میں مسلمان کی املاک موجود ہیں۔

لہٰذا شامی اور شرح سیر کبیر کی مذکورہ بالا روایات اس پر منطبق نہیں، بلکہ جب یہاں مسلمانوں کی ملکیت میں زمینیں ہیں تو ان پر عشر و خراج کے احکام یقیناً جاری ہوں گے۔

علامہ شامی کی عبارت سے عشر یا خراج کے وجوب کی تائید

مصر و شام کی شاہی زمینوں کے "موت مالک بلا وارث" کی بنا پر بیت المال کی تحویل میں آجانے کے بعد اُن زمینوں میں سے کوئی زمین اراضی بیت المال کی جواز بیع کی شروط معتبرہ کو ملحوظ رکھ کر امام المسلمین نے کسی مسلمان کے ہاتھ فروخت کردی تو کیا اس خریدار پر اس زمین کا خراج یا عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

علامہ ابن نجیمؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس زمین میں نہ خراج واجب ہے اور نہ عشر۔ مگر علامہ ابن عابدین شامیؒ اس قول کی تردید میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"وجوب عشر کے سبب و شرائط کے تحقق نیز وجوب عشر کے کتاب و سنت و اجماع امت سے ثبوت اور وجوب عشر کے بارے میں قول فقہاء کے اطلاق کے پیش نظر اس کی خریدی ہوئی زمین پر خراج تو ساقط ہوجائے گا، مگر سقوط خراج کے سبب عشر ساقط نہیں ہوگا بلکہ واجب الاداء ہوگا، کیوں کہ ہر وہ زمین جس سے تحصیل آمدنی مقصود ہو، عشر و خراج دونوں سے خالی نہیں ہو سکتی"۔

اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی ملکیت میں جو زمینیں ہیں ان پر عشر یا خراج ضرور واجب ہوگا۔

ثم اعلم انه اذا باعها الامام بشرطه لم يجب على المشتري خراج لانه بعد أخذ الثمن لبيت المال ولا يمكن ان تكون المنفعة كلها له أو بعضها، ولان المسلم لا يجوز وضع الخراج عليه ابتداء وان جاز بقاء، ولان الساقط لا يعود كذا قاله ابن نجيم في التحفة المرضية وقال ايضا انه لا يجب فيه العشر

ايضا قال لانى لم أر نقلا فى ذلك قلت وفيه نظر لما علمت ان الشرط ملك الخارج لانه يجب فيه لافى الارض حتى وجب فى الخارج من ارض الصغير والمجنون والمكاتب والوقف ولان سببه الارض النامية بالخارج تحقيقاً ولا يلزم من سقوط الخراج المتعلق بالارض سقوط العشر المتعلق بالخارج والثمن المأخوذ لبيت المال وهو بدل الارض لا بدل الخارج على انه قد ينازع فى سقوط الخراج حيث كانت من ارض الخراج أو سقيت بمائه بدليل ان الغازى الذى اختط له الامام دارًا لا شئ عليه فيها فاذا جعلها بستانا وسقاها بماء العشر فعليه العشر او بماء الخراج فعليه الخراج كما يأتى فان وضع الخراج عليه ابتداءً بالتزامه جائز ولا يلزم من سقوطه حين صارت لبيت المال لعدم من يجب عليه ان لا يجب حين وجد التزام المشترى بسقيه ما اشتراه بماء الخراج لان ذلك بسبب حادث كمن أجر داره لرجل مدة ثم انقضت المدة فان اجرتها تسقط لعدم من تجب عليه فاذا آجرها آخر تجب الاجرة ثانيا وعلى فرض سقوط الخراج لا يسقط العشر فان الارض المعدة للاستغلال لا تخلو من احدى الوظيفتين لما ذكرنا من مسئلة الدار وحيث تحقق السبب والشرط مع قيام ما قدمناه من ثبوته بالكتاب والسنة والاجماع وهو دليل الوجوب الشامل للارض المذكورة ومع اطلاق قول الفقهاء يجب العشر فى مسقى سماء وسيح ونصفه ومسقى غرب ودالية فلا حاجة إلى نقل فى خصوص ذلك حيث تحقق ما ذكرنا فيه بل القول بعدم الوجوب يحتاج إلى نقل صريح ۔ (١)

عشر کی تعریف

عشر زمین کی زکوٰۃ ہے جیسے کہ سونے چاندی، مال تجارت، مویشی وغیرہ پر زکوٰۃ فرض

---

(١) رد المحتار ج ۲ ص ۵۳۔۵۵

ہے۔ سونے چاندی اور اموال تجارت پر چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکالنا فرض ہے جانوروں کی زکوٰۃ کا قانون جداگانہ ہے۔ اسی طرح زمین کی زکوٰۃ کا قانون ان سب سے مختلف ہے۔ بعض صورتوں میں پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ اور بعض صورتوں میں نصف عشر پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔ مگر ان دونوں کو فقہائے کرام کی اصطلاح میں بغرض سہولت عشر ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عشر کی فرضیت مع دلائل

زمین کی زکوٰۃ (عشر) کا فرض ہونا کتاب اللہ، سنت رسول اللہؐ اور اجماع امت سے ثابت ہے

وآتوا حقہ یوم حصادہ (قرآن کریم) ——— حضرت ابن عباس رضہ اللہ عنہ سے زکوٰۃ مفروضہ عشر یا نصف عشر مراد لیتے ہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض الخ (قرآن کریم)۔

اور زکوٰۃ پر نفقہ بولا جاتا ہے جیسے کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ۔ الخ

اور حدیث شریف میں ہے کہ

فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر ——— وفیما سقی بالسانیۃ نصف العشر۔ فیما سقت الانھار والغیم العشر وفیما سقی بالسانیۃ نصف العشر۔

اجماع : عشر کی فرضیت پر اجماع امت ہے۔

دلیل عقلی: عشر کی ادائیگی نعمت خداوندی کی شکر گذاری فقیر و محتاج کو فرض کی ادائیگی پر تقویت اور نفس کو معاصی اور رذائل سے پاک و صاف کرنے وغیرہ خوبیوں پر مشتمل ہے جو شرعاً و عقلاً مطلوب و لازم ہیں۔ (۱)

---

(۱) الفقہ الاسلامی ۲/۸۰۰

وجوب عشر کی شرائط

پہلی شرط : مسلمان ہونا ہے کیوں کہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور کافر چوں کہ عبادت کا اہل نہیں اسی بنا پر اگر کسی مسلمان کی کوئی عشری زمین کافر خرید لے تو اس زمین پر عشر کے بجائے خراج عائد کر دیا جاتا ہے کیوں کہ عشر ایک اسلامی عبادت ہے اور کافر اس کا اہل نہیں اس لیے بہ مجبوری اس زمین کا وظیفہ بدلا گیا ورنہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ ابتداء میں زمین کا جو وظیفہ مقرر ہو جائے خواہ عشر ہو یا خراج وہ ہمیشہ کے لیے ناقابل تبدیل ہوتا ہے، اسی لیے اگر مسلمان نے کسی کافر کی خراجی زمین خریدی تو خریدار کے مسلمان ہونے کے باوجود اس زمین کا وظیفہ خراج ہی رہے گا۔ (۱)

دوسری شرط : زمین کا عشری ہونا، خراجی زمین میں عشر واجب نہیں کیوں کہ حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک زمین میں دو وظیفے عشر و خراج جمع نہیں ہو سکتے۔ (۲)

ان تکون الارض عشریة فلا تجب اصلا فی الارض الخراجیة لان العشر والخراج لا یجتمعان فی ارض واحدة۔ (۳)

تیسری شرط : زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا ہے اگر کسی وجہ سے پیداوار نہ ہو خواہ کسی تقدیری سبب سے یا اس کی کوتاہی اور غفلت سے کہ زراعت ہی نہیں کی یا اس کی خبرگیری اور حفاظت نہیں کی، بہرصورت عشر ساقط ہو جائے گا۔ (۴)

وجود الخارج فلو لم تخرج الارض شیئا لم یجب العشر لان الواجب جزء من الخارج۔ (۵)

چوتھی شرط : یہ ہے کہ پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جس کو پیدا کرنے اور اگانے کا رواج ہو عادۃً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہو، خودرو گھاس یا بے کار قسم کے خودرو درخت اگر کسی زمین میں

---

(۱) بدائع ۲/ (۲) ابو عبید (۳) الفقہ الاسلامی ۲/۸۰۲ (۴) بدائع ۲/

(۵) الفقہ الاسلامی ۲/۸۰۲

وجائیں تو ان میں عشر واجب نہیں، گھاس اور بانس کو اگر آمدنی کی غرض سے اگایا گیا ہے تو ان میں بھی عشر واجب ہے اور اگر ویسے ہی کوئی درخت اُگ گیا ہے تو نہیں۔ (۱)

ومنها ان يكون الخارج من الارض مما يقصد بزراعته نماء الارض وتستغل الارض به عادة فلا عشر في الحطب والحشيش والقصب الفارسي لان هذه الاشياء لا تستنمى بها الارض ولا تستغل الارض بها عادة .... حتى لو ان الارض اذا اتخذها مقصبة وفي شجرة الخلاف التي يقطع في كل ثلاث سنين او اربع سنين انه يجب فيه العشر۔ (۱)

عقل و بلوغ شرط نہیں

عام احکام شرعیہ میں عاقل و بالغ ہونا بھی شرط ہوتا ہے مگر زمین پر وجوب عشر کے لیے یہ دونوں شرطیں نہیں۔ مالک زمین کا نابالغ بچہ یا مجنون ہو مگر اس کی زمین سے پیداوار حاصل ہوتی ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ ان دونوں کے اولیاء پر اس کی ادائے گی فرض ہوگی۔ بخلاف زکوٰۃ کے کہ وہ بچہ یا مجنون کے مال میں واجب نہیں ہے۔

واما العقل والبلوغ فليسا من شرائطها اهلية وجوب العشر حتى يجب العشر في ارض الصبي والمجنون الخ۔ (۲)

زمین کی ملکیت بھی شرط نہیں

وجوب عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا بھی ضروری نہیں اسی لیے وقف کی زمینیں جو کسی کی ملک میں نہیں ہوتیں ان کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے نیز جس شخص کی زمین اپنی ملک نہیں بلکہ کسی سے عاریت یا کرایہ پر لے کر اس میں کاشت کرتا ہے تو پیداوار کا عشر اسی شخص کے ذمہ ہے جو پیداوار حاصل کرتا ہے مالک زمین کے ذمہ نہیں۔

---

(۱)-(۲) بدائع الصنائع ج ۲ ص ۵۶ (۳) بدائع ج ۲ ص ۵۶

(۳) جس شخص پر عشر یا خراج واجب الادا تھا وہ ادائیگی سے قبل مرگیا تو اس کے ترکہ / میراث میں سے وہ عشر یا خراج وصول کیا جائے گا۔

من علیہ عشر او خراج ومات اخذ من ترکتہ وفی روایۃ لا بل یسقط بالموت والاول ظاھر الروایۃ ۔ (۱)

(۴) اگر زمین دوسرے شخص کو مزارعت پر دے دی تو پیداوار میں ایک معین حصہ مالک کا اور دوسرا معین حصہ کاشتکار کا مثلاً دونوں نصف نصف ایک تہائی اور دو تہائی، اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصۂ پیداوار کے مطابق لازم ہوگا۔

فاما علی مذھبھما فالمزارعۃ جائزۃ والعشر یجب فی الخارج والخارج بینھما فیجب العشر علیھما۔ (۲)

(۵) اگر کسی شخص نے کوئی عشری یا خراجی زمین بغرض تجارت خریدی اور اس میں کاشت کرلیا ہے تو اس کی پیداوار پر عشر یا خراج ہی واجب ہوگا، زکوٰۃ تجارت واجب نہ ہوگی کیوں کہ زمین کا اصل وظیفہ عشر یا خراج ہے، نیت تجارت کی وجہ سے اس میں دوسری زکوٰۃ لازم نہ آئے گی۔

وعلی ھذا قال اصحابنا فیمن اشتری ارض عشر للتجارۃ او اشتری ارض خراج للتجارۃ ان فیھا العشر او الخراج ولا تجب زکوٰۃ التجارۃ مع احدھما .... لان سبب الوجوب فی الکل واحد وھو الارض الا تری انہ یضاف الکل الیھا یقال عشر الارض وخراج الارض وزکوٰۃ الارض وکل ذلک حق اللہ تعالٰی وحقوق اللہ تعالٰی المتعلقۃ بالاموال النامیۃ لا یجب فیھا حقان منھا بسبب مال واحد کزکوٰۃ السائمۃ مع التجارۃ واذا ثبت انہ لا سبیل الی اجتماع العشر والزکوٰۃ واجتماع الخراج ۔ (۳)

وجوب عشر کے لیے نصاب کی تعیین و تحدید نہیں

عشر کا نصاب شرعی امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ پیداوار کم ہو یا زیادہ بہرحال اس کا عشر ادا کرنا

(۱) درمختار ۳۳۳/۲ (۲) ہدایہ ۱/ ۵۷۶ (۳) بدائع ۵۵/۲

واجب ہے۔ اس کے لیے زکوٰۃ کی طرح کسی خاص نصاب کی تعیین و تحدید نہیں کی گئی جس سے کم
ساقط ہو جائے۔ وجہ اس کی قرآن و حدیث کے الفاظ کا عموم ہے یعنی قرآن کریم کی آیات کر
علیہ وسلم کی احادیث یہ بتلاتی ہیں کہ زمین کی پیداوار کم ہو یا زیادہ بہر صورت عشر واجب۔

وكذا النصاب ليس بشرط لوجوب العشر يجب العشر في كثيره وقليله ولا يشترط فيه النصاب عند أبي حنيفة ...... ولأبي حنيفة عموم قوله تعالى: يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض وقوله عز وجل وآتوا حقه يوم حصاده وقول النبي صلى الله عليه وسلم: ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر من غير فصل بين القليل والكثير ولأن سبب الوجوب هي الأرض النامية بالخارج لا يوجب التفصيل بين القليل والكثير (۱)

مقدار واجب

لفظ عشر کے معنی ہیں دسواں حصہ لیکن مقدار واجب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفصیل بیان فرمائی ہے:

ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر (۲)

فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر وما سقي بالنضح نصف العشر (۳)

عن جابر أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول فيما سقت الأنهار والغيم العشور وفيما سقي بالسانية نصف العشر (۴)

یعنی جو زمین آسمانی پانی سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جس کو ڈول وغیرہ سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔

---

(۱) ہدایہ ۱/۵۹ (۲) ایضاً (۳) بخاری شریف ۱/۲۰۱

(۴) مسلم و ابوداؤد مع الفتح الربانی ۸/۱۲۲

چنانچہ یہ بات واضح ہوگئی کہ جس زمین کی آب پاشی پر کچھ لاگت یا خرچ ہو جیسے چاہی زمینوں میں یا نہری زمینوں میں جن میں پانی کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے تو ان میں پیداوار کا بیسواں حصہ واجب الادا ہوتا ہے۔ (نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اصطلاح میں عام طور پر جس کو عشر کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے ضمن میں نصف عشر بھی داخل ہے)۔

(۶) اگر کسی زمین کی آب پاشی کچھ تو بارش سے اور کچھ کنویں یا نہر وغیرہ کے پانی سے ہو تو اس میں اکثر کا اعتبار کیا جائے گا کہ زیادہ آب پاشی بارش کے پانی سے ہے تو بارش سے ہے تو عشر واجب ہوگا ورنہ نصف عشر واجب ہوگا۔

ولو سقي الزرع في بعض السنة سيحا وبعضها بآلة يعتبر فيه الغالب لان للاكثر حكم الكل۔ (۱)

(۷) جس زمین کی آب پاشی بارش اور کنویں وغیرہ سے برابر ہو تو اس میں آدھی پیداوار کا عشر اور آدھی کا نصف عشر واجب ہوگا۔ (۲)

(۸) بیج لگانے، ہل جوتنے نیز حفاظت کرنے کی طرح بیلوں اور مزدوروں وغیرہ کے جو اخراجات ہیں ان کو وضع کیے بغیر پوری پیداوار کا عشر ادا کرنا لازم اور ضروری ہے۔

ولا يحتسب لصاحب الارض ما انفق على الغلة من سقي او عمارة او اجر الحافظ او اجر العمال او نفقة البقر لقوله صلى الله عليه وسلم ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب او دالية ففيه نصف العشر اوجب العشر ونصف العشر مطلقا عن احتساب هذه المؤن ولان النبي صلى الله عليه وسلم اوجب الحق على التفاوت لتفاوت المؤن ولو رفعت المؤن لارتفع التفاوت۔ (۳)

(۹) صاحب بدائع کے درج بالا دلائل کے پیش نظر جدید طریق زراعت میں جو ہونے والے غیر معمولی اخراجات (کھاد، دوا وغیرہ) کو بھی اصل پیداوار سے وضع نہیں کیا جا سکتا کیونکہ

---

(۱) مبسوط ۲/۱۹۰ (۲) رد المحتار (۳) بدائع ۲/۶۲

کاشت میں جدید طریقوں کو اختیار کرنے سے پیداوار بھی زیادہ ہوگی اور اختیار نہ کرنے کی صورت میں اسی کے تناسب سے پیداوار میں کمی واقع ہوگی، لہٰذا کل مجموعی پیداوار ہی پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔

(۱۰) اگر کوئی بادشاہ یا اس کا نائب کسی عشری زمین کا عشر معاف کردے تو شرعاً نہ تو اس کے لیے معاف کرنا جائز ہے اور نہ مالکِ زمین کو یہ عشر اپنے خرچ میں لانا جائز ہوگا، بلکہ اس کے ذمہ لازم ہے کہ خود مقدار عشر نکال کر فقراء، مساکین وغیرہ پر صدقہ کردے۔

وترك (السلطان اونائبه) لايجوز اجماعا ويخرجه بنفسه الى الفقراء۔(۱)

(۱۱) احناف کے یہاں پیداوار کے عشر یا نصف عشر دینے کے بجائے غرباء، فقراء، مساکین کو اس کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔

واما صفة الواجب فالواجب جزء من الخارج لانه عشر الخارج أو نصف عشره وذلك جزؤه إلا انه واجب من حيث انه مال لا من حيث انه جزء عندنا حتى يجوز اداء قيمته عندنا وعند الشافعي الواجب عين العشر ولا يجوز غيره۔(۲)

کھانہ، سنگھاڑا، درختِ شہتوت وغیرہ کی کاشت پر عشر واجب ہے

زمین سے حاصل شدہ پیداوار پر وجوبِ عشر کے لیے یہ شرط ہے کہ اس میں کسی چیز کی کاشت سے عادۃً نماء ارض اور تحصیل آمدنی مقصود ہو، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص تحصیل آمدنی کی غرض سے اپنی زمین میں بانس وغیرہ بوتا ہے تو اس پر عشر واجب ہے۔

لہٰذا درج بالا اصول کے پیش نظر پانی میں کاشت کی جانے والی اشیاء مثلاً کھانہ، سنگھاڑا وغیرہ نیز جلانے اور تعمیرات میں کارآمد لکڑیوں کے درخت اگانے نیز ریشم کے کیڑوں کی پرورش و پرداخت کے لیے شہتوت کے درخت اگانے کی صورت میں ان پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا، کیوں کہ دورِ حاضر میں اس کاشت سے عادۃً نماء ارض اور تحصیل آمدنی ہی مقصود ہے اور ہر ایسی زمین جس سے مذکورہ بالا غرض

---

(۱) رد المحتار ۲/۲۶۶ (۲) بدائع ۲/۶۳

وابستہ ہو حسب تصریح فقہاء وہ زمین عشر وخراج ان دونوں وظیفوں سے خالی نہیں ہوسکتی، لازمی طور پر وہاں عشر یا خراج واجب ہوگا۔ (۱)

فان الارض المعدة للاستغلال لاتخلوا من احدی الوظیفتین۔ (۲)

إذ الارض لاتخلوا عن احدی المؤنتین۔

اور دوسری جگہ مذکور ہے:

لان الارض لا تخلوا عن مؤنة اما العشر واما الخراج۔ (۳)

کھیتی کی زمینوں کو تالاب بناکر اس میں مچھلی کی کاشت کا حکم

آج کل عام طور پر زراعتی زمینوں میں تالاب کھود کر اس میں بارش، ندی، نہر، بورنگ وغیرہ سے پانی بھر کر اس تالاب میں مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے اس لیے کہ مچھلی میں پیداوار کی دیگر اقسام کی بہ نسبت اخراجات ومحنت کم اور نفع بہت زیادہ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس مچھلی کی کاشت کو داخل زراعت قرار دے کر اس پر عشر اور زکوٰۃ اموال میں سے کون سا حکم جاری ونافذ ہو؟

زمین میں تالاب کھود کر چونکہ یہ کاشت کی جاتی ہے لہٰذا مچھلی کی یہ پیداوار زمین سے متعلق ہے اور زمین کا وظیفہ عشر یا خراج ہے، نیز عشر وخراج کا حکم وجوب زکوٰۃ اموال کے حکم وجوب کی بہ نسبت عام ہے بنا، بریں مچھلی کی کاشت پر زکوٰۃ اموال کے بجائے عشر وخراج ہی کے احکام جاری ونافذ ہوں گے۔

وجه ظاهر الرواية ان سبب الوجوب فی الکل واحد وهو الارض ألا ترى أنه یضاف الکل إلیها یقال عشر الارض وخراج الارض وزکوٰة الارض وکل واحد من ذلك حق الله تعالی وحقوق الله تعالی المتعلقة بالاموال النامیة لایجب فیها حقان بسبب مال واحد کزکوٰة السائمة مع التجارة واذا ثبت انه لاسبیل إلی اجتماع العشر والزکوٰة واجتماع الخراج والزکوٰة فایجاب العشر

---

(۱) بدائع صنائع ۲/۵۸ (۲) رد المحتار ۲/۵۳ (۳) بدائع صنائع ۲/۵۴

أو الخراج أولى لأنهما أمر وجوبها إلا أن الأخرى أنهما لا يسقطان بعذر الصبا والجنون والزكاة تسقط فكان ايجابهما أولى۔ (۱)

اراضیِ وقف پر وجوبِ عشر و خراج

عشر و خراج کے وجوب کے لیے صرف پیداوار کی ملکیت شرط ہے زمین کی ملکیت شرط نہیں کیونکہ عشر و خراج پیداوار پر واجب ہوتا ہے نہ کہ زمین پر لہٰذا زمین کی ملکیت و عدم ملکیت اس بارے میں یکساں ہے لہٰذا وقف کی زمینیں اگرچہ کسی کی مملوک نہیں مگر ان پر عشر و خراج واجب ہوگا۔

ثم في العشر والخراج لا يعتبر المالك ولا أهليته حتى يجب في الأرض الموقوفة ويجب في أراضي المكاتب والصبيان والمجانين ويجب الخراج في أرض الوقف والصبي والمعتوه لو كانت الأرض خراجية والعشر لو عشرية ۔ وكذلك ملك الأرض ليس بشرط لوجوب العشر وإنما الشرط ملك الخارج فيجب في الأرض التي لا مالك لها وهي الأراضي الموقوفة ۔۔۔۔۔۔۔ ولأن العشر يجب في الخارج لا في الأرض فكان ملك الأرض وعدمه بمنزلة واحدة ۔ (۲)

زمین کے سرکاری محصول یا کسی ٹیکس کی ادائیگی سے عشر ادا نہ ہوگا

عشر زکوٰۃ ہی کی طرح ایک مالی عبادت ہے اور اس کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے لہٰذا کوئی مسلم یا غیر مسلم حکومت اگر زمینداروں یا کاشتکاروں سے کوئی سرکاری ٹیکس وصول کرتی ہے تو اس ٹیکس کی ادائیگی سے عشر ادا نہ ہوگا بلکہ مسلمانوں کے ذمہ واجب ہوگا کہ وہ خود اپنے طور پر اپنا عشر واجب نکال کر مصارف عشر (مصارف زکوٰۃ) میں خرچ کریں۔

مصارفِ عشر

عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں اور جس طرح ادائے زکوٰۃ کے لیے یہ ضروری

(۱) بدائع ۲/۵۴ (۲) تحفۃ الفقہاء ۱/۳۲۳ ، بیروت ، بدائع ۲/۵۶

ہے کہ کسی مستحق زکوٰۃ کو بغیر کسی معاوضہ، خدمت وغیرہ کے مالکانہ طور پر قبضہ کر دیا جائے اسی طرح عشر کی ادائیگی میں بھی تملیک ضروری ہے ۔

اما رکنه فهو التمليك لقوله تعالى وآتوا حقه يوم حصاده والإيتاء هو التمليك وقوله تعالى وآتوا الزكوة فلا تتأدى بطعام الإباحة وبما ليس بتمليك رأسا من بناء المساجد وبما ليس بتمليك من كل الوجوه (۱)

وجوب عشر کا وقت

امام اعظم ابو حنیفہ رح کے نزدیک زمین میں بوئے جانے والے دانوں کے اُگ کر باہر نکل آنے سے اور پھل دار درخت پر پھل لگ جانے اور ظاہر ہو جانے سے عشر واجب ہو جاتا ہے ۔

وأما وقت الوجوب وقت خروج الزرع وظهور الثمر عند أبي حنيفة رح (۲)

پیداوار کی تکرار موجب تکرار عشر ہے

وجوب عشر کے لیے سال گذرنا (حولان حول) شرط نہیں، اس لیے اگر کسی زمین میں ایک مرتبہ سے زیادہ پیداوار ہوتی ہے تو ہر مرتبہ کی پیداوار پر الگ الگ عشر واجب ہوگا۔

والحول ليس بشرط لوجوب العشر حتى لو أخرجت الأرض في السنة مرارا يجب العشر في كل مرة لأن نصوص العشر مطلقة عن شرط الحول ولأن العشر في الخارج حقيقة فيتكرر الوجوب بتكرر الخارج وكذلك خراج المقاسمة لأنه في الخارج فأما خراج الوظيفة فلا يجب في السنة إلا مرة واحدة لأن ذلك ليس في الخارج بل في الذمة عرف ذلك بتوظيف عمر رض وما وظف في السنة إلا مرة واحدة - (۳)

---

(۱) بدائع ۲/۵۱ (۲) بدائع ۲/۶۳

(۳) بدائع ۲/۶۱

عشر کب ساقط ہو جاتا ہے؟

پیداوار کے خود بخود ہلاک ہو جانے کی وجہ سے عشر ساقط ہو جاتا ہے۔ پوری پیداوار ہلاک ہو گئی تو پورا عشر ساقط ہو جائے گا اور اگر کچھ حصہ ہلاک ہوا ہے تو اتنی مقدار کا عشر ساقط ہو گا اور باقی مقدار قلیل ہو یا کثیر اس کا عشر واجب رہے گا۔

اگر مالک زمین کے علاوہ اور کسی شخص نے پیداوار ہلاک کر دی تو مالک اس شخص سے ضمان وصول کرے گا اور ضمان کی رقم میں سے عشر ادا کرے گا۔ اور اگر کسی نے پیداوار کا کچھ حصہ ہلاک کر دیا ہے تو ہلاک شدہ مقدار کا ضمان وصول کر کے اس ضمان کی رقم میں سے ہلاک شدہ مقدار کا عشر ادا کرنا لازم ہو گا۔

واما ما یسقط بعد الوجوب فمنها هلاك الخارج من غیر صنعه لان الواجب فی الخارج فاذا هلك یهلك بما فیه کهلاك نصاب الزكٰوة بعد الحول.........

وان هلك البعض یسقط الواجب بقدره ویؤدی عشر الباقی قل الباقی او كثر .... وان استهلك فان استهلكه غیر المالك اخذ الضمان منه وادی عشره وان استهلك بعضه ادی عشر القدر المستهلك من الضمان الخ۔ [1]

خراج سے متعلق تفصیلات

خراجی زمینوں کا خراج عشر کی طرح زکوٰۃ یا عبادت تو نہیں ہے مگر زمینوں پر ایک ایسا حق شرعی ہے کہ عشر کی طرح اس کی ادائیگی بھی واجب ہے۔

خراج کی دو قسم

خراج کی دو قسمیں ہیں، خراج مقاسمہ اور خراج موظف۔ خراج مقاسمہ کے معنی بٹائی کے ہیں کہ پیداوار کا کوئی حصہ مثلاً نصف یا ثلث مقرر کر دیا جائے، اور خراج موظف کے معنی یہ ہیں کہ نقد رقم مقرر کر دی جائے۔

---

(1) بدائع ۲/۶۵

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اول فتح کے وقت جس زمین پر جس طرح کا خراج لگا دیا گیا پھر اس کی تبدیل جائز نہیں مثلاً خراج مقاسمہ کو خراج موظف سے بدل دینا یا اس کا برعکس کرنا جائز نہیں۔

خراج موظف کی مقدار

جب عراق فتح ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن حنیف رضہ کو سرزمین عراق کی پیمائش امر دے، کا حکم دیا اور حضرت حذیفہ کو اس کام کا نگراں مقرر فرمایا پوری مفتوحہ زمین کی پیمائش کی گئی تو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی۔ "جریب" ساٹھ مربع گز کو کہتے ہیں۔

حضرت عمر رضہ نے عراق کی ان سب زمینوں پر جن میں پانی پہنچتا ہے اور قابل کاشت ہیں خراج موظف اس تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع گندم یا جو یا جو چیز جو اس میں بوئی جائے۔ اور ترکاری کی ایک جریب میں پانچ درہم۔ انگور یا کھجور کا ایسا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو یعنی وہ ایسے گنجان ہوں کہ ان میں زراعت نہ ہو سکے تو فی جریب دس درہم مقرر فرمائے۔ (۱)
حضرت عمر فاروق رضہ نے اس زمانہ کی عام پیداوار کا جائزہ لے کر مذکورہ بالا اشیاء کا خراج متعین فرمایا۔

ان کے سوا دوسرے پھلوں کے باغات (خواہ گنجان ہوں کہ ان میں زراعت نہ ہو سکے یا متفرق ہوں نیز انگور و کھجور کے وہ باغات جن میں کاشت ہو سکتی ہو) اور دوسری قابل کاشت اشیاء جن کا خراج حضرت فاروق اعظم رضہ نے متعین نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہاء کرام نے تحریر کیا ہے کہ زمین کی پیداوار کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے جو نصف پیداوار کی مقدار سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں تو اس کے مناسب کمی کر دی جائے۔ (۲)

اما خراج الوظيفة فما وظفه عمر في كل جريب ارض بيرها ما تصلح للزراعة قفيز مما يزرع فيها ودرهم القفيز صاع والجريب ارض طولها ستون ذراعا وعرضها ستون ذراعا ..... وفي جريب الرطبة خمسة دراهم وفي جريب الكرم

---

(۱) هدایه ۲/۵۹۲ (۲) هدایه باب العشر والخراج

عشرة دراهم هكذا وظفه عمر رضی بمحضر من الصحابة رضی ولم ينكر عليه احد ومثله يكون اجماعاً. واما جريب الارض التي فيها اشجار مثمرة بحيث لا يمكن زراعتها لم يذكر في ظاهر الرواية وروی عن ابی یوسف رح انه قال اذا كانت النخيل ملتفة جعلت عليه الخراج بقدر ما تطيق ولا ازيد على جريب الكرم عشرة دراهم .... لان مبنى الخراج على الطاقة الاترى ان حذيفة بن اليمان وعثمان بن حنيف رض لما مسحا سواد العراق بامر عمر رض ووضعا على كل جريب يصلح للكرم عشرة دراهم فقال لهما عمر رض لعلكما حملتما ما لا تطيق فقالا بل حملنا ما تطيق ولو زدنا لاطاقت فدل الحديث ان مبنى الخراج على الطاقة فيقدر بها فيما وراء الاشياء الثلثة المذكورة في الخبر.

واما خراج المقاسمة فهو ان يفتح الامام بلدة فيمن على اهلها ويجعل على اراضيهم خراج مقاسمة وهو ان يؤخذ منهم نصف الخارج او ثلثه او ربعه وانه جائز لما روی ان رسول الله صلى الله عليه وسلم هكذا فعل لما فتح خيبر و يكون حكم هذا الخراج حكم العشر ويكون ذلك في الخارج كالعشر الا انه يوضع موضع الخراج لانه خراج في الحقيقة. والله اعلم ـ (۱)

أحكام الخراج

(۱) مذکورہ بالا تفصیل سے خراج مقاسمہ کا بھی اندازہ قائم ہو جاتا ہے کہ پیداوار کے پانچویں حصے سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔

(۲) اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ جائے یا کسی اور آفت سے وہ قابل کاشت نہ رہے تو خراج معاف ہو جائے گا۔ (۲)

(۳) البتہ زمین کے قابل کاشت ہونے کے باوجود اپنی غفلت و کوتاہی سے کاشت نہ کی تو خراج موقوف

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/ ۶۲-۶۳ (۲) هدایه

وصول کیا جائے گا وہ معاف نہ ہوگا، مگر خراج مقاسمہ اس صورت میں بھی معاف ہو جائے گا کیونکہ مقاسمہ تو پیداوار سے متعلق ہے اور جب پیداوار نہیں تو خراج بھی نہیں۔ (۱)

(۴) زمین پر خراج مقرر ہو جانے کے بعد مالک زمین کے مسلمان ہو جانے کی صورت میں بھی وظیفہ زمین تبدیل نہ ہوگا، خراج ہی واجب ہوگا۔ (۲)

(۵) مسلمان کو کسی کافر سے خراجی زمین خریدنا جائز ہے مگر مسلمان کے مالک ہو جانے کے بعد بھی وظیفہ زمین بدستور خراج ہی رہے گا۔ بہت سے صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے خراجی زمینیں خریدیں اور ان کا خراج ادا کرتے رہے، جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو خراجی زمین خریدنا اور اس کا خراج ادا کرنا بلاکراہت جائز ہے۔ (۳)

(۶) اگر زمین میں سال بھر میں دو یا زیادہ مرتبہ پیداوار حاصل کی جائے تب بھی خراج موظف ایک ہی رہے گا مکرر واجب نہ ہوگا، کیونکہ خراج موظف کا تعلق پیداوار سے نہیں بلکہ زمین سے ہے۔ بخلاف عشر کے کہ جتنی مرتبہ عشری زمین سے سال بھر میں غلہ اگایا جائے گا اتنی مرتبہ عشر ادا کرنا بھی واجب ہوگا، کیونکہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے۔

ولا یتکرر الخراج بتکرر الخارج فی سنة لو موظفا والا بان کان خراج مقاسمة تکرر لتعلقه بالخارج کالعشر فانه یتکرر۔ (۴)

(۷) اگر خراجی زمین کسی دوسرے شخص کو اجارہ پر دے دی تو اگر یہ اجارہ بٹائی کی بنیاد پر ہے کہ مالک زمین اور مستاجر کے درمیان پیداوار کے حصے مقرر ہوکر تقسیم ہو تو خراج مقاسمہ بھی دونوں شخصوں پر اپنے اپنے حصے کے مطابق واجب ہوگا اور اگر اجارہ کچھ نقد رقم پر کیا گیا ہے تو مفتی بہ قول کے مطابق خراج موظف مستاجر کے ذمہ ہوگا جیسا کہ باب عشر میں گذرا۔ (۵)

(۸) اگر کسی بادشاہ یا اس کے نائب نے کسی شخص کے لیے خراج زمین معاف کر دیا تو معاف کرنا جائز ہے اور خراج کی رقم یا غلہ کا استعمال اس شخص کے لیے جائز ہے بشرطیکہ یہ شخص مصرف خراج ہو،

---

(۱) هدایه مع فتح القدیر ۴/۳۶۳ (۲) هدایه (۳) هدایه مع فتح القدیر ۴/۳۶۴

(۴) درمختار ۳/۱۹۲ (۵) ردالمحتار وغیرہ

مثلاً دینی خدمت یعنی تعلیم، تبلیغ، افتاء یا جہاد وغیرہ میں مشغول ہے اور جو شخص مصرفِ خراج نہ ہو تو اس کو خراج کی یہ رقم یا غلہ وغیرہ خود استعمال کرنا جائز نہیں بلکہ خراج کی مذکورہ رقم اس کے لیے واجب التصدق ہے۔

ترك السلطان أو نائبه الخراج لرب الأرض أو وهبه له ولو بشفاعة جاز عند أبي يوسف لو مصرفا وإلا تصدق به ويفتى .... ولو ترك العشر لا يجوز إجماعا ويخرجه بنفسه للفقراء۔ (۱)

مصارفِ خراج

خراجی زمینوں سے جو خراج کی رقم یا غلہ وغیرہ وصول ہو اس کا مصرف اسلامی ملک اور مسلمانوں کی مصالح عامہ ہیں۔ سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے اخراجات و تنخواہیں، عمالِ حکومت اور علماء و طلبہ نیز مفتیوں اور قاضیوں کا بقدرِ کفایت گزارہ خراج کی مد سے دیا جائے گا۔ سڑکوں اور پلوں کی تعمیر و مرمت کا خرچ بھی اس مد سے دیا جائے گا۔

وما جباه الإمام من الخراج ومن أموال بني تغلب وما أهداه أهل الحرب إلى الإمام والجزية تصرف في مصالح المسلمين كسد الثغور وبناء القناطر والجسور ويعطى قضاة المسلمين وعمالهم منه ما يكفيهم ويدفع منه أرزاق المقاتلة وذراريهم قال في الفتح يعطى أيضا للعلماء والمتعلمين وبهذا تدخل طلبة العلم۔ (۲)

اور امیر المؤمنین جو رقم خراج اراضی سے یا بنی تغلب کے دوگنے عشر سے حاصل کرے یا اس کو اہل حرب کی طرف سے کوئی ہدیہ ملے اور جو کچھ رقم جزیہ سے حاصل ہو وہ سب مسلمانوں کی مصالح میں خرچ کی جائے گی جیسے سرحدوں کی اصلاح اور مستقل پلوں کی تعمیر، عارضی پل اس سے مستثنیٰ ہیں اور اس سے قاضیوں، عمالِ حکومت اور علماء کرام کو ان کی ضروریات کی کفایت کی حد تک عطایا دی جائیں گی اور اسی میں سے مجاہدین اور فوج کا اور ان کے عیال کا گزارہ دیا جائے گا۔ فتح القدیر میں ہے کہ مدرسین و طلبہ علمِ دین کو بھی اسی میں سے دیا جائے گا۔

---

(۱) رد المحتار ۲/۳۶۹ (۲) فتح القدیر ۵/۳۰۶، در مختار ۳/۲۸۲ (۳) فتح القدیر ۴/۳۰۳

ہندوستان میں ادائے خراج کی صورت

ہندوستان میں چونکہ اسلامی حکومت نہیں ہے لہذا مسلمانان ہند پر واجب ہے کہ وہ اپنی خراجی زمینوں کا خراج موظف یا خراج مقاسمہ خود اپنے طور پر نکال کر مدارس اسلامیہ، علماء، طلبۂ دین وغیرہ مذکورہ بالا مصارف خراج میں صرف کریں۔

زمین کا محصول یا زمین کے سلسلہ کا کوئی ٹیکس ادا کرنے سے خراج کی ادائیگی شرعاً معتبر وصحیح نہ ہوگی۔

لان الكافرين ليس لهم ولاية أخذ الخراج من المسلمين وايضا ليسوا بمصارف الخراج كما في جامع الفصولين۔

واللہ اعلم بالصواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب

محور اوّل

از ـــــ مولانا عبد الرحمٰن صاحب ـــــ مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو ان کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں رہیں گی۔ اور ان پر عشر واجب ہوگا۔ یہ زمینیں عشری ہوں گی جیسے مدینہ طیبہ کی زمین کہ یہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کر کے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ آنیکی دعوت دی اور آپ کی اطاعت قبول کی۔ اس لیے مدینہ طیبہ کی زمینیں عشری قرار پائیں۔

اسی طرح جو ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور امام المسلمین نے اس کی زمینیں مال غنیمت کے ضابطے سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دیا تو جو زمینیں تقسیم ہو کر مجاہدین کی ملک میں آگئیں وہ سب عشری ہوں گی۔ جیسے خیبر کی زمین کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مجاہدین میں تقسیم فرمایا اور ان پر عشر لازم کیا گیا۔

اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدۂ صلح ہوا ہے۔ اگر اس صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور انہی لوگوں کی ملکیت میں رہیں گی جن کی ملکیت میں ابتک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا۔ اور یہ زمینیں ہمیشہ کے لیے خراجی ہو جائیں گی کیونکہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں اور ان کی زمینوں کے لیے حکم خراج متعین ہے۔

اسی طرح اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہو اگر فتح کے بعد امام المسلمین نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم رکھی تو یہ زمینیں بھی سب خراجی ہوں گی۔ جیسے شام و عراق اور مصر کی زمینیں کہ ان کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہی معاملہ فرمایا، بجز خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دیے گئے یا بیت المال کے لیے رکھے گئے۔

أرض العرب وهي من حد الشام والكوفة إلى أقصى اليمن وما أسلم أهله طوعا أو فتح عنوة وقسم بين جيشنا والبصرة أيضا بإجماع الصحابة عشرية لأنه أليق بالمسلم وكذا بستان مسلم أو كرمه كان داره وأرض السواد وهي قرى العراق وحده من العذيب إلى عقبة حلوان عرضا ومن العلث إلى عبادان طولا وما فتح عنوة ولم يقسم بين جيشنا إلا مكة من أو أقر أهله عليه أو نقل إليه كفار آخر أو فتح صلحا خراجية۔[1]

اور ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی کی ملک تھیں نہ قابل زراعت، بعد میں ان کو مسلمانوں امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنایا گیا، تو اگر ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی، اور اگر مسلمانوں نے ان کو قابل کاشت بنایا ہے تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں پر ہوگا۔ وہ عشری ہیں تو اس کو بھی عشری قرار دیا جائے گا۔ اور اگر وہ خراجی ہیں تو اس کو بھی خراجی سمجھا جائے گا۔ اگر قرب وجوار میں دونوں قسم کی اراضی ہوں تو نو آباد اراضی عشری ہوں گی ـــــــــ اور امام محمدؒ کے نزدیک مدار اس کو پانی پر ہے جس سے ان کو سیراب کیا جاتا ہے۔ اگر وہ پانی عشری ہے تو یہ بھی عشری ہوں گی، اور اگر وہ پانی خراجی ہے تو یہ زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں گی۔ علامہ شامی نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

وموات أحياه ذمي بإذن الإمام أو رضخ له أو مسلم خراجي ولو أحياه مسلم تعتبر قربه وكل منهما أي العشرية والخراجية إن سقي بماء العشر فيؤخذ منه العشر وإن سقي بماء الخراج فيؤخذ منه الخراج لأن النماء بالماء، شامي۔

---

[1] درمختار مع ہامش الرد ص ۳/۲۵۶ تا ۲۵۷۔

وفی رد المحتار بعد کلام طویل فتحصل أن الدار یعتبر فیها وأما المسلم إذا
أو جعل داره بستانا بخلاف النصوص مؤلفه عشری أو خراجی وقدمنا
عن الدر المنتقی أن المتون علی قول أبی یوسف أنه یعتبر القرب وهو ما مشی
علیه المصنف أولا اهـ[1]

محور چہارم کا جواب

۱ــــــ تقسیم ملک کے بعد ہندوستان کی وہ زمینیں جو قدیم سے مسلمانوں کے مالکانہ قبضہ میں چلی آرہی ہیں اور کسی دور میں بھی ان پر کسی کافر کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے وہ جس طرح عہد برطانیہ میں عشری تھیں آج بھی عشری ہیں۔ البتہ جو اراضی مسلمان ہندوستان میں چھوڑ کر پاکستان چلے گئے ہیں ان کی متروکہ اراضی کو حکومت ہند نے عموماً نارکان وطن ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ غیر مسلموں میں تقسیم کیا ہے۔ اگر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے ذریعے وہ کسی مسلمان کی ملک میں آجائیں تو وہ زمینیں اگر پہلے عشری بھی تھیں تو اب غیر مسلم کے استیلاء کی وجہ سے خراجی ہو جائیں گی۔

اسی طرح اگر کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومت ہند نے کسی مسلمان ہی کو ابتداءً دے دی ہو تو وہ بھی بوجہ استیلاء عشری نہ رہے گی بلکہ خراجی ہو جائے گی۔

۲ــــــ اگر اس سے مراد افتادہ زمین ہے تو اگر یہ حکومت کی نہیں ہے بلکہ اپنے گھر کے قریب ہے اور اپنی ہے۔ اس کے استعمال میں اجازت کی ضرورت نہیں ہے تو ایسی زمین تو گھر اور اس کے قرب و جوار کی زمین عشری نہیں ہے اور نہ خراجی ہے۔

اور اگر یہ ارض موات ہے تو اس کا ایک حکم تو محور اول کے ذیل میں مذکور ہوا جہاں امام ابو یوسفؒ کے قول کی ترجیح ذکر کی تھی۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ اب ہندوستان میں ارض موات ظاہر ہے کہ حکومت کی ملک ہے۔ اس کی اجازت سے اگر مسلمان اس کا احیاء کرے گا تو یہ زمین خراجی ہوگی۔

۳ــــــ ہندوستان میں سرکار کو دی جانے والی مالگذاری سے خراج ادا نہیں ہوگا۔

---

[1] ردالمحتار ۲۶۲/۳۔

۴ ——— عشر و خراج، شریعت اسلام کے دو اصطلاحی لفظ ہیں۔ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں مشترک ہے۔ عشر میں ٹیکس کے ساتھ ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور خراج خالص ٹیکس ہے۔ جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن چونکہ اسلامی حکومت کا عائد کردہ ٹیکس ہے اور اس کے مصارف بھی متعین ہیں اس لیے اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ اسلامی حکومت ہوتی تو وہ وصول کرتی اور اس کو اس کے مصارف میں صرف کرتی۔ وہ نہیں ہے تو خود مسلمان کو خراج کی رقم اس کے مصارف میں خرچ کرنا چاہیے۔ خراج کی زمین سے جو خراج کی رقم یا غلہ وغیرہ وصول ہو تو اس کا مصرف (اسلامی حکومت میں) تو عام مصالح ملک و اہل اسلام ہیں۔ سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے اخراجات اور عمال حکومت اور علماء، وطلباء، مفتیوں اور قاضیوں کا نفقہ بقدر کفایت اس مد سے دیا جائے گا۔ سڑکوں اور پلوں کی تعمیر و مرمت کا خرچہ بھی اس مد سے کیا جائے گا۔

وما جباه الامام من الخراج ومن اموال بنی تغلب وما اهداه اهل الحرب الی الامام والجزیة یصرف فی مصالح المسلمین کسد الثغور وبناء القناطر والجسور ویعطی قضاة المسلمین وعمالهم وعلماءهم منه ما یکفیهم ویدفع منه ارزاق المقاتلة وذراریهم اهـ قال فی الفتح ویعطی ایضا المعلمین والمتعلمین وبهذا استدل علی طلبة العلم۔ [1]

لیکن ہندوستان میں ان میں سے بعض مصارف نہیں ہیں۔ اس لیے ہندوستان میں مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ خراجی زمینوں کا خراج نکال کر اس کے ان مصارف پر خرچ کریں جو ہندوستان میں موجود ہیں جیسے مدارس دینیہ کے مدرسین وطلباء، فتوی اور تبلیغ وقضا کے کام کرنے والے علماء ان پر یہ رقوم خرچ کریں۔

ہندوستان اور پاکستان میں خراجی زمینوں پر خراج کس قسم کا عائد ہے۔ مقاسمہ یا موظف اس کا مدار ان احکام کے معلوم ہونے پر ہے جو مسلمان فاتحین نے اول فتح کے وقت نافذ فرمائے ہیں۔ اراضی سندھ کے متعلق تو علماء سندھ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ خراج مقاسمہ مقرر ہے جو

---

[1] فتح القدیر ۴/۳۸۳۔

محمد بن قاسم نے غیر مسلموں کی زمینوں پر عائد کیا تھا اور وہ خراج مقاسمہ خمس ہے یعنی پیداوار کا پانچواں حصہ۔[1]

لیکن محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد دوسرے علاقے ہندوستان کے جن کی فتوحات غزنوی اور غوری عہد حکومت سے شروع ہو کر علاء الدین خلجی تک تمام ہوئیں۔ ان میں اگرچہ اتنی بات ہے کہ ان تمام علاقوں کی زمینیں عموماً ان کے ہندو مالکان ہی کی ملک اور قبضہ میں باقی رکھی گئیں اور ان پر خراج عائد کیا گیا تھا مگر یہ تفصیل عام طور پر مذکور نہیں کہ خراج کی کون سی قسم ان زمینوں پر عائد کی گئی تھی۔ مقاسمہ یا موظف!

لیکن علاء الدین خلجی کے زمانے کے تغیرات و اصلاحات میں سے ایک تغیر یہ بھی مذکور ہے کہ اس نے مالکان اراضی پر جو نقد خراج مقرر تھا اس کے بجائے بٹائی (مقاسمہ) کا قاعدہ جاری کر دیا، اس کے بعد تغلق نے بھی یہی معمول جاری رکھا۔ اگرچہ شرعی حیثیت سے وہ تبدیلی جو خلجی وغیرہ نے کی مقبول نہیں اس لئے کہ اول فتح کے قانون کے خلاف کرنے کا کسی کو استحقاق نہیں ـــــــــ اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی خراج موظف (نقد) کا حکم جاری ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے عراق کی ان سب زمینوں پر جن میں پانی پہونچتا ہے اور قابل کاشت ہیں خراج موظف اس تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو چیز اس میں بوئی جائے اور ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور اور کھجور کا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو تو فی جریب دس درہم۔

کما وضع عمرؓ علی السواد لکل جریب وھو ستون ذراعا بذراع کسریٰ سبع قبضات یبلغہ الماء صاعا من بر او شعیر ودرھما[1]

ان کے سوا دوسرے پھلوں کے باغات اور دوسری مختلف قابل کاشت چیزیں جن کا خراج حضرت عمرؓ نے متعین نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہاء نے فرمایا کہ زمین کی پیداوار کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے جو خمس پیداوار کی مقدار سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔ اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں ہے تو اس کے مناسب کمی کر دی جائے۔

ہ ـــــــ عشر یا نصف عشر پوری پیداوار میں سے نکالا جائے گا۔ بونے، کاٹنے اور حفاظت کرنے

---

[1] درمختار۔

اور بیلوں اور مزدوروں کی اجرت اور کھاد و دوا وغیرہ کے مصارف منہا نہ ہوں گے۔

بلا رفع مؤن الزرع وبلا اخراج البذر لتصریحہم بالعشر فی کل الخارج (درمختار) أی یجب العشر فی الاول ونصفہ فی الثانی بلا رفع اجرۃ العمال ونفقۃ البقر وکری الانہار واجرۃ الحافظ ونحو ذالک (رد)[1]

۲۔ اگر زمین دوسرے شخص کو مزارعت (بٹائی) پر دی ہے کہ پیداوار میں ایک معین حصہ مالک کا اور دوسرا معین حصہ کاشت کار کا مثلاً دونوں نصفا نصف ہوں یا ایک تہائی اور دو تہائی ہو تو اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصۂ پیداوار کے مطابق لازم ہوگا۔

اگر زمین کا مالک مسلمان ہے اور بٹائی دار کافر ہے تو عشر چونکہ عبادت ہے اور کافر اس کا اہل نہیں ہے۔ اس لیے عشر کا کل اس صورت میں مسلمان ہی کو کرنا ہوگا۔ البتہ مسلمان مالک یہ کرسکتا ہے کہ بٹائی میں اپنا حصہ زیادہ رکھ لے۔ (عبدضعیف)

اگر مالک کافر ہے تو زمین کا وظیفہ خراج ہوگا اور بٹائی کی صورت میں مسلمان اور کافر دونوں اپنے اپنے حصہ کے مطابق خراج مقاسمہ ادا کریں گے۔ اور اگر اجارہ کچھ نقد روپے کے عوض کیا گیا ہے تو قول مفتی بہ کے مطابق خراج موظف مستاجر کے ذمہ ہوگا۔[2]

محور پنجم کا جواب

۱۔ عشر کے وجوب کے لیے کوئی مقدار حنفی مسلک میں متعین نہیں ہے۔ پیداوار کم ہو یا زیادہ ہر حال میں اس کا عشر نکالنا واجب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہی قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور وجہ اس کی آیات قرآنیہ کا عموم ہے: "ومما اخرجنا لکم من الارض" ۔ "واٰتوا حقہ یوم حصادہ" (القرآن)[3]

۲۔ وجوب عشر کی متعدد شرطیں ہیں۔ ان میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ پیداوار ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادۃً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہو خود رو گھاس

---

[1] رد المحتار [2] عشر و خراج کے احکام ص ۲۸۱ [3] بدائع وغیرہ۔

یا بیکار قسم کے خود رو درخت اگر کسی زمین میں اُگ آئیں تو ان میں عشر واجب نہ ہوگا۔ گھاس اور
بانس کو اگر آمدنی کی غرض سے اگایا گیا ہو تو ان میں بھی عشر واجب ہے۔ اور ویسے ہی کوئی درخت
اُگ گیا تو عشر واجب نہیں۔

۳ـــــ عشر زمین کی پیداوار میں واجب ہوتا ہے۔ مچھلی زمین کی پیداوار نہیں ہے۔ اس لیے زمین
کی کاشت میں اس کو داخل کرنا اور عشر واجب کرنا صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ یہ مال تجارت ہے۔ اس لیے
اس پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا۔

۴ـــــ شہد میں حنفیہ کے یہاں عشر ہے۔ شوافع نے شہد میں عشر کے وجوب کا انکار اس لیے کیا کہ یہ
نماء ارض سے نہیں۔ صاحب بدائع نے اس کا جواب یہ دیا کہ شہد کی مکھیاں انوار شجر کو
چوستی ہیں اور شجر کے انوار و ثمر میں عشر ہے تو یہ بھی نماء ارض سے ہے اس لیے اس میں عشر ہے۔
آثار و احادیث کے علاوہ عقلی دلیل کا یہ جواب دیا اور اس کو نماء ارض سے قرار دیا۔ ریشم کے ان
کیڑوں کی پرورش شہتوت کے درختوں کے پتوں پھلوں سے ہوتی ہے۔ جب یہ کیڑا پتوں کو چاٹ
جاتا ہے تو پھل کہاں باقی رہے گا۔ اور توت میں عشر ہے۔ تو توت جب ان کیڑوں کی غذا ہے تو اس
میں عشر ہوگا۔ اس لیے کہ یہ نماء ارض سے ہے۔ "التوت شجر یقتات بورقہ دود القز" (منجد) اس
پر شبہ سا ہوتا ہے کہ یہ کیڑا پتوں کو کھاتا ہے اور پتوں میں عشر نہیں؟ ـــــ لیکن ظاہر یہ
ہے کہ پتوں کو مع پھل کھا جاتا ہے۔

۵ـــــ وہ درخت جن سے پھل حاصل کرنا مقصود نہیں لیکن آمدنی کی غرض سے ان کو اگایا جاتا ہے
ان میں بھی عشر واجب ہے۔ جیسے نمبر (۲) جواب کے تحت مذکور ہوا کہ گھاس اور بانس کو اگر آمدنی
حاصل کرنے کی غرض سے اگایا جائے تو ان میں بھی عشر واجب ہے۔

۶ـــــ جو سبزیاں عشری زمین میں تجارت کی غرض سے اگائی جاتی ہیں ان میں عشر واجب ہے۔
جو سبزی گھر کی چھت یا صحن وغیرہ میں اگائی جاتی ہے اس میں عشر واجب نہیں۔ گھر، قبرستان
میں عشر نہیں ہے۔

"ولا شیئ فی دار و مقبرة" (در مختار)

فأما كون الخارج مما له ثمرة باقية أو ليس له ثمرة باقية وهو الخضراوات

كالبقول والرطاب والخيار والقثاء والبصل والثوم ونحوها في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى.[۱]

مسئلہ: اراضی اوقاف کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے۔

ويجب مع الدين، وفي أرض صغير ومجنون ومكاتب ومأذون ووقف (در مختار) قوله ووقف أفاد أن ملك الأرض ليس بشرط لوجوب العشر وإنما الشرط ملك الخارج لأنه يجب في الخارج لا في الأرض.[۲]

والله تعالى أعلم

---

[۱] بدائع الصنائع ۲/۵۹ [۲] رد المحتار عن البدائع ۲/۴۹-

چالیس بڑے مسلمان

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ
مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ
امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ
شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ
حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ
مفتی کفایت اللہ دہلویؒ
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ
حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ
شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ
حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
حضرت مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنیؒ
حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ
حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوریؒ
حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ
حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ
مولانا عبد الباری انصاری لکھنویؒ

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ
حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفیؒ
حضرت حاجی محمد شریف ہوشیار پوریؒ
حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
مسیح الامت مولانا شاہ مسیح اللہ
حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ
حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ
مولانا عبد اللہ درخواستیؒ
حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ
حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا مفتی محمودؒ

لکھنے والے اکابرین:

علامہ سید سلیمان ندویؒ
حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
مولانا خیر محمد جالندھریؒ
حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
حضرت مولانا عبد الباری ندویؒ
مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ
مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ
ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفیؒ
مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

مولانا مفتی سید عبد الشکور ترمذیؒ
مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ
جناب حضرت محمد زکی کیفیؒ
مولانا ابو الزاہد سرفراز خان صاحب صفدر
علامہ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی
مولانا پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹیؒ
مولانا ایوب جان بنوریؒ
مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری
مولانا حکیم محمد اختر صاحب
مولانا انظر شاہ کشمیری
مولانا عبد الرشید ارشد صاحب

جلد دوم

ترتیب

سید حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

ناشر

ادارۃ القرآن کراچی

تحریر

☆ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ☆ مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ

☆ مولانا عبدالدائم جلالیؒ ☆ مولانا عتیق احمد قاسمی

نیز مسئلہ ہذا سے متعلق مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی
کے مضامین اور انکے اوپر استدراک

مرتب: مولانا عتیق احمد قاسمی

اس کتاب میں مستند اکابر علماء نے مندرجہ ذیل موضوعات کے اعتبار سے روشنی ڈالی ہے۔
☆ اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت ☆ مصارف زکوٰۃ اور قرآن ☆ مسئلہ تملیک کے چند پہلو ☆ تملیک پر آیات قرآنی سے استدلال ☆ شرعی بیت المال کی چار مدات ☆ عاملین زکوٰۃ کا دائرہ ☆ تملیک شخصی کے نظریہ کی حقیقت ☆ کیا ایک مقام کی زکوٰۃ دوسرے مقام پر صرف نہیں ہو سکتی؟ ☆ پبلک اداروں کی حیثیت ☆ مصارف زکوٰۃ ☆ فقراء اور مساکین ☆ عاملین زکوٰۃ ☆ مؤلفۃ القلوب ☆ فی الرقاب ☆ غارمین ☆ فی سبیل اللہ ☆ ابن السبیل ☆ قربانی کی کھالوں کا شرعی حکم

ناشر
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ